تلمیحات و اشاراتِ اقبال

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مطالعۂ تلمیحات و اشاراتِ اقبال

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

(جملہ حقوق محفوظ)

اشاعت	۱۹۷۰ء
تعداد	پانچ سو
طباعت	لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ
قیمت	بارہ روپے پچاس پیسے

مطالعۂ تلمیحات و اشارات اقبال

اکبر حسین قریشی

فہرست ابواب

دیباچہ		۹
باب اوّل	اقبال کا ماحول اور شخصیت ابتدائی تعلیم و تربیت، گھریلو زندگی، تعلیمی، ادبی اور سیاسی ماحول اور اس کے اثرات۔	۱۱
باب دوم	اقبال کی تلمیحات قرآن آیات قرآنی کے ٹکڑے اقبال کے کلام میں مطالب قرآن کے اشارات	۲۹
باب سوم	اقبال کی تلمیحات حدیث احادیث کے ٹکڑے اقبال کے کلام میں متفرق مضامین احادیث کے اشارے۔	۹۸
باب چہارم	اقبال کی فلسفیانہ تلمیحات مغرب کے فلسفیوں اور ان کے فلسفیانہ اصولوں سے	۱۲۶

متعلق اقبال کے کلام میں اشارے مشرقی حکماء و صوفیہ
اور ان کی تعلیمات کی طرف اشارے۔

باب پنجم | اقبال کی تاریخی تلمیحات | ۱۵۹
اقبال کے کلام میں تاریخ اسلام کے اہم واقعات اور
شخصیتوں کی طرف اشارے، تاریخ عالم کی بعض
شخصیتوں اور بعض اہم واقعات کا ذکر۔

باب ششم | اقبال کی سیاسی تلمیحات | ۲۴۹
دنیا کی اہم سیاسی شخصیتوں اور اہم واقعات کی طرف
اشارے

باب ہفتم | اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق و مغرب کا ذکر۔ | ۲۶۲
شعراء کے سوانح، ان کے اشعار کے حوالے۔

باب ہشتم | اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر۔ | ۳۲۶
انبیاء، صحابہ، اولیا، احباب وغیرہ

باب نہم | اقبال کی بعض نظموں کے ماخذ | ۳۹۵
باب دہم | تلمیحات و اشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات
پر ایک نظر۔ | ۳۹۸

کتابیات | ۴۲۱

اشاریہ | ۴۳۱

انتساب

پروفیسر مولانا ضیاء احمد بدایونی کی خدمت میں

حدیثِ اہل دل با اہل دل گو

خاکسار اکبر حسین قریشی

دیباچہ

میرے مقالے کا عنوان "مطالعۂ تلمیحات واشارات اقبال" ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ملیں گی جو تلمیح اور اشارے کی تعریف سے خارج ہیں ان کو محض اس لئے شامل کر لیا گیا ہے کہ وہ تلمیح اور اشارے سے قریب تر تھیں نیز ان سے مقالے کی جامعیت اور افادیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ مقالے میں زیادہ تر تلمیحات واشارات ہی ہیں اس لئے مقالے کا عنوان جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ مقالے کی ترتیب میں یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کوئی چیز حد سے متجاوز نہ ہو اس لئے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ مشہور واقعات اور مشہور شخصیات کے بارے میں چند سطروں پر اکتفا کی گئی ہے۔ البتہ جن حضرات کو تفصیلات مطلوب ہیں ان کے لئے چند مستند حوالے دے دیئے گئے ہیں۔ مقالے میں اقبال کی کتابوں کی ترتیب تاریخی رکھی گئی ہے۔ اس لئے اسرارِ خودی کا نمبر سب سے پہلے آتا ہے اگرچہ بانگ درا میں اسرار سے بعد پہلے کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں لیکن چونکہ بانگ درا کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی اس لئے قدرتی طور پر اس کا نمبر بعد میں آیا ہے۔ تاریخی ترتیب کے علاوہ سہولت کے لئے ہر کتاب کے حوالے کے ساتھ ساتھ اس کا سال طباعت بھی دے دیا گیا ہے۔ مقالے کی تحریریں

اقبال کی کتابوں کے وہ نسخے پیش نظر رہے ہیں جو لاہور میں شائع ہوئے ہیں۔ قرآنی تلمیحات میں ترجمہ مولانا فتح محمد خاں جالندھری کا ملے گا۔ یہ ترجمہ اپنی صحت اور سلاست کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔

مقالے کے دس ابواب میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ وہ تمام تلمیحات و اشارات ان میں سمو دیئے جائیں جو تلمیح و اشارے کی تعریف میں آتے ہیں۔ سعی بلیغ کے باوجود چند مقامات ہنوز تحقیق طلب ہیں۔ ان کو مقالے کے آخر میں "تحقیق طلب" کے عنوان سے درج کر دیا گیا ہے۔

یہ مقالہ استاذی المحترم پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ موصوف کی شفقت اور رہنمائی کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے علاوہ جن حضرات نے میری امداد فرمائی میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ پروفیسر خواجہ منظور حسین، پروفیسر اے۔ جے۔ آربری، مولانا ضیاء احمد بدایونی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مولانا حامد حسن قادری، مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد اسلم جیراج پوری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد طیب، مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، قاضی عبدالودود صاحب، جناب اسلوب احمد انصاری، خان بہادر ظفر حسین صاحب، جناب سید وزیر الحسن عابدی، جناب مہکیش اکبر آبادی، جناب خواجہ غلام السیدین، جناب غلام احمد پرویز، جناب امیر الدین قدوائی، جناب اثر لکھنوی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد عزیز، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے، ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی وغیرہم۔ مجھے ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنہوں نے اقبال کے

احباب اور اعزہ کے بارے میں تفصیلات فراہم کیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان تمام حضرات کی توجہ ہی سے یہ مقالہ پورا ہوا ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اس مقالے کی تیاری میں جن کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ان میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مسلم یونیورسٹی لٹن لائبریری علی گڑھ، رضا پبلک لائبریری رام پور اور کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اکبر حسین قریشی

فٹ نوٹ صفحہ ۱۰

ل۔ ان میں سے بعض حضرات وفات پا چکے ہیں۔ مقالات کی تحریر کے وقت سب بہ قید حیات تھے۔

بابِ اوّل

اِقبال کا ماحول اور شخصیت

شیخ محمد اقبال کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ یوں تو ہندوستان میں برہمن اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے عموماً معزز سمجھے جاتے ہیں لیکن کشمیری برہمن کشمیر میں علمی حیثیت سے بھی خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اگرچہ اسلام کے زیر اثر اقبال ذات پات اور نسل کے افتخار کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تاہم جابجا ان کے اشعار میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ ان کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر بھی فخر تھا۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

برہمنوں کی ذہانت اور فلسفہ دانی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور غالباً از روئے قانون توارث اقبال کو اس سے اچھا خاصا حصہ ملا تھا۔

اقبال کے آبا و اجداد کشمیر سے آکر پنجاب میں بس گئے تھے۔ آپ کے اجداد سترھویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور تقریباً اسی زمانے میں کشمیر سے ترک وطن کر کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ علامہ اقبال

کے خاندان کے مورث اعلیٰ نے سیالکوٹ کو اپنا وطن قرار دیا۔ اس شہر میں اقبال ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ ان کی پیدائش سے چند روز قبل ان کے والد شیخ نور محمد نے ایک خواب دیکھا تھا کہ "ایک بڑا ہی عجیب و غریب پرندہ فضا میں زمین کے قریب اڑ رہا ہے اور بڑی کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہے اس ہجوم میں میں بھی ہوں وہ پرندہ کسی کی کوشش سے ہاتھ نہیں آتا لیکن خود بخود میرے دامن میں آکر گرا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔" اس کے بعد اقبال پیدا ہوئے تو انہوں نے اس خواب کی یہ تاویل کی کہ وہ پرندہ یہی بچہ ہے اور یہ ضرور کوئی غیر معمولی کمال پیدا کرے گا۔

اقبال کے والد اگرچہ صاحب ثروت نہ تھے لیکن اپنے شہر میں اپنی مذہبی اور اخلاقی پاکیزگی کی وجہ سے قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ ان پر تصوف کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا اور اقبال نے اپنی اس آبائی بلکہ خاندانی خصوصیت کی طرف بعض اشعار میں خود بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو   ہے اس کا مذاق عارفانہ

اس بنا پر اقبال نے ایک صوفیانہ ماحول میں نشوونما پائی اور ان کے والد نے ان کی تربیت بالکل مذہبی اور اخلاقی اصول پر کی۔ چنانچہ اقبال کا بیان ہے کہ "جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پاکر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے ایک دن صبح کو میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتلاؤں گا بالآخر انہوں نے ایک مدت کے بعد یہ بات بتائی اور ایک دن صبح کو جب میں حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آئے اور فرمایا۔

"بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔"

اسلام سے محبت اور اولیائے کرام سے عقیدت آپ کے آباؤ اجداد کا شیوہ رہا ہے۔ آپ کے والدین بھی مذہب کے سچے پرستار اور محبت رسول میں سرشار تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی یہی محبت اقبال کو ورثے میں ملی اور ان تک پہونچتے پہونچتے اس شراب عشق میں اور بھی تیزی آگئی تھی۔

اقبال نے اپنے والد کی خدا ترسی کا ایک واقعہ رموز بیخودی میں نہایت موثر طریقہ سے بیان کیا ہے۔ کہ میں نے ایک سائل کو بری طرح ڈانٹا والد سن رہے تھے انھوں نے اس درد انگیز طریقے سے میری اس درشتی پر سرزنش کی کہ اس کے بعد سے آج تک میں کبھی کسی سائل کے ساتھ کسی قسم کی سخت کلامی نہیں برت سکتا۔ نہ صرف اقبال کے والد بلکہ والدہ بھی ایک دیندار اور عبادت گزار خاتون تھیں اس لئے انہوں نے بھی ان کی مذہبی اور اخلاقی تربیت میں نمایاں حصہ لیا چنانچہ اقبال نے اپنی والدہ مرحومہ کا جو مرثیہ لکھا ہے اس میں اس کی طرف صاف اشارے ملتے ہیں۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا	گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات	تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت تک آپ نے مکتب میں پڑھا۔ اقبال کے والد کو مولوی سید میر حسن سے خصوصیت تھی اور آپ ان کے فیض صحبت اور تبحر علمی سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اقبال کو میر حسن کے زیر سایہ مشن اسکول میں داخل کرادیا۔ یہاں پانچویں جماعت میں نمایاں کامیابی کے صلہ میں اقبال نے وظیفہ پایا۔ اسی طرح مڈل کے درجات میں ہمدرسوں میں ممتاز رہے اور آٹھویں جماعت کے امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ انٹرنس کا امتحان بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور

سرکاری وظیفہ کے مستحق قرار پائے۔

مولوی سید میر حسن کی زندگی خالص علمی زندگی تھی اور ان کو شعرائے عرب، شعرائے ایران اور شعرائے اردو کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے اور ان کی تعلیم کا یہ خاصہ تھا کہ جو شخص ان سے عربی یا فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرتا تھا اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے تھے چنانچہ اقبال نے ان کی تعلیم و صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا اور میلان طبیعت کے علاوہ یہ انہی کا فیض صحبت تھا کہ اقبال کو اساتذہ کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔

بہرحال اقبال میں عربی اور فارسی کی زبان دانی اور شعر و سخن کا جو ذوق پیدا ہوا وہ انہی بزرگ کی تعلیم اور صحبت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ سفر انگلستان کے موقع پر حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر انہوں نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے جو نظم پڑھی اس میں عقیدت مندانہ طور پر ان کے اس علمی احسان کا اعتراف کیا۔

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی — رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجکو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی — بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجکو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمین — کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجکو

مولوی میر حسن کے ساتھ اقبال کی یہ عقیدت مندی عمر بھر قائم رہی۔

جب اقبال اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخل ہونے لگے تو آپ کے والد نے آپ سے عہد لیا کہ تم تعلیمی زندگی میں کامیاب ہونے کے بعد اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دو گے۔ آپ اس عہد پر تادم مرگ قائم رہے اور تمام عالم کو معلوم ہے کہ کس طرح اقبال نے اسلام کی خدمت کی۔

اقبال مشن کالج سیالکوٹ سے ایف۔ اے پاس کر کے لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے میں داخل ہوئے ۱۸۹۷ء میں بی۔ اے میں

نمایاں کامیابی حاصل کی اور وظیفہ پایا اور عربی اور انگریزی میں اوّل آنے کی وجہ سے دو طلائی تمغے حاصل کئے۔ اسی زمانے میں پروفیسر ٹامس آرنلڈ ایم اے۔ او کالج علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے تھے۔ ان کی فلسفہ دانی کی شہرت اور اپنے طبعی رجحان نے اقبال کو ایم اے میں فلسفہ کا مضمون لینے کی ترغیب دی۔ آرنلڈ شاگرد کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اقبال کو شاگردی سے ترقی دے کر احباب کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ آرنلڈ کہا کرتے تھے کہ "ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے"۔ ۱۸۹۹ء میں اقبال نے ایم اے پاس کیا اور یونیورسٹی میں اوّل آنے کے باعث طلائی تمغے کے مستحق قرار پائے۔

لیکن آرنلڈ اقبال میں علمی ذوق پیدا کر کے انگلستان واپس چلے گئے۔ اور اقبال نے ان کے رخصت ہونے پر "نالۂ فراق" کے عنوان سے ایک الوداعی نظم لکھی جس میں اس علمی ذوق کا خاص طور پر تذکرہ کیا جو اُن کے فیض صحبت نے ان میں پیدا کر دیا تھا۔

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم　　تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم　　تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

"شور لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاک مجنوں را غبار خاطر صحرا کند"

آرنلڈ کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت نے اقبال میں جو علمی ذوق بیدار کر دیا تھا وہ ابھی ناتمام تھا اور اس کی تکمیل کے لئے وہ خود انگلستان جانا چاہتے تھے لیکن ایم اے ہونے کے بعد وہ پہلے اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاسیات مدن کے لیکچرار مقرر ہو گئے تھے پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اس لئے ملازمت کا یہ تعلق زنجیر پا ہو رہا تھا اور نظم مذکورہ کے اس مصرع میں

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

"پنجاب کی زنجیر" سے غالباً ملازمت کے اسی تعلق کی طرف اشارہ ہے لیکن بالآخر وہ اس زنجیر کو توڑ کر ۱۹۰۵ء میں رخصت لے کر عازم انگلستان ہوئے اور خاندانی تصوف کی عقیدت و اثر کی بنا پر سب سے پہلے دلی میں حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضر ہو کر ایک نظم پڑھی جس میں اظہار عقیدت کے بعد اپنے مقصد سفر کا اس طرح اظہار کیا۔

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل   ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھکو
چلی ہے لیکے وطن کے نگار خانے سے   شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھکو

بہرحال اقبال انگلستان پہنچ کر کیمبرج میں داخل ہوئے اور جیسا کہ ڈاکٹر ملک راج آنند نے لکھا ہے۔ خوش قسمتی سے انگلستان پہنچتے ہی ان کی ملاقات میک ٹیگرٹ جیسے فلسفی سے ہوئی جو ہیگل کا متبع تھا اور اس زمانہ میں فلسفی کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ پھر فارسی ادب کے مشہور مورخ براؤن اور اسرار خودی کے مترجم ڈاکٹر نکلسن سے ملاقات ہوئی۔ ابتداء میں اقبال کو فلسفہ اور فارسی ادب سے بہت شغف تھا لیکن جب ان کا رجحان وطنیت اور قومیت کی طرف ہوا اور وہ ان موضوعات پر نظمیں لکھنے لگے تو یہ شوق دب کر رہ گیا تھا۔ اب یہ پھر ابھرا اور ان لوگوں کے اثر و تربیت نے اسے پختہ کر دیا۔ میگ ٹیگرٹ کے لیکچروں سے انہوں نے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا سائنٹفک انداز سیکھا۔ براؤن اور نکلسن کی دوستی سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے وطن میں جو علم حاصل کیا تھا اس میں پختگی پیدا ہو گئی۔

لیکن کیمبرج یونیورسٹی میں زیادہ تر تعلق پروفیسر وارڈ سارلے اور براؤن سے رہا۔ انہوں نے پورے تین سال انگلستان اور جرمنی میں طالب علمانہ حیثیت سے بسر کئے اور اس مدت میں بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفۂ اخلاق میں اور میونخ یونیورسٹی سے "میٹا فزکس آف پرشیا"

یعنی ایرانی الہیات پر ایک مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جرمنی میں اقبال نے تین خاتون پروفیسروں کی نگرانی میں کام کیا جن کے نام SENECHAE FRAULEINS WEGNAST اور SCHAT تھے۔

جب اقبال کا مقالہ ایران کا فلسفۂ مابعد الطبیعات انگلستان میں شائع ہوا تو فضلائے یورپ پر آپ کا علمی وقار قائم ہوگیا۔ ماہرین فن نے اس کتاب پر بہت عمدہ ریویو لکھے۔ اس کی مقبولیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو لندن لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا گیا چنانچہ آپ نے اسلام پر متعدد لیکچر دیئے جن سے آپ کی مذہبی اور فلسفیانہ معلومات کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور اسی زمانہ میں پروفیسر آرنلڈ نے چھ ماہ کی رخصت لی تو لندن یونیورسٹی نے اقبال کو اس مدت کے لئے عربی کا پروفیسر مقرر کیا۔

اقبال تین سال انگلستان اور یورپ میں رہ کر واپس ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اہل اللہ سے ارادت اور مردانِ خدا سے عقیدت آپ میں بدرجۂ غایت پائی جاتی تھی۔ چنانچہ جس طرح جاتے وقت آپ حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر حاضری دے کر عازم سفر ہوئے تھے اسی طرح ولایت سے واپسی میں بھی پہلے آپ دہلی آئے اور آستانہ شریف پر خاک بوس ہونے کے بعد لاہور کو روانہ ہوئے۔

سفر یورپ نے اقبال کی تشنگیٔ علم کو ضرور قدرے سیراب کیا لیکن دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ مغرب زدگی کا کوئی اثر ان پر نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ جس کی تربیت اہل نظر نے کی ہو وہ نمائشی باتوں اور فریب کاریوں سے کب متاثر ہو سکتا ہے۔ اقبال کی زندگی میں تو اس اصول کی کارفرمائی نظر آتی ہے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر اور یہی اصول تھا جس کے تحت انہوں نے "حکیمانِ فرنگ سے" درس خرد "لیا اور اس کو علم و نظر کی کسوٹی پر کس کر اس کا میل دور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سفر یورپ نے موصوف پر کوئی ناپسندیدہ

اثر نہیں ڈالا۔ ایک مقام پر وہ کہتے ہیں۔

خود افروز مرا درس حکیمان فرنگ سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

ولایت سے واپس آنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اعلیٰ کی خدمات انجام دینے لگے مگر ۸ ماہ بعد اس سے سبکدوشی حاصل کر لی اور بیرسٹری کرنے لگے۔ بیرسٹری کا سلسلہ ۱۹۳۴ء تک قائم رہا۔ ۱۹۳۴ء میں مستقل علالت کی بنا پر اس سے بھی کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر گوشہ نشینی اور قناعت گزینی میں گذار دی۔ پروفیسری کے زمانہ میں بھی اقبال کے ساتھ یہ مخصوص رعایت تھی کہ وہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کر سکتے تھے اور جج صاحبان کو یہ ہدایت تھی کہ آپ کے مقدمات دن کے آخر ہی حصہ میں پیش ہوا کریں۔

اقبال کے خادم علی بخش کا بیان ہے کہ "جس دن وہ استعفا دے کر آئے میں نے پوچھا کہ شیخ صاحب آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی"! کہنے لگے "علی بخش انگریز کی ملازمت میں بڑی مشکلیں ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنھیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں مگر انگریز کا نوکر رہ کر کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا۔ اب میں بالکل آزاد ہوں جو چاہوں کہوں اور اور جو چاہوں کروں۔ شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے اب نکل جائے"!

اقبال نے تین شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی گجرات کی تھی۔ اس سے آفتاب اقبال اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی نے جوانی میں انتقال کیا۔ اقبال کی یہ بیوی اکثر بیمار رہا کرتی تھی اس لئے اس کا قیام زیادہ تر اپنے والدین ہی کے یہاں رہا۔ اقبال اس کو خرچ برابر بھیجتے رہے۔ اس کا انتقال علامہ کے بعد ہوا۔

اقبال کی دوسری بیوی لدھیانہ کی تھی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکے کے بعد وہ زچگی کے امراض کا شکار ہوئی اور اسی میں وفات پائی۔

لڑکے نے بھی عالم طفولیت میں انتقال کیا۔

اقبال کی تیسری بیوی لاہور کی تھی۔ اس سے اقبال کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ جاوید اقبال اور منیرہ بانو۔ اس بیوی کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد اقبال کو چھوٹے بچوں کی تربیت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ اقبال کی خواہش پر خواجہ غلام السیدین صاحب نے علی گڑھ سے ایک جرمن خاتون کو بچوں کی دیکھ بھال کے لئے روانہ کیا۔ اس جرمن خاتون نے اقبال کے چھوٹے بچوں کی تربیت بڑی توجہ سے کی۔ اقبال خود اس خاتون کے معترف تھے۔

اقبال کے اپنے معاصرین سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ ان کے بیشتر معاصرین ان کے بڑے مداح تھے اور ان معاصرین میں سب ہی قسم کے افراد تھے۔ علامہ شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم اور حضرت اکبر مرحوم آپ کے بہت معترف تھے۔ ان بزرگوں سے خط و کتابت کے ذریعہ مراسم دوستانہ قائم تھے۔ چونکہ ان حضرات کے اصلاحی پروگرام سے اقبال کو عملی اتفاق تھا۔ اس لئے یہ اقبال کے کارناموں کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور پسند کرتے تھے۔ سر عبدالقادر، نواب سر ذوالفقار علی خاں، مہاراجہ سرکشن پرشاد، سر راس مسعود، مولانا سید سلیمان ندوی، سر محمد شفیع، سر فضل حسین اور سردار جگندر سنگھ سے علامہ کے مخصوص تعلقات تھے۔ اس حلقہ میں مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں وغیرہم بھی شامل تھے۔ ان تمام حضرات کے اسماء گرامی بتانا یہاں مقصود نہیں جن سے اقبال کے مراسم تھے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ علامہ کے حلقۂ احباب میں سب ہی قسم کے افراد شامل تھے۔ مولانا گرامی سے بھی اقبال کے تعلقات خصوصی تھے۔ اقبال کے سلسلہ میں مولانا گرامی کا یہ شعر ضرب المثل کی طرح مشہور ہوگیا ہے۔

در دیدۂ معنی نگراں حضرت اقبال　　　پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

اقبال اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ تھے۔ خلیق اور ملنسار تھے۔ ملنے والوں کو

آپ کے دروازے پر دیر تک انتظار کی زحمت اٹھانی نہیں پڑتی تھی۔ ہر کسی سے آپ بے تکلف خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ آپ کے دوستوں کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ متبسم نظر آتے تھے۔ ہم نے کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا۔ کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا تو آپ ضبط کرتے تحمل اور ضبط نفس غایت درجہ کا تھا۔ عزم، حوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے مالک تھے۔ جس کام کی نیت کرتے۔ اس کو تکمیل تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔ صداقت اور حق گوئی کو پسند کرتے تھے۔ تسلیم و رضا کا مجسمہ نظر آتے تھے۔ تکبر، ریا، جاہ پسندی اور ہوس دنیا نام کو بھی آپ میں نہ تھی۔ تواضع وانکسار آپ کی خو تھی اور نمود و نمائش سے گریز کرتے تھے۔

بزرگوں سے عقیدت سے ملتے اور چھوٹوں سے محبت سے پیش آتے تھے اپنے والد مرحوم اور بڑے بھائی کی بے حد عزت و حرمت کرتے تھے۔ اور ان کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ملازمین سے مساوات برتتے تھے۔

جس زمانے میں اقبال سیالکوٹ میں تعلیم پاتے تھے اسی وقت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ مولوی میر حسن مرحوم اپنے کسی شاگرد کو شعر کہنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ بعض حالات میں تو سختی سے منع کر دیتے تھے۔ مگر اقبال کے شعر سن کو ان کی ژرف نگاہی نے شاعر کے جوہر کو معلوم کر لیا۔ اور اس کی ہمت افزائی کی۔ بعض موقعوں پر تو مولوی میر حسن نے اقبال کے اشعار کی ایسی داد دی جو ایک نوعمر نومشق کو بھٹکا دینے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ شاعر جو فطرت سے خاص طور پر شعر کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کی شان استغنا داد و تحسین سے بالاتر تھی اس ہمت افزائی سے اور سنورتا چلا گیا۔

اقبال نے جب شاعری شروع کی تو اس وقت داغ دہلوی کا سکہ شاعری کی دنیا میں چل رہا تھا۔ چنانچہ اقبال نے چند ابتدائی غزلیں داغ کے پاس بغرض

اصلاح روانہ کیں۔ داغ نے چند ہی روز کے بعد یہ لکھ بھیجا کہ اب ان میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے۔

جب اقبال لاہور آئے تو یہ وہ زمانہ تھا جب انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے مرجع خاص و عام بنے ہوئے تھے۔ مولانا حالی، مولانا نذیر احمد دہلوی، میرزا ارشد گورگانی جیسے برگزیدۂ ادب حضرات ان اجتماعوں کو اپنی شرکت سے زینت بخشا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں کسی نومشق شاعر کے لئے مرکزِ توجہ بن جانا اور ایسا چمکنا کہ اپنی تابانی و درخشانی سے آفاق کو خیرہ کر دے ایک غیر معمولی بات تھی۔

اقبال نے بعض معرکہ کی چیزیں ان حضرات کے سامنے پڑھیں اور ان سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ایک شعر پر تو میرزا ارشد گورگانی تڑپ اٹھے تھے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

غالباً سب سے پہلی نظم جو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے عام جلسہ میں سنائی وہ "نالۂ یتیم" تھی یہ واقعہ ۱۸۹۹ء کا ہے۔ یہ دلگداز نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ اقبال کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ علامہ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کر سکتے اور جلسوں میں شرکت کر کے اپنی موثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی روتے۔ "ہمالہ" اور "ہندوستان ہمارا" اسی زمانے کی نظمیں ہیں جو ان ہی جلسوں میں سنائی گئیں اور مقبول خاص و عام ہوئیں انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

ایک اجلاس میں مولانا حالی، ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی، میرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، میاں سر فضل حسین، سر شیخ عبدالقادر، مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ حسن نظامی جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو لوگ داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔ ایک شاعر نے نظم پڑھی۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت

پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ عطا کیا۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ حالی جیسا سخنور اور نقاد اس کے کلام کی داد دے۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان پر ضعف پیری کا اس قدر غلبہ ہو چکا تھا کہ معمولی صحبتوں میں بھی ان کی آواز سننی مشکل ہوتی تھی چہ جائیکہ اس جلسہ میں جہاں بے شمار انسانوں کا مجمع تھا لوگ بے قرار تھے کہ خود اس مصلح اعظم کی زبان فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں۔ اس لئے عجب افراتفری سی پیدا ہو چلی۔ آخر سر عبد القادر نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے۔ بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔

جب اقبال مولانا حالی کی نظم سنانے کے لئے کھڑے ہوئے تو اول آپ نے ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے نہایت خوب ہے۔ کہا تھا

مشہور زمانہ میں ہے نام حالی   معمور مئے حق سے ہے جام حالی
میں کشور شعر کا نبی ہوں گویا   نازل ہے مرے لب پہ کلام حالی

۱۹۰۵ء میں علامہ ولایت چلے گئے تو انجمن کے اجلاس چند سال تک آپ کے نغموں سے محروم رہے۔ ۱۹۰۸ء میں ولایت سے واپس آئے تو پھر انجمن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ اپریل ۱۹۰۹ء کے اجلاس میں اپنی مشہور و مقبول نظم "شکوہ" سنا کر حاضرین سے خراج تحسین وصول کیا۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اقبال نے یورپ اور انگلستان میں تین سال قیام کیا۔ یہ تین سال اقبال کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں اقبال نے کیمبرج، لندن اور برلن کے کتب خانوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ساتھ ہی یہاں کے فضلاء سے تبادلۂ خیالات اور استفادہ بھی کیا۔ یورپ کے قیام میں اقبال نے

جب وہاں کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہاں کے بہت سے امراض کی اصل وجہ قومیت کا غلط تصور ہے۔ اس لئے ان کو اس قومیت سے نفرت ہو گئی۔ جو محدود اور تنگ تھی جس کے حدود جغرافیائی تھے بین الاقوامی نہ تھے یہیں اقبال نے یہ بھی محسوس کیا کہ یورپی اقوام اپنے مقصد حیات کے لئے کس طرح سرگرم عمل ہیں۔

ایک اور اہم تبدیلی اقبال کے قیام یورپ کے زمانے میں یہ ظہور پذیر ہوئی کہ وہ بجائے اردو کے فارسی میں شعر کہنے لگے۔ اس طرح ان کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچنے لگا۔ ظاہر ہے کہ اردو صرف ہندی مسلمانوں کی مادری زبان تھی اور فارسی اس کے مقابلہ میں ہند کے علاوہ اور ملکوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے نیز یہ کہ اقبال کے غلام ملک کے لوگ بھی فارسی سے کچھ ایسے نابلد نہیں تھے۔

اقبال نے یورپ سے واپسی کے بعد مغربی قومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ خضر راہ کا مندرجہ ذیل شعر ان کے مسلک پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے۔

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائیگا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

اقبال نے ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں یورپ کا پھر سفر کیا۔ اس سفر میں فرانس کے مشہور فلسفی برگسوں سے بھی ملے۔ آنری برگسوں اگرچہ پیرس میں اس وقت فالج میں مبتلا تھا لیکن جب اقبال نے اس حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ کیا جس میں کہا گیا ہے کہ زمانے کو برا مت کہو تو وہ بیمار فلسفی اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔

اقبال نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ عرصہ قیام بھوپال میں کیا۔ یہ قیام ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہیں ان کے تعلقات نواب بھوپال سے استوار ہوئے۔ نواب صاحب نے ان کی ہر طرح خبر گیری کی۔ نواب بھوپال اور اقبال کے ان تعلقات کو دیکھ کر ویمر کے ڈیوک اور گیٹے کی

یاد تازہ ہوتی ہے کہ جس طرح نواب بھوپال نے اقبال کے علاج میں بے دریغ خرچ کیا۔ بالکل اسی طرح ویمر کے ڈیوک نے گیٹے کے لئے کیا تھا۔ ہ بھوپال میں سر راس مسعود اور بیگم مسعود نے اقبال کی تیمار داری میں بڑی توجہ اور انہماک سے اپنا وقت صرف کیا۔

اقبال مسلم فقہ پر ایک نادر کتاب لکھنا چاہتے تھے اور اسے شروع بھی کر دیا تھا لیکن افسوس کہ موت نے مہلت نہ دی اور یہ نادر کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

یہ امر تعجب انگیز تھا کہ فلسفہ کی گہرائیوں پر اس قدر عبور حاصل کرنے کے باوجود اقبال مذہب سے اس قدر متاثر تھے۔ جب تک ان کو قریب سے نہ دیکھا جائے اس شیفتگی اور عشق کا اندازہ کرنا مشکل ہے جو ان کو اسلام اور رسول کریم سے تھا۔

قرآن عزیز سے ان کو بہت شغف تھا۔ وہ بچپن سے بلند آواز سے قرآن پڑھنے کے عادی تھے۔ قرآن پڑھتے وقت وہ بے حد متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بیماری کے دنوں میں بھی جب کوئی قرآن کو خوش الحانی سے پڑھتا تھا تو ان کے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور ان پر لرزش طاری ہو جاتی تھی۔

اقبال کی دنیا فطرۃً اصول پرستی سے بے نیاز تھی۔ وہ عمل کا مدار ایمان ورنیت پر رکھنا چاہتے تھے۔ ظواہر ان کے نزدیک معتبر نہ تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ انسان کیا کرتا ہے یا اس کو کیا کرنا چاہیئے بلکہ ان کی نظر اس کے ایقان و اعتقاد پر ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ اس امر کو ضروری نہ سمجھتے کہ ان کا طرز عمل شرع کے فرمودات یا معاشرہ کے مصنوعی اصولوں کے مصداق ہی ٹھہرے ... کے نزدیک زندگی نہ تو شباب کے نشہ میں اس مدہوش نوجوان کی طرح نقد عیش تھی۔ جو اپنی ہوس پرستی میں غرق ہو کر اس کی ہلاکت آفرینیوں پر ... و فکر سے کام نہیں لیتا۔ اور نہ اس گمراہ کی طرح مذہب معاشرہ سے بغاوت ... جو انھیں اپنے رستے میں حائل دیکھ کر ان دونوں کو ٹھکرا دیتا ہے بلکہ

ان کی آزاد روی اس صاحب دل کی سی تھی جو زندگی کے تمام مخالف عناصر سے جنگ کرتا ہوا اس کے ہلاکت خیز طوفان میں اپنے تجربات سے جادۂ مستقیم تلاش کر بیٹھتا ہے۔

اقبال کی طبیعت میں عقلیت کا پہلو بہت نمایاں تھا لیکن وہ عقل کی کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عشق یا وجدان ہی ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت موجودات کے تمام اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اکثر صوفیائے کرام کی روایات بیان کیا کرتے تھے۔ جن سے ان کے اس رجحان کا ثبوت ملتا ہے۔

اقبال کے یہاں جو سوز و گداز اور جذب و وجدان ملتا ہے وہ محض اسلام اور رسول کریم کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت کا ثمرہ ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب اقبال کے سامنے رسول اکرم کا اسم مبارک آتا تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

اقبال اپنے استاد مولوی سید میر حسن کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ اسوۂ رسول پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ میر حسن سیالکوٹی ہیں۔ وہ اکثر میر حسن کے یہاں کی پر لطف صحبتوں کا ذکر کیا کرتے اور کہتے کہ ان کے یہاں ہمیشہ اہل علم کی محفل جمی رہتی تھی۔

۱۹۲۶ء سے علامہ اقبال نے عملی سیاسیات کی خارزار وادی میں قدم رکھنا شروع کیا اور ۱۹۳۸ء یعنی اپنی وفات تک وہ اس وادی کے کانٹوں میں برابر الجھے ہوئے اپنی منزلیں طے کرتے رہے۔ البتہ اس دوران میں وہ اپنا دامن کبھی کبھی ان کانٹوں سے بچاتے بھی رہے۔ اقبال کے اس سفر زندگی کی تین منزلیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ابتدائی منزل جس کو انہوں نے ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۳۱ء تک طے کیا۔ دوسری منزل جس پر وہ ۱۹۳۵ء میں پہنچے اور تیسری منزل کی مسافت انہوں نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک طے کی۔

۱۹۲۶ء سے قبل اقبال کی قیام انگلستان کے زمانہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ برٹش کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن بن گئے تھے۔ یہی ان کا عملی سیاسیات سے پہلا تعلق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے اندر بیسویں صدی کی ابتدا میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا علامہ اقبال پر بہر حال اثر ہوا۔ مگر یہ واضح رہے کہ لندن کی یہ برٹش کمیٹی ان معنوں میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ نہ تھی۔ جن معنوں میں آج کل مسلم لیگ کی شاخیں ہوا کرتی ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ انگلستان میں جو تعلیم یافتہ ہندوستانی مسلمان جمع ہو جاتے تھے ان کا یہ ایک اجتماعی ادارہ تھا۔ بعد میں اس ادارہ نے سیاسی نوعیت اختیار کر لی۔ اور ہندوستانی سیاسیات کے متعلق وہی نقطۂ نظر اختیار کیا جو آل انڈیا مسلم لیگ کا تھا۔ اس ادارہ کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ سید امیر علی کی قیادت میں اس ادارہ نے منٹو مارلے اصلاحات کے سلسلہ میں مسلم نقطۂ نظر کو بڑے موثر طریقہ پر انگلستان کے ارباب اقتدار کے سامنے پیش کیا۔ اس لحاظ سے اقبال کا اس ادارہ سے تعلق ان کی ابتدائی سیاسی زندگی کا ایک اہم واقعہ شمار کیا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی عملی سیاسی زندگی کے پہلے دور میں نہ صرف پنجاب کی سیاست میں حصہ لیا۔ بلکہ کل ہند سیاسیات میں بھی نمایاں کام انجام دیئے۔ پنجاب کونسل میں ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے بعض بہت ہی مفید اور اپنے نتائج کے لحاظ سے دور رس تجاویز پیش کیں۔ کل ہند سیاسیات میں وہ بعض بنیادی مسائل میں اپنی فکر و رائے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ جداگانہ انتخاب کو وہ مسلمانوں کی حیات قومی کے لئے ضروری سمجھتے تھے اس لئے وہ اس سے کسی صورت میں دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے۔ تجاویز دہلی سے ان کی مخالفت کی یہی بنیاد تھی۔ سائمن کمیشن سے انہوں نے تعاون کیا تاکہ مسلم نقطۂ نظر کو پیش کر سکیں اور اس نقصان کی تلافی کی سعی کریں جو تجاویز دہلی کی وجہ سے مسلمانوں کو پہنچا تھا۔

پھر نہرو رپورٹ کے خلاف آواز بلند کی اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے جلسہ منعقدہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء میں شرکت کی اور مسلم مطالبات کو مدون کرنے میں حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور اپنے خطبہ میں ایک ذمہ دار پبلک پلیٹ فارم سے آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کا نعرہ بلند کیا اور بہت ہی وضاحت کے ساتھ ملک کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں ایک اسلامی مملکت کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔

اقبال نے اپنی زندگی کے دوسرے دور میں دوسری گول میز کانفرنس میں حصہ لیا کل ہند مسلم کانفرنس کی ایسے زمانہ میں صدارت کی جب کہ مسلمانوں کا موقف دستور ہند میں متعین کیا جانے والا تھا۔ پھر تیسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اور کشمیر اور الور کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لی۔ اقبال کی ساری سیاسی جدوجہد اس دوران میں اس امر پر مرکوز رہی کہ ہندوستان کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کے لئے ایک علحدہ موقف حاصل کیا جائے اور ان کے جداگانہ حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

اقبال سیاست میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوسکے یعنی یہ کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں جو کامل اتحاد اور نظم وہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ جماعتی انتشار مسلمانوں کی سیاست کا ایک ناسور رہا ہے۔ اقبال اس ناسور کا انسداد نہ کرسکے۔ غالباً ملت کے انتشار اور کچھ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باعث مسلم کانفرنس کی صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے ۱۹۳۵ء کے اواخر تک وہ سیاسی مشاغل سے ایک حد تک بے تعلق ہوگئے تھے۔ اور سیاسی جلسوں میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے۔ ملت بیضا کی قومی وحدت کے اس حزنیہ نے انہیں دل شکستہ کردیا تھا۔

باب دوم

تلمیحات قرآن

اسرار خودی

آن کہ بر اعدا در رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد

(صفحہ ۲۱ طبع سوم ۴۰ء)

یہاں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہی الفاظ لا تثریب فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم صلعم نے کفار مکہ سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے۔

قال لا تثریب علیکم الیوم ط یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ٥

۹۲/۱۲

(یوسف نے) کہا کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب و (ملامت) نہیں ہے۔ خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

ناخدائے کعبہ بنواز د ترا
شرح انی جاعل سازد ترا

(صفحہ ۲۳)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔

واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے)

فی الارض خلیفۃ ؕ قالوا اتجعل فیھا	جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں
من یفسد فیھا ویسفک الدماء و	سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب
نحن نسبح بحمدک ونقدس لک ؕ	بنانے والا ہوں انہوں نے کہا کیا تو اس
قال انی اعلم ما لا تعلمون ۝	میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے.
(۲/۳۰)	جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا
	پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ
	تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں. (خدا
	نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں
	جو تم نہیں جانتے.

پنجۂ او پنجۂ حق می شود ماہ از انگشت او شق می شود

(صفحہ ۲۷)

یہاں مصرع ثانی میں معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں آتا ہے.

اقتربت الساعۃ و	قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق
انشق القمر ۝ ۱/۵۴	ہو گیا.

نعرہ زد اے قوم کذاب اشر بے خبر از یوم نحس مستمر

(صفحہ ۳۱)

اس شعر میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے.

ءالقی الذکر علیہ من بیننا	کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی
بل ھو کذاب اشر ۝ سیعلمون غدًا	نازل ہوئی ہے (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا
من الکذاب الاشر ۝	خود پسند ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے
۲۵/۵۴-۲۶	گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے.
انا ارسلنا علیھم ریحًا صرصرًا	ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں

فی یوم نحس مستمر ٥ — آندھی چلائی۔

۱۹/۵۴

توہم از بار فرائض سر متاب — برخوری از عندہ حسن المآب

(صفحہ ۴۵)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

زین للناس حب الشہوٰت	لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں
من النسآء والبنین والقناطیر	یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور
المقنطرہ من الذہب والفضۃ والخیل	چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور
المسومۃ والانعام والحرث ذٰلک	نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی
متاع الحیوۃ الدنیا واللّٰہ عندہٗ	اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں
حسن المآب ٥	(مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے
	سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا
	ٹھکانا ہے۔

می کند از ما سوئے قطع نظر — می نہد ساطور بر حلق پسر

(صفحہ ۴۷)

اس شعر میں قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلما بلغ معہ السعی قال یٰبنی	جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے
انی اریٰ فی المنام انی اذبحک	(کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں
فانظر ماذا تریٰ قال یٰابت افعل	خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو
ما تؤمر ستجدنی ان شآء اللّٰہ من	ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا
الصٰبرین ٥ فلما اسلما وتلہ للجبین ٥	خیال ہے انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ
ونادینٰہ ان یٰابرٰہیم ٥ قد صدقت	کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔ خدا نے چاہا
الرءیا انا کذٰلک نجزی المحسنین ٥	تو آپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔

اِنَّ ھٰذا لَھُوَ البلٰٓؤُا المبین ۝ وفدینٰہ بذبحٍ عظیمٍ ۝

۱۰۷ - ۱۰۶/۳۷

جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔

۲) کف مسلم مثال خنجر است
قاتل فحشاء و بغی و منکر است

(صفحہ ۴۷)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو نماز کی مدح میں وارد ہوئی ہے۔

اُتلُ ما اُوحیَ الیک من الکتٰب واقم الصلوٰۃ ؕ انّ الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر ؕ ولذکر اللہ اکبر ؕ واللہ یعلم ما تصنعون ؕ ۴۵/۲۹

(اے محمدؐ! یہ) کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو۔ اور نماز کے پابند رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اور خدا کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔

۳) دل ز حتیٰ تنفقوا محکم کند
زر فزاید الفت زر کم کند

(صفحہ ۴۸)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون ۝ وما تنفقوا من شیءٍ فانّ اللہ بہٖ علیم ۝ ۹۲/۳

(مومنو!) جب تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز تم صرف کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔

تاجہاں باشد جہاں آرا شوی — تاجدار ملک لا یبلیٰ شوی

ملک لا یبلیٰ کی ترکیب قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے

(صفحہ ۵۰)

فوسوس الیہ الشیطٰن قال یادم ھل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلیٰ ہ

۲۰ / ۱۲۰

تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔

مدعائے علم الاسماستے — سرّ سبحان الذی اسراستے

(صفحہ ۵۰)

اس شعر کے مصرع اولیٰ اور مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وعلم ادم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صٰدقین ہ قالوا سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا ط انک انت العلیم الحکیم ہ

۲ / ۳۱ - ۳۱

اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا ط انہ ھو السمیع البصیر ہ

۱۷ / ۱

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا۔

تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

از عصا دست سفیدش محکم است
قدرت کامل بعلمش توام است
(صفحہ ۵۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حضرت موسیٰ کے معجزہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

فالقٰی عصاہ فاذا ھی ثعبان مّبین ۝ ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنّٰظرین ۝	موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو وہ اسی وقت صریح اژدہا (ہو گیا) اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا)۔
۷/ ۱۰۷-۱۰۸	

خشک سازد ہیبت او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را
(صفحہ ۵۰)

اقبال نے شہرت عام کی بنا پر یہاں دریائے نیل کا ذکر کیا ہے حالانکہ جس دریا سے حضرت موسیٰ گذرے اور جس میں فرعون غرق ہوا وہ بحر احمر تھا نہ کہ دریائے نیل۔ اس میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا ترآء الجمعٰن قال اصحٰب موسیٰ انّا لمدرکون ۝ قال کلّا انّ معی ربّی سیھدین ۝ فاوحینا الٰی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر ؕ فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم ۝ وازلفنا ثمّ الاٰخرین ۝ وانجینا	جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بتائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔

موسیٰ ومن معہ اجمعین ہ ثم اغرقنا الاخرین ہ

۲۶/۶۱-۶۶

تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہوگیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے) اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا اور موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو (تو) بچا لیا پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔

مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند دوام الکتاب
(صفحہ ۵۳)

یہ اللہ کا خطاب حضرت علی کے لئے قرآن پاک سے ثابت نہیں ہے۔

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آذر من ابراہیم دور
(صفحہ ۶۶)

آزر کا ذکر قرآن عزیز میں اس طرح ہے۔

واذ قال ابراھیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما الھۃ ج انی ارٰک وقومک فی ضلل مبین ہ

۶/۷۴

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ تم بتوں کو کیا معبود بناتے ہو میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
(صفحہ ۶۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عبدون ہ

۲/۱۳۸

دیکھو (ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔ اور ہم اس کے عبادت کرنے والے ہیں۔

خیمہ در میدان الّا اللہ زدست | در جہاں شاہد علی النّاس آمدست

(صفحہ ۷۰)

مصرع ثانی کا مفہوم قرآن حکیم کی اس آیت کے ٹکڑے سے ماخوذ ہے۔

وکذٰلک جعلنٰکم امّۃً وّسطًا لتکونوا شھدآء علی النّاس ویکون الرّسول علیکم شھیدًا ۱ۂ	اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں) تم پر گواہ بنیں۔

۱۴۳/۲

از ہوس آتش بجان افروختے | تیغ و اہل من مزید آموختے

(صفحہ ۷۱)

ہل من مزید قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے

یوم نقول لجہنّم ھل امتلأت وتقول ھل من مّزید	اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔

۳۰/۵۰

علم مسلم کامل از سوز دل است | معنی اسلام ترک آفل است

(صفحہ ۷۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا جنّ علیہ الیّل راٰ کوکبًا قال ھٰذا ربّی فلمّا افل قال لا احبّ الاٰفلین ٥ فلمّا راٰ القمر بازغًا قال ھٰذا ربّی لئن لّم یھدنی ربّی لاکوننّ من القوم الضّآلّین ٥ فلمّا راٰ الشّمس بازغۃً	جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے تو پسند نہیں

قال هذا ربی هذا اکبر فلما افلت قال یٰقوم انی بریٓ مما تشرکون ۝

۷۸-۷۶/۶

پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے، تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

چوں ز بند آفل ابراہیم رست
در میاں شعلہ ہا نیکو نشست

(صفحہ ۷۶)

تلمیح کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۱ ۷۸-۷۶/۶

حرف اقراحق بما تعلیم کرد
رزق خویش از دست ما تقسیم کرد

(صفحہ ۸۵)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اقرا باسم ربک الذی خلق ۝ ۱/۹۶

(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔

آیتے بنماز آیات مبیں
تا شود اعناق اعدا خاضعین

(صفحہ ۸۶)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان نشا ننزل علیہم من السماء
اٰیۃً فظلت اعناقہم لہا
خاضعین ٥ ۲۶/۴

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے
نشانی اتار دیں پھر ان کی گردنیں اس
کے آگے جھک جائیں۔

رموز بیخودی (طبع سوم ۱۹۴۸ء)

اہل حق را رمز توحید از براست	در اتی الرحمن عبداً مضمر است

(صفحہ ۱۰۵)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان کل من فی السموٰت والارض	تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں
الآ اتی الرحمٰن عبداً ہ	ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہوکر
۱۹/۹۳	آئیں گے۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل	از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل

(صفحہ ۱۰۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

	اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم
ھواجتبٰکم وماجعل علیکم	پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی
فی الدین من حرج ط ملۃ ابیکم	(اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم
ابراھیم ہ ۲۲/۷۸	کا دین (پسند کیا)

مرگ را سامان ز قطع آرزوست	زندگانی محکم از لاتقنطو است

(صفحہ ۱۰۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قل یعبادی الذین اسرفو	(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے
علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ط	کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے

انّ اللّٰہ یغفر الذّنوب جمیعًا ط انّہ ھو الغفور الرّحیم ہ ۵۳/۳۹

اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اے کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لاتحزن بگیر
(صفحہ ۱۰۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الّا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن انّ اللّٰہ معنا فانزل اللّٰہ سکینتہ علیہ وایّدہ بجنود لّم تروھا وجعل کلمۃ الّذین کفروا السفلیٰ ط وکلمۃ اللّٰہ ھی العلیا ط واللّٰہ عزیز حکیم ہ ۴۰/۹

اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو خدا ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو ہی شخص تھے جن (میں (ایک ابوبکرؓ تھے) دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔ اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے۔ اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

قوت ایمان حیات افزایدت — ورد لاخوف علیہم بایدت

(صفحہ ۱۰۹)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد آیات میں بھی اس سے ملتے ہوئے الفاظ اور مفہوم موجود ہے۔

بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ○
۲/۱۱۲

ہاں جو شخص خدا کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

چوں کلیمے سوے فرعونے رود — قلب او از لاتخف محکم شود

(صفحہ ۱۰۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جہاں فرعون کے دربار میں، لاٹھیوں کو جادو سے سانپ بنتے دیکھ کر حضرت موسیٰ کو خوف ہوا تھا۔

فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ ○ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ ○
۲۰/۶۷-۶۸

(اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ہم نے کہا خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو۔

تارک آفل براہیم خلیل — انبیا را نقش پائے او دلیل

(صفحہ ۱۱۵)

دیکھیے صفحہ ۴۲ ۶/۷۶-۷۸

آں خدائے لم یزل را آیتے — داشت در دل آرزوئے ملتے

(صفحہ ۱۱۵)

U. L. Patna
۱۹۳۸

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ص وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۰
۱۲۸/۲

اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور پروردگار، ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید　　تا پیام طہرا بیتی شنید
(صف ۱۱۵)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا ط واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ط وعھدنا الی ابراھم واسمعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعکفین والرکع السجود ۰
۱۲۵/۲

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔

بہرما ویرانۂ آباد کرد　　طائفان را خانۂ بنیاد کرد
(صف ۱۱۵)

اس شعر میں قران حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی　　اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان

ادغیر ذی زرع عند بیتک المحرّم
بنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ
من الناس تھوی الیھم وارزقھم
من الثمرات لعلھم یشکرون ۰
۳۷/۱۴

(مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت
(و ادب) والے گھر کے پاس لا بسائی
ہے اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں
تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ
ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میوؤں
سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔

تا نہال تب علینا غنچہ بست
صورت کار بہار ما نشست صفہ ۱۱۶

دیکھیے صفحہ ۴۲ ۲/۱۲۸

آن کہ شان اوست یہدی من یرید
از رسالت حلقہ گرد ما کشید

(صفہ ۱۱۲)

یہاں مصرع اولی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

وکذٰلک انزلنٰہ اٰیٰت بیّنٰت
وانّ اللہ یھدی من یرید ۰
۱۶/۲۲

اور اسی طرح ہم نے اس
قرآن کو اتارا ہے (جس کی تمام) باتیں
کھلی ہوئی (ہیں) اور یہ (یاد رکھو) کہ
خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

قلب مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

(صفہ ۱۱۷)

حبل الورید کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے لیکن اقبال نے اپنے شعر میں حکمت قرآن کو حبل الورید قرار دیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان ونعلم
ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب
الیہ من حبل الورید ۰
۱۶/۵۰

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے
اور جو خیالات اس کے دل میں گذرتے
ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی
رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد　　بر رسول ما رسالت ختم کرد

(صفحہ ۱۱۸)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ۃ ۳/۵	(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔
ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ط وکان اللہ بکل شئی علیماً ۃ ۴۰/۳۳	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے ہیں۔

مرسلاں وا نبیا آبائے او　　اکرم او نزد حق اتقائے او

(صفحہ ۱۲۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ط ان اللہ علیم خبیر ۃ ۱۳/۴۹	لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش　　حریت سرمایۂ آب و گلش

(صفحہ ۱۲۱)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ۝
۱۰/۴۹

مومن تو آپس میں بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

ہمچو سرو آزاد فرزنداں او
پختہ از قالوا بلیٰ پیمان او
(صفحہ ۱۲۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علیٰ انفسهم ج الست بربکم ط قالوا بلیٰ ج شهدنا ج ان تقولوا یوم القیٰمة انا کنا عن هٰذا غٰفلین ۝
۷/۱۷۲

اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرا لیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) (یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن کہیں یوں (نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیوٰة
زندگی گیرد بایں قانون ثبات
(صفحہ ۱۲۴)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولکم فی القصاص حیوٰة یاولی الالباب لعلکم تتقون ۝
۲/۱۷۹

اور اے اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔

مدعی را تاب خاموشی نماند — آیۂ بالعدل والاحسان خواند

(صفحہ ۱۲۴)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآئ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ٥

۱۶/۹۰

(خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنی ذبح عظیم آمد پسر

(صفحہ ۱۲۶)

دیکھیے صفحہ ۳۲ ۳۷/۱۰۲-۱۰۷

درمیان امت آن کیوان جناب — ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب

(صفحہ ۱۲۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قل ھو اللہ احد ٥

۱۱۲/۱

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔

آن کہ در قرآن خدا او را ستود — آن کہ حفظ جان او موعود بود

(صفحہ ۱۳۱)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اقبال نے اس آیۂ کریمہ کے نزول کو واقعہ ہجرت سے مقدم سمجھا ہے حالانکہ یہ ہجرت کے بعد جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔

يايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك ۭ وان لم تفعل فما بلغت رسالته ۭ والله يعصمك من الناس ۭ ان الله لا يهدى القوم الكفرين ۝
۵/۶۷

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جنتے ہستند در بئس القرار ‖ تا احلوا قومهم دار البوار
(صفحہ ۱۳۴)

اس شعر میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمت الله احلوا قومهم دار البوار ۝ جهنم يصلونها ۭ وبئس القرار ۝
۱۴/۲۸-۲۹

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا (وہ گھر) دوزخ ہے (سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

گرچہ ملت ہم بمیرد مثل فرد ‖ از اجل فرمان پذیرد مثل فرد
(صفحہ ۱۳۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولکل امة اجل ۚ فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون ۝
۷/۳۴

اور ہر ایک فرقہ کے لئے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔

امت مسلم ز آیات خداست — اصلش از ہنگامۂ قالوا بلیٰ ست

دیکھئے صفحہ ۴۵ (۱۷۲/۷) — (صفحہ ۱۳۷)

از اجل ایں قوم بے پرواستے — استوار از نحن نزلنا ستے

(صفحہ ۱۳۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحٰفظون ○ ۹/۱۵ — بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

تا خدا ان یطفؤا فرمودہ است — از فسردن ایں چراغ آسودہ است

(صفحہ ۱۳۷)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر کے تحت رموز کے فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ شعر کے حوالے والی آیت سے مختلف ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔

یریدون ان یطفؤا نور الله بافواههم ویابی الله الا ان یتم نوره ولو کره الکفرون ○ ۳۲/۹ — یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔

حرف او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

(صفحہ ۱۴۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ذلک الکتب لا ریب فیه ج ۲/۲ — یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام خدا ہے)۔

نیز اس مصرع میں قرآن حکیم کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا — ان (خاصان خدا) کے لئے دنیا کی
وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمٰت اللہ — زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت
ذٰلک ھو الفوز العظیم ٥ — میں بھی۔ خدا کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو
۶۴/۱۰ — بڑی کامیابی ہے۔

نوع انسان را پیام آخریں — حامل او رحمۃ للعالمین

(صفحہ ۱۴۰)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین — اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام
۱۰۷/۲۱ — جہاں کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔

آنکہ دوش کوہ بارش برنتافت — سطوت او زہرۂ گردوں شگافت

(صفحہ ۱۴۱)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر کے تحت فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

لو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبل — اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے
لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ — تو تم (اس کو) دیکھتے کہ خدا کے خوف سے
اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس — دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں
لعلھم یتفکرون ٥ ۲۱/۵۹ — کے لئے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ فکر کریں۔

قطع کردی امر خود را در زبر — جادۂ پیمائی الی شیٔ نکر

(صفحہ ۱۴۲)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فتقطعوا امرھم بینھم زبرًا — تو پھر انہوں نے آپس میں اپنے کام

كل حزب بما لديهم فرحون ۰
۳۲/۵۳

کو متفرق کرکے جدا جدا کر دیا جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہو رہا ہے۔

اور دوسرے مصرع میں قرآن حکیم کی ایک آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

یوم یدع الداع الی شیء نکر ۰
۵۴/۶

جس دن (یعنی روز قیامت) بلانے والا ان کو ایک ناخوش گوار چیز کی طرف بلائے گا۔

من شنید ستم ز نباض حیات
اختلاف تست مقراض حیات
(صفحہ ۱۴۵)

مصرع ثانی کا مضمون قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصبرین ۰
۸/۴۶

اور خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کروگے تو) تم بزدل ہو جاؤگے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ خدا صبر کرنے والے کا مددگار ہے۔

ما ہمہ خاک و دل آگاہ دوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
(صفحہ ۱۴۵)

اس شعر میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی

اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے

شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا
کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم
تہتدون ہ ۲/۱۰۳

دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

می ندائی آیۂ ام الکتاب — امت عادل ترا آمد خطاب

(صفحہ ۱۶۲)

دیکھیے صفحہ ۳۶ (۲/۱۴۳)

امیئے پاک از ہوی گفتار او — شرح رمز ما غوی گفتار او

(صفحہ ۱۶۲)

یہاں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

والنجم اذا ہوی ہ ما ضل
صاحبکم وما غوی ہ وما ینطق عن الھوی
۵۳/۱-۳

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔

جلوہ در تاریکیٔ ایام کن — آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

(صفحہ ۱۶۳)

دیکھیے صفحہ ۴۴ (۵/۳)

تو کہ مقصود خطاب انظری — پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری

(صفحہ ۱۶۷)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں آیۂ قرآنی کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

انظر کیف نصرّف الاٰیٰت ثمّ ھم یصدفون ۵	دیکھو ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کئے جاتے ہیں۔
۶/۴۶	
علم اسما اعتبار آدم است	حکمت اشیا حصار آدم است
	(صفحہ ۱۶۸)
دیکھیے صفحہ ۳۰ (۲/۳۱-۳۲)	
پوشش عریانیِ مرداں زن است	حسن دلجو عشق را پیراہن است
	(صفحہ ۱۷۳)

اس شعر میں قرآن کریم کی آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ھنّ لباس لکم وانتم لباس لھنّ ط	وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔
۲/۱۸۷	
بانوے آں تاجدار ھل اتیٰ	مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
	(صفحہ ۱۷۷)

تاجدار ھل اتیٰ سے مراد حضرت علی مرتضیٰ ہیں جن کے ایثار اور فیاضی کی (بقول بعض مفسرین) حق تعالیٰ نے اس سورت میں اس طرح مدح فرمائی ہے۔

ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدّھر لم یکن شیئًا مّذکورًا ۵	بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔
۷۶/۱	
ویطعمون الطّعام علی حبّہ مسکینًا وّیتیمًا وّاسیرًا ۵	اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔
۷۶/۸	
ہمّت او کشت ملت را ابر	ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر
	(صفحہ ۱۸۱)

دیکھیے صفحہ ۴۰ (۴۰/۹)

آں نگاہش سرِ مازاغ البصر — سوئے قوم خویش باز آید اگر

(صفحہ ۱۸۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مازاغ البصر وما طغیٰ ۰	ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل
۱۷/۵۳	ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔

خرقۂ لاتحزنوا اندر برش — انتم الاعلون تاجے بر سرش

(صفحہ ۱۹۱)

یہاں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	اور (دیکھو) بیدل نہ ہونا اور
الاعلون ان کنتم مومنین ۰	نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق)
۱۳۹/۳	ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

از منات ولات وعزیٰ وہبل — ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(صفحہ ۱۹۴)

منات، لات اور عزیٰ بتوں کے نام قرآن مجید کی ان آیات میں ملتے ہیں۔

افرءیتم اللت والعزیٰ ۰ و	بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ
منوٰۃ الثالثۃ الاخریٰ ۰	کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت
۲۰-۱۹/۵۳	کہیں خدا کے مانند ہو سکتے ہیں)۔

پیام مشرق

(طبع پنجم ۱۹۴۶ء)

دیدۂ اے خسرو کیوان جناب — آفتاب ما توارت بالحجاب

(صفہ ۴)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اذ عرض علیہ بالعشی الصفنت الجیادۃ فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ۰

۳۸/۳۱-۳۲

جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر — ہر کجا این خیر را بینی بگیر

یہاں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشآء ج ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ط وما یذکر الا اولوا الالباب ۰

۲/۲۶۹

وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید — رب زدنی از زبان او چکید

(صفہ ۶)

رب زدنی کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت میں ماخوذ ہے۔

فتعلی اللہ الملک الحق ج ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی

تو خدا جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف

الیک وحیہ وقل رب زدنی علماo ۲۰/۱۱۴

بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے (قرآن کے پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو کہ میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

علم اشیا علم الاسما ستے
ہم عصا و ہم ید بیضا ستے

(صفہ ۶)

دیکھیئے صفحہ ۳۰، ۴۴ (۲/۳-۳۲) (۷/۱۰۷-۱۰۸)

برون از دایرۂ بود و عدم شو
فزوں تر زین جہاں کیف وکم شو
خودی تعمیر کن در پیکر خویش
چو ابراہیم معمار حرم شو

(صفہ ۲۶)

دیکھیئے صفحہ ۳۴ (۱۴/۳۷)

ویدم چو جنگ پردۂ ناموس او درید
جز "یسفک الدما" "خصیم مبین" نبود!

(صفہ ۱۶۴)

"یسفک الدما" کے لئے ملاحظہ ہو ۱۶ (۲/۳۰)

"خصیم مبین" کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

اولم یر الانسان انا خلقنٰہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین o ۳۶/۷۷

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔

بخاک ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد

(صفہ ۱۶۸)

حضرت داؤد کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے۔

انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب o ۳۸/۱۸-۱۹

ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیر فرمان کر دیا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ (خدائے پاک) کا ذکر کرتے تھے اور پرندوں کو بھی کہ جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔

بانگِ درا
(طبع یازدہم مارچ ۱۹۴۷ء)

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی — کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

(صفحہ ۵)

کوثر و تسنیم جنت کی دو نہروں کے نام ہیں جن کا ذکر قرآن عزیز میں اس طرح آیا ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر ۵ ۱/۱۰۸ — (اے محمدؐ) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے۔

ومزاجہ من تسنیم ۵ عینا یشرب بہا المقربون ۵ ۲۷/۸۳-۲۸ — اور اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے (خدا کے) مقرب پئیں گے۔

تو زماں و مکاں سے رشتہ بپا — طائر سدرہ آشنا ہوں میں

(صفحہ ۲۹)

طائر سدرہ آشنا سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ سدرہ اور حضرت جبریل کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیات میں ملتا ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ ۵ عند سدرۃ المنتھیٰ ۵ ۱۳/۵۳-۱۴ — اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس

صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق — آوازِ کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

(صفحہ ۳۲)

کن کا لفظ قرآن حکیم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ یہاں ایک مقام نقل کیا جاتا ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۵ ۸۲/۳۰ — اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ — ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

صفحہ ۳۳

(۸۲/۳۶ دیکھیے صفحہ ۵۶)

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں

(صفحہ ۴۵)

والشمس قرآن عزیز کی اکیانویں سورت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شمس (آفتاب وغیرہ) کی قسم کھائی ہے۔

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے

(صفحہ ۴۶)

یہاں بزم قدرت انسان سے مخاطب ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت	ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور
والارض والجبال فابین ان یحملنہا	زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے
واشفقن منہا وحملہا الانسان	اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے
انہ کان ظلوماً جھولاً o	ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا
۷۲/۳۳	بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

طلسم ظلمت شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع سبستان کا

(صفحہ ۴۷)

قرآن حکیم کی ۲۴ ویں سورت کا نام سورۂ نور ہے۔

قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخی افسانۂ دل

(صفحہ ۵۴)

اس شعر کے مصرع ثانی قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ	اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے
قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی	وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے
۱۴۳/۷	

پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) دیکھوں پروردگار نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
(صفحہ ۷۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اگرچہ آیۂ کریمہ میں فرقہ آرائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منہا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ہذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین ۝ فازلہما الشیطن عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ ص
۲/۳۵-۳۶

اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو۔ اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اوّلیں میں نے
(صفحہ ۸۰)

دیکھئے صفحہ ۴۵ (۷/۱۴۲)

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے
(صفحہ ۸۰)

دیکھئے صفحہ ۴۳ (۷/۱۰۷-۱۰۸)

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے
(صفحہ ۸۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله ج وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم ط وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ط ما لهم به من علم الا اتباع الظن ج وما قتلوه يقينا ه بل رفعه الله اليه ط وكان الله عزيزا حكيما ه

۴/۱۵۷-۱۵۸

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے تھے) قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آکر ٹھیرا جہاں سفینا

(صفحہ ۸۷)

قرآن حکیم میں سفینۂ نوح کا ذکر اس طرح آتا ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ جودی جو طور سینا کی ایک چوٹی ہے بلاد عراق میں واقع ہے۔ علامہ کو یہاں سہو ہوا کہ جودی کو ہندوستان سے منسوب کر دیا۔

واستوت على الجودي ۱۱/۴۴

اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری۔

جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر ہوا

(صفحہ ۱۰۲)

اس شعر کا مفہوم قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البرّ والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلاًo ۱۷/۷۰

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر

کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیوں کر ہو

(صف ۱۰۲)

دیکھیئے صفحہ ۵۸ (۱۴۳/۷)

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم

طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

(صف ۱۰۵)

دیکھیئے صفحہ ۵۸ (۱۴۳/۷)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(صف ۱۰۸)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اقبال نے اہل فقر کے ہاتھوں کو حضرت موسیٰ کے دست مبارک (ید بیضا) سے نسبت دی ہے۔

واضمم یدک الیٰ جناحک تخرج بیضآء من غیر سوٓء اٰیۃ اخریٰo ۲۰/۲۲

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے لگا لو وہ کسی عیب (بیماری) کے بغیر سفید (چمکتا دمکتا) نکلے گا۔ (یہ) دوسری نشانی (ہے)۔

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا

وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

(صف ۱۱۰)

دیکھیئے صفحہ ۵۸ (۱۴۳/۷)

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں

ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

(صف ۱۱۱)

دیکھیئے صفحہ ۵۷ (۷۲/۳۳)

شوخی سی ہے سوال مکرر میں اے کلیم　　شرط رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

(صفحہ ۱۱۲)

دیکھیے صفحہ ۵۸ (۷/۱۴۳)

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیام عیش و سرور　　نہ کھینچ نقشہ کیفیت شراب طہور

(صفحہ ۱۳۳)

شراب طہور کی ترکیب قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

وسقٰهم ربهم شرابا طهورا ۝　　اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

۷۶/۲۱

مجھے فریفتۂ ساقی جمیل نہ کر　　بیان حور نہ کر ذکر سلسبیل نہ کر

(صفحہ ۱۳۳)

سلسبیل کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آتا ہے۔

عینا فیها تسمّٰی سلسبیلا ۝　　یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

۷۶/۱۸

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں

تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

(صفحہ ۱۴۷)

دیکھیے صفحہ ۵۸ (۷/۱۴۳)

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری　　شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

(صفحہ ۱۴۸)

دیکھیے صفحہ ۵۸ (۷/۱۴۳)

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے

منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

(صفحہ ۱۸۰)

دیکھئے صفحہ ۴۶ (۱۱۲/۱)

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

(صفحہ ۲۲۷)

قلب سلیم کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

الا من اتی اللہ بقلب سلیم ٥ — ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لیکر آیا (وہ بچ جائے گا)۔
۸۹/۲۶

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

(صفحہ ۲۳۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک ۔ ۴/۹۴ — اور (اے پیغمبر ہم نے) تمہارا ذکر بلند کیا۔

"کشتی مسکین" و "جان پاک" و "دیوار یتیم"
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(صفحہ ۲۸۹)

اس شعر میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی اس ملاقات کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے۔

فانطلقا حتیٰ اذا رکبا فی السفینة خرقها قال اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شیئاً امراً ہ قال الم اقل انک لن تستطیع معی صبراً ہ قال لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسراً ہ فانطلقا حتیٰ اذا لقیا غلماً فقتله قال اقتلت نفساً زکیة بغیر نفس لقد جئت شیئاً نکراً ہ قال الم

تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکوگے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر مشکل

اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا ۝
قال ان سألتک عن شیء بعدها
فلا تصحبنی قد بلغت من لدنی
عذرا ۝ فانطلقا وقف حتی اذا اتیا
اهل قریۃ ن استطعما اهلها فابوا
ان یضیفوهما فوجدا فیها جدارا
یرید ان ینقض فاقامه ط قال
لو شئت لتخذت علیه اجرا ۝ قال
هذا فراق بینی وبینک ج سانبئک
بتاویل ما لم تستطع علیه صبرا ۝
اما السفینۃ فکانت لمسٰکین
یعملون فی البحر فاردت ان اعیبها
وکان وراءهم ملک یاخذ کل
سفینۃ غصبا ۝ واما الغلٰم فکان
ابواه مؤمنین فخشینا ان یرهقهما
طغیانا وکفرا ۝ فاردنا ان یبدلهما
ربهما خیرا منه زکوۃ واقرب
رحما ۝ واما الجدار فکان لغلٰمین
یتیمین فی المدینۃ وکان تحته
کنز لهما وکان ابوهما صالحا ج
فاراد ربک ان یبلغا اشدهما
ویستخرجا کنزهما رحمۃ
من ربک ج وما فعلته عن امری ط

نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ
(رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے
مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بےگناہ
شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا،
(یہ تو) آپ نے بڑی بات کی (خضر نے)
کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ
صبر نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر
میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں
(یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ
نہ رکھئے گا۔ کہ آپ میری طرف سے عذر (کے
قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔ پھر
دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں
کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔
انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا
پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر)
گرا چاہتی تھی تو (خضر نے) اس کو سیدھا
کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے
(اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام
چلتا) (خضر نے) کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ
میں علیحدگی۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر
نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا
ہوں (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں
کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی

ذٰلِكَ تَاوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۱۸/۷۱-۸۲

کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے اور ان
کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا
جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔
تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں
(تاکہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ
جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن
تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو
بدکردار ہوتا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر
میں نہ پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ ان کا
پروردگار ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو
پاک طینتی اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔
اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی
(جو) شہر میں رہتے تھے) اور اس کے
نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا
باپ ایک نیک بخت آدمی تھا تو تمہارے
پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ
جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ
تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ
کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے یہ
ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
(صف ۲۹۲)

دیکھیے صفحہ ۳۷ (۶/۷۶-۷۸)

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ انّ الملوک ؑ | سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

(صفحہ ۲۹۵)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قالت انّ الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون ۞ ۲۷/۳۴

اس (یعنی ملکۂ سبا) نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار | ہر زماں پیش نظر لایخلف المیعاد دار

(صفحہ ۳۰۳)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

ان اللہ لایخلف المیعاد ۞ ۳/۹

بے شک خدا خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق | عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(صفحہ ۳۱۸)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فعلین ۞ قلنا ینار کونی بردا و سلما علی ابراھیم ۞ وارادوا بہ کیدا فجعلنھم الاخسرین ۞ ۲۱/۶۸-۷۰

(تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا۔ اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا) ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انھیں کو نقصان میں ڈال دیا۔

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے "ان وعد اللہ" حق یاد رکھ

(صفحہ ۳۲۲)

مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ یہاں "لسان العصر" سے مراد خود زمانہ ہے۔

فاصبر ان وعد اللہ حق ۶۰/۳۰ — پس تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے۔

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز ٹل نہیں سکتا "وقد کنتم بہ تستعجلون"

(صفحہ ۳۳۴)

مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارا پایا جاتا ہے۔

قل ارءیتم ان اتٰکم عذابہ بیاتا او نہارا ماذا یستعجل منہ المجرمون ○ اثم اذا ما وقع اٰمنتم بہ ط آلئن وقد کنتم بہ تستعجلون ○

۱۰/۵۰-۵۱

کہہ دو کہ بھلا دیکھو تو اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آجائے رات کو یا دن کو تو پھر گنہگار کس بات کی جلدی کریں گے۔ کیا وہ جب آ واقع ہو گا تب اس پر ایمان لاؤ گے (اس وقت کہا جائے گا کہ) اور اب (ایمان لائے) اسی کے لئے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے

"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف "ینسلون"

(صفحہ ۳۳۴)

یہاں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ○ ۲۱/۹۶ — یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں

حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعی کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(صفحہ ۳۳۵)

وان لیس للانسان الا ما سعی ○ ۵۳/۳۹ — اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

زبور عجم

(طبع چہارم ستمبر ۱۹۴۸ء)

ہمیں دریا ہمیں چوب کلیم است　　　　که از وے سینۂ دریا دو نیم است

(صفحہ ۲۰۸)

دیکھئے صفحہ ۳۵ (۲۶/۶۱-۶۶)

نصیب خود ز بوئے پیرہن گیر　　　　بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(صفحہ ۲۱۴)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اذہبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا ج واتونی باھلکم اجمعین ۝ ولما فصلت العیر قال ابوھم انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون ۝ قالوا تاللہ انک لفی ضلٰلک القدیم ۝ فلما ان جاء البشیر القٰہ علی وجہہٖ فارتد بصیرا ج قال الم اقل لکم ج انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون ۝

۱۲/۹۳-۹۶

یہ میرا کرتا لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے یوسف کی بو آ رہی ہے۔ وہ بولے کہ واللہ آپ اسی قدیم غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو کرتا یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

جو مطلق دریں دیر مکافات　　　　که مطلق نیست جز نور السمٰوات

(صفحہ ۲۱۵)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

اللّٰہ نور السموات والارض ط	خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے
مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ط	اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک
المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ	طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ
کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ	ایک قندیل میں ہے اور قندیل ایسی
مبرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ	صاف شفاف ہے کہ گویا موتی کا سا چمکتا
یکاد زیتہا یضیٓئ ولو لم تمسسہ	ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت
نار ط نور علیٰ نور ط یہدی اللّٰہ لنورہٖ	کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ
من یشاء ط ویضرب اللّٰہ الامثال	مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا
للناس ط واللّٰہ بکل شیئ علیم ہ	معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ
۳۵/۲۴	اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار رہے (بڑی)
	روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے
	نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ
	دکھاتا ہے اور خدا (جو) مثالیں بیان
	فرماتا ہے (تو) لوگوں کے سمجھانے کے
	لئے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

مہ و سالت نمی ارزد بیک جو ۔۔۔ بحرف کم لبثتم غوطہ زن شو

(صفحہ ۲۱۶)

"کم لبثتم" قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

قٰل کم لبثتم فی الارض عدد	(خدا) پوچھے گا کہ تم زمین پر کتنے برس
سنین ہ قالوا لبثنا یومًا او بعض یوم	رہے وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز
فسئل العآدین ہ قٰل ان لبثتم الا	سے بھی کم رہے تھے۔ شمار کرنے والوں سے
قلیلاً لو انکم کنتم تعلمون ہ ۱۱۲/۲۱-۱۱۴	پوچھ لیجئے (خدا) فرمائے گا کہ (وہاں)

تم (بہت ہی) کم رہے کاش تم جانتے ہوتے

حکیماں مردہ را صورت نگارند | ید موسیٰ دم عیسیٰ ندارند

(صف ۲۱۸)

"دم عیسیٰ" میں آیت ذیل کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیراً باذنی ج ۱۱۰/۵

اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا۔

چہ گویم از من و از توش و تابش | کند 'آنا عرضنا' بے نقابش

(صف ۲۲۵)

دیکھیے صفحہ ۵۷ (۷۲/۳۳)

جہاں یکسر مقام آفلین است | دریں غربت سرا عرفاں ہمین است

(صف ۲۴۱)

دیکھیے صفحہ ۵۷ (۶/۷۶-۷۸)

'الست' از خلوت نازے کہ برخاست؟ | 'بلیٰ' از پردۂ سازے کہ برخاست

(صف ۲۴۲)

دیکھیے صفحہ ۴۵ (۷/۱۷۲)

علم حاضر پیش آفل در سجود | شک بیفزود و یقین از دل ربود

(صف ۲۵۴)

دیکھیے صفحہ ۳۷ (۶/۷۶-۷۸)

(طبع دوم ۱۹۴۷ء)

جاوید نامہ

آیۂ تسخیر اندر شان کیست؟ — ایں سپہر نیلگوں حیران کیست؟

(صفہ ۲)

اس شعر میں قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و الارض جمیعاً منہ ط ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ٥

۱۳/۴۵

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔

راز داں علم الاسما کہ بود — مست آں ساقی وآں صہبا کہ بود

(صفہ ۲)

دیکھئے صفہ ۳۰ (۲/ ۳۱-۳۲)

اے ترا تیرے کہ ما را سینہ سفت — حرف ادعونی کہ گفت با کہ گفت

(صفہ ۳)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ط ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین ٥

۶۰/۴۰

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر کنیاتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

زیر گردوں خویش را یابم غریب — زآنسوئے گردوں بگو اتی قریب

(صفہ ۵)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارا ہے۔

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ۵ ۲/۱۸۶	اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔

نکتۂ "الا بسلطان" یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر
(صفحہ ۱۵)

یہاں مصرع اولی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطن ۵ ۵۵/۳۳	اے گروہ جن و انس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل سکنے ہی کے نہیں۔

ہائے و ہوئے اندرون کائنات
از لب او نجم و نور و نازعات
(صفحہ ۴۶)

یہاں بالترتیب قرآن کریم کی ۵۳ ویں ۲۴ ویں اور ۷۹ ویں سورتوں کے نام لئے گئے ہیں۔

تکیہ بر میثاق یزداں ابلہی است
بر مرادش راہ رفتن گمرہی است
(صفحہ ۵۲)

اس شعر میں اقبال نے لفظ میثاق لاکر قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میثاق کا ذکر قرآن مجید میں متعدد آیات میں آتا ہے۔ مثلاً

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ

۸۱/۳

اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

زہرہا در بادۂ گلفام اوست ارہ و کرم و صلیب انعام اوست

(صفحہ ۵۲)

اقبال نے اس شعر میں لفظ ارہ استعمال کرکے حضرت زکریا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کرم کا اشارہ حضرت ایوب کی جانب ہے اور صلیب سے مراد یہودیوں کی جناب مسیح کو مصلوب کرنے کی کوشش ہے جس کو حق تعالیٰ نے ناکام کر دیا اور جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔

حضرت زکریا کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ ایک مقام پر ہے[1]۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۸۵/۶

اور زکریا اور یحییٰ اور الیاس کو بھی یہ سب نیکوکار تھے۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲ کے حوالے سے صاحب القصص القرآن نے لکھا ہے کہ "جب یہود نے حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا تو پھر حضرت زکریا کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں

(بقیہ صفحہ ۷۳ پر)

حضرت ایوب کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔ مثلاً

واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ	اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو
ربہٗ انی مسنی الشیطٰن بنصب وّ	جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (بار الٰہا)
عذاب ۵ ۳۸/۴۱	شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔

جناب مسیح کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰-۴۲/ ۱۵۷-۱۵۸

جز دعا ہا نوح تدبیرے نداشت	حرف آں بیچارہ تاثیرے نداشت

(صف ۵۲)

حضرت نوح نے قوم کے حق میں جو بد دعا کی، کفار کو تبلیغ کے بعد وہ قرآن حکیم میں اس طرح آئی ہے۔

وقال نوح رب لاتذر علی	اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ اے
الارض من الکفرین دیاراہ	میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر
۷۱/۲۶	بسا نہ رہنے دے۔
صرصرے وہ باہوائے بادیہ	انھم اعجاز نخل خاویہ

(صف ۶۰)

بقیہ نوٹ صفحہ ۷۲ کا) حضرت زکریا نے جب یہ دیکھا تو وہ بھاگے تاکہ ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں سامنے سے درخت آگیا اور وہ اس کے شگاف میں گھس گئے یہودی تعاقب کر رہے تھے تو انہوں نے یہ دیکھا تو ان کو نکلنے پر مجبور کرنے کی بجائے درخت پر آرہ چلا دیا۔ جب آرہ حضرت زکریا تک پہنچا تو خدا کی وحی آئی اور حضرت زکریا سے کہا گیا کہ اگر تم نے کچھ بھی آہ و زاری کی تو یہ سب زمین تہ و بالا کر دیں گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو ہم بھی ان یہود پر اپنا عذاب نہیں نازل کریں گے۔ چنانچہ حضرت زکریا نے صبر سے کام لیا اور اف تک نہیں کی اور یہود نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دئیے۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن قصص القرآن ج ۲ صفحہ ۲۰۲-۲۰۴۔

یہاں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واما عاد فاهلكوا بريح صرصر عاتية ۝ سخرها عليهم سبع ليال و ثمنية ايام حسوما فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاوية ۝ ۶۹/۶-۷

رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ خدا نے اس کو سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) ڈھئے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔

قرأت آن پیر مردے سخت کوش
سورۂ والنجم آن دشت خموش
(صفہ ۶۵)

حرف انی جاعل تقدیر او
از زمین تا آسمان تفسیر او
(صفہ ۷۴)

دیکھئے صفحہ ۲۰ (۲/۳۰)

باطن "الارض للہ" ظاہر است
ہر کہ این ظاہر نہ بیند کافر است
(صفہ ۸۱)

"الارض للہ" میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده و العاقبة للمتقين ۝ ۷/۱۲۸

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔

"گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا این خیر را بینی بگیر"
(صفہ ۸۲)

دیکھیے صفحہ ۳۲ د (۲/۲۶۹)

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو | مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

(صفحہ ۸۵)

دیکھیے صفحہ ۳۶ (۲/۱۳۸)

راز ہا با مرد مومن باز گوے | شرح رمز کل یوم باز گوے

(صفحہ ۸۵)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

یسئلہ من فی السموات ط | آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں
کل یوم ھو فی شان ہ ۲۹/۵۵ | سب اس سے مانگتے ہیں وہ ہر روز کام
میں مصروف رہتا ہے۔

ہیچ خیر از مردک زر کش مجو | لن تنالوا البر حتی تنفقوا

(صفحہ ۸۹)

دیکھیے صفحہ ۳۲ (۳/۹۲)

بندۂ مومن امین حق مالک است | غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

(صفحہ ۹۰)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔

فلا تدع مع اللہ الٰھا اخر | اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود
لا الہ الا ھو کل شیٔ ھالک الا | (سمجھ کر) نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود
وجھہ ط لہ الحکم والیہ ترجعون ہ | نہیں اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز
۲۸/۸۸ | فنا ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور
اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

رایت حق از ملوک آمد نگوں | قریہ ہا از دخل شان خوار و زبوں

(صفحہ ۹۰)

دیکھیے صفحہ (۳۴/۲۷)

آب و نان ماست از یک مائدہ دودۂ آدم "کنفس واحدہ"

(صفحہ ۹۰)

نفس واحدہ کی ترکیب قرآن عزیز میں متعدد آیات میں آئی ہے۔ جاوید نامہ میں اس شعر کے تحت جو آیۂ کریمہ حاشیۂ ذیلی میں دی ہوئی ہے۔ اس کا تعلق شعر مذکورۂ بالا کے مفہوم سے نہیں ہے کیونکہ شعر میں انسانوں کی وحدت اور مساوات پر زور دیا گیا ہے اور جاوید نامہ میں دی ہوئی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت بیان فرمائی گئی ہے۔ ہم نے متن میں صحیح متعلقہ آیت کا ٹکڑا نقل کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا ۱۸۹/۷	وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے

با مسلمان گفت جاں بر کف بنہ ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

(صفحہ ۹۱)

یہاں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کذالک یبین اللہ لکم الایٰت لعلکم تتفکرون ۲۰۹/۲	اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو اس طرح خدا تمہارے لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو

درگذر مثل کلیم از رود نیل سوئے آتش گام زن مثل خلیل

(صفحہ ۹۳)

دیکھیے صفحہ ۲۰ و ۴۵ (۳۶/۶۱-۶۶-۶۸/۲۱-۷۰)

تا زمازاغ البصر گیرد نصیب | بر مقام عبدہ گردد رقیب

(صفحہ ۹۸)

دیکھئے صفحہ ۵۲ (۱۷/۵۳)

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر | رم خن و لات و منات و عمر و غمر

(صفحہ ۹۹)

بعل، یعوق اور نسر بتوں کے نام قرآن عزیز میں اس طرح آئے ہیں۔

اتدعون بعلاً و تذرون احسن الخالقین ۵ ۳۷/۱۲۵ | کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑے دیتے ہو۔

وقالوا لا تذرن الھتکم ولا تذرن وداً ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً ۵ ۷۱/۲۳ | اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

ہر یکے لرزندہ از "ذکر جمیل" | ہر یکے آزردہ از ضرب خلیل

(صفحہ ۱۰۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

فراغ الیٰ الھتھم فقال الا تاکلون ۵ مالکم لا تنطقون ۵ فراغ علیھم ضرباً بالیمین ۵ ۳۷/۹۱-۹۳ | پھر (ابراہیم) ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے نہیں پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔

پیر رومی سورۂ طٰہٰ سرود | زیر دریا ماہتاب آمد فرود

(صفحہ ۱۰۶)

"طٰہٰ" قرآن کریم کی ۲۰ ویں سورت کا نام ہے جس میں حضرت موسیٰ اور

فرعون کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

خدمت از رسم و رہ پیغمبری است
مزد خدمت خواستن سوداگری است

(صفحہ ۱۲۴)

اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین ۰ ۱۰۹/۲۶

اور میں اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو خدائے رب العالمین ہی پر ہے۔

ارض حق را ارض خود دانی بگو
چیست شرح آیہ لا تفسدوا

(صفحہ ۱۲۵)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین ۰ ۸۵/۷

اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔

امر حق گفتن نقش باطل است
زانکہ او وابستہ آب و گل است

(صفحہ ۱۴۳)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۰ ۸۵/۱۷

اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہاست

(صفحہ ۱۴۸)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سبح اسم ربک الاعلیٰ ہ الذی خلق فسوٰی ہ والذی قدر فہدیٰ ہ ۸۷/۱-۳

(اے پیغمبر) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضا کو) درست کیا اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر اسکو) رستہ بتایا۔

مدعا پیدا نگردد زین دو بیت | تا نہ بینی از مقام مارمیت

(صفحہ ۱۵۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ ولیبلی المؤمنین منہ بلاءً حسنًا ان اللہ سمیع علیم ہ ۸/۱۷

تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا اور (اے محمدؐ) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے۔ بے شک خدا سنتا جانتا ہے۔

ہر دو را ذوق ستم گردد فزوں | ورد من یالیت قومی یعلمون

(صفحہ ۱۶۹)

یالیت قومی یعلمون (کاش میری قوم کو خبر ہو) آیۂ قرآنی ہے جس واقعہ کا ذکر ہے اقبال کے شعر میں اس کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے بلکہ شعر کا مفہوم صرف یالیت قومی یعلمون تک محدود ہے۔

چشم من صد عالم شش روزہ دید | تا حد ایں کائنات آمد پدید

(صفحہ ۱۷۵)

عالم کا چھ روز میں پیدا ہونا متعدد آیات قرآنی میں آیا ہے۔ مثلاً

ولقد خلقنا السموٰت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب ۝ ۳۸/۵۰

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوا۔

یا اولی الامرے کہ منکم شان است
آیہ حق حجت و برہان اوست

(صفحہ ۱۹۲)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلا ۝ ۴/۵۹

مومنو خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

قرب جان با آنکہ گفت انی قریب
از حیات جاوداں بردن نصیب

(صفحہ ۲۲۶)

(دیکھئے صفحہ ۱۷، ۲/۱۸۶)

آن بانکار وجود آمد عجول
این عجول و ہم ظلوم و ہم جہول

(صفحہ ۲۳۹)

دیکھیے صفحہ ۲۹ (۳۳/۷۲)

بالِ جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

اسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

(صفحہ ۷)

اس شعر میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝ ۱۵/۲۸-۳۱

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں جب اس کو (صورتِ انسانیہ میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا تو فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ھو

(صفحہ ۱۹)

"لا الٰہ ھو" قرآن حکیم میں جن مقامات پر آیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ ۲/۱۶۳

اور (لوگو) تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

(صفحہ ۲۱)

دیکھئے صفحہ ۲ (۱۰۲/۳۷)

عطا اسلاف کا جذب دروں کر — شریک زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہیں — مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

(صف ۲۴)

یہاں پہلے شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لاخوف — سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں
علیہم ولا ہم یحزنون ۵ ۶۲/۱۰ — ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ (صفحہ

یٰسین قرآن عزیز کی ۳۶ ویں سورت کا نام ہے اور بعض مفسرین نے اس کو رسول کریم صلعم کا لقب قرار دیا ہے۔

ضمیر پاک و نگاہ بلند و مستئ شوق — نہ مال و دولت قاروں نہ فکر افلاطوں

(صف ۴۴)

قارون کی دولت کا حال قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ — قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور
فبغیٰ علیہم واتینٰہ من الکنوز ما — ان پر تعدی کرتا تھا اور ہم نے اس کو اتنے
ان مفاتحہ لتنوأ بالعصبۃ اولی — خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور
القوۃ اذ قال لہ قومہ لا تفرح — جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں جب اس سے
ان لا یحب الفرحین ۵ ۲۸/۷۶ — اس کی قوم نے کہا کہ اترائیے مت کہ خدا
اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

(صف ۴۶)

"حور و خیام" قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام ۵۵/۷۲ (وہ) حوریں (ہیں جو) خیموں میں مستور ہیں)

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

(صفحہ ۷۱)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا قضٰی موسی الاجل و
سار باھلہٖ اٰنس من جانب الطّور
نارًا قال لاھلہ امکثوا انّیٓ اٰنست
نارًا لعلّیٓ اٰتیکم مّنھا بخبرٍ او جذوۃٍ
مّن النار لعلّکم تصطلون ۵ فلمّا
[ا]تٰھا نودی من شاطیٔ الواد الایمن
[ف]ی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ
[ا]ن یّموسٰیٓ انّیٓ انا اللّٰہ ربّ العٰلمین ۵
[و ا]ن الق عصاکؕ فلمّا راٰھا تھتزّ کانّھا
[ج]انٌّ ولّٰی مدبرًا وّلم یعقّبؕ یموسٰی
[ا]قبل ولا تخف انکؕ من الاٰمنین ۵
۲۸/ ۲۹-۳۱

جب موسٰی نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ (تم یہاں) ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے (رستے کا) کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپو جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسٰی میں تو خدائے رب العالمین ہوں اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا کہ) موسٰی آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو۔

[...]نی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیث کلیم و طور نہیں

(صفحہ ۷۶)

دیکھئے صفحہ ۵۸ (۷/ ۱۴۳)

تھا ارنی گو کلیم میں ارنی گو نہیں ۔۔۔ اس کو تقاضا روا مجھ پہ تقاضا حرام

(صفحہ ۹۱)

دیکھئے صفحہ ۶۵ (۲۱/۶۸-۰-)

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں ۔۔۔ کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

(صفحہ ۹۲)

دیکھئے صفحہ ۳۲ (۲۷/۱۰۲)

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم ۔۔۔ نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

(صفحہ ۹۳)

دیکھئے صفحہ ( )

دم عارف نسیم صبح دم ہے ۔۔۔ اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر ۔۔۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(صفحہ ۲۵)

حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب کے یہاں جو شبانی کی خدمت انجام دی ہے اس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ شبانی کے بعد کلیمی کے لئے وہ آیات ملاحظہ ہوں جو مثل کلیم ہو اگر الخ کے تحت درج کی گئیں۔ (بال جبریل صفحہ ۱۴۱)

ولما توجه تلقاء مدين ۔۔۔ اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو
قال عسى ربي ان يهديني سواء ۔۔۔ کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے
السبيل ۝ ولما ورد ماء مدين ۔۔۔ سیدھا راستہ بتائے اور جب مدین کے
وجد عليه امة من الناس يسقون ۔۔۔ پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں
ووجد من دونهم امراتين ۔۔۔ لوگ جمع ہو رہے (اور اپنے چارپایوں
تذودان قال ما خطبكما قالتا ۔۔۔ کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے طرف
لا نسقي حتى يصدر الرعاء وابونا ۔۔۔ دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی
شيخ كبير فسقى لهما ثم تولى الى ۔۔۔ ہیں۔ موسیٰ نے (ان سے) کہا تمہارا

الظل فقال رب انی لما انزلت
الی من خیر فقیر فجآءته احدٰهما
تمشی علی استحیآء قالت ان ابی
یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت
لنا فلما جآءه وقص علیه القصص
قال لا تخف نجوت من القوم الظٰلمین
قالت احدٰهما یٰابت استاجره ان
خیر من استاجرت القوی الامین
قال انی ارید ان انکحک احدی
ابنتی هٰتین علی ان تاجرنی ثمٰنی حجج
فان اتممت عشرا فمن عندک
وما ارید ان اشق علیک ستجدنی
ان شآء الله من الصٰلحین ۝ قال
ذٰلک بینی وبینک ایما الاجلین
قضیت فلا عدوان علی والله علی
ما نقول وکیل ۝

کیا کام ہے وہ بولیں کہ جب تک چرواہے
(اپنے چارپایوں کو) لے نہ جائیں ہم
پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد
بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ نے
ان کے لئے (بکریوں کو) پانی پلا دیا
پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے
کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ
تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔ (تھوڑی
دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت
جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی۔
موسیٰ کے پاس آئی (اور) کہنے لگی کہ
تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے
جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اس کی
تم کو اجرت دیں جب وہ ان کے پاس
گئے اور ان سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو
انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو تم ظالم
لوگوں سے بچ آئے ہو۔ ایک لڑکی بولی
کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر
جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور
امانت دار (ہو) انہوں نے (موسیٰ سے)
کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں
میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں۔ اس
(عہد) پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت

کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ
تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور
میں تم پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا تم مجھے
انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ
نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پختہ
ہوا) میں جون سی مدت (چاہوں) پوری
کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور
ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے۔"

آہ وہ مردانِ حق، وہ عربی شہسوار — حاملِ "خلقِ عظیم" صاحبِ صدق و یقین

(صف ۱۳۳)

"خلقِ عظیم" کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں حق تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم ۰ ۶۸/۴ — اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے — وہ بجلی کہ تھی "نعرہ لا تذر" میں

(صف ۱۴۳)

دیکھئے صفحہ ۷۳ (۲۶/۷۱)

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

(صف ۱۶۰)

"بشیر و نذیر" رسول کریم کے القاب ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہیں۔ مثلاً

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون ۰	اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
۲۸/۳۴	

جس کی نومیدی سے ہو سوز دروں کائنات

اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطوا

دیکھئے صفحہ ۴ (۵۳/۳۹)

خضر بھی بے دست وپا الیاس بھی بے دست وپا

میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

(صفحہ ۱۹۴)

حضرت الیاس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ سورۂ انعام میں اور سورۂ والصفات میں۔ سورۂ والصفات میں ان کا ذکر یوں ہے۔

وان الیاس لمن المرسلین ٥	اور الیاس بھی پیغمبروں میں
۱۲۳/۳۷	سے تھے۔

مسافر

(طبع سوم ۱۹۴۷ء)

از مقام ذوق و شوق آگاہ شو ذرۂ صیادِ مہر و ماہ شو

(صفحہ ۱۰)

دیکھئے صفحہ ۷۰ (۱۳/۴۵)

خرقۂ آں برزخِ لا یبغیان دیدمش در نکتۂ "لی خرقتان"

(صفحہ ۳۱)

"برزخِ لا یبغیان" کی ترکیب قرآن عزیز کی ان آیات سے ماخوذ ہے۔

مرج البحرین یلتقیٰن ہ اس نے دو دریا رواں کئے جو آپس

بینھما برزخ لا یبغیٰن ہ میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے

۲۰-۱۹/۵۵ کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

آشکارا دیدنش اسرائے ماست در ضمیرش مسجدِ اقصائے ماست

(صفحہ ۳۲)

دیکھئے صفحہ ۳۳ (۱/۱۷)

می دہد مارا پیام لا تخف می رساند بر مقامِ لا تخف

(صفحہ ۳۳)

دیکھئے صفحہ ۴۱ (۲۰/۶۷-۶۸)

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام

(صفحہ ۴۳)

دیکھئے صفحہ ۳۶ (۲/۱۳۸)

پس چہ باید کرد

(طبع سوم، ۱۹۴۴ء)

معنئ جبریل و قرآں است او — فطرۃ اللہ را نگہبان است او

(صفہ ۱۲)

"فطرۃ اللہ" یہ ترکیب قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے

فاقم وجھک للدین حنیفا ط فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللہ ط ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ ۳۰/۳۰

تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

درس لا خوف علیہم می دہد — تا دلے در سینۂ آدم نہد

(صفہ ۱۳)

دیکھئے صفحہ ۷۰ (۲/۱۱۲)

مرد حر محکم ز ورد لاتخف — ما بمیدان سر بجیب او سر بکف

(صفہ ۳۲)

دیکھئے صفحہ ۳۴ (۲۰/۶۷-۶۸)

از شریعت احسن التقویم شو — وارث ایمان ابراہیم شو

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہ ۹۵/۴

کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

علم و حکمت ریزۂ از خوان کیست؟ آیۂ فاصبحتم اندر شان کیست؟

(صف ۵۱)

دیکھئے صفحہ ۵۱ (۱۰۳/۳)

سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد قرأت الصّٰفّٰت اندر نبرد

(صف ۵۲)

الصّٰفّٰت قرآن حکیم کی ۳۷ ویں سورت کا نام ہے۔ جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے

والصّٰفّٰت صفًّا ۱/۳۷ قسم ہے صف باندھنے والوں کی پرا جما کر۔

ہر کہ آیات خدا بیند حراست اصل ایں حکمت ز حکم انظر است

(صف ۵۷)

دیکھئے صفحہ ۵۲ (۶/۴۶)

ضرب کلیم

(طبع ششم مئی ۱۹۴۶ء)

خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے

(سرورق)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

واذا استسقیٰ موسیٰ لقومہٖ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عیناً قد علم کل اناس مشربھم کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا فی الارض	اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ لاٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر کے پانی پی لیا (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔
مفسدین ٥ ۲/۶۰	

ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج
تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا

(صفحہ ۹)

(دیکھیے صفحہ ۱۷)

وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسما
یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام

(صفحہ ۱۶)

(دیکھیے صفحہ ۳۰ (۲/۳۱-۳۲)

قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے

(صفحہ ۱۸)

(دیکھیے صفحہ ۴۶ (۱/۱۱۲)

آہ اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدع مع اللہ الٰہاً آخر

(دیکھیے صفحہ ۷۵ (۲۸/۸۸)

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

(صفحہ ۵۸)

"رحمٰن" قرآن مجید کی ۵۵ ویں صورت کا نام ہے۔ یہ سورت ربط آیات اور سجع فواصل کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور شاید اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور سورۂ رحمٰن قرآن کی زینت ہے۔

یہی ہے سرِّ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانیٔ شب و روز

(صفحہ ۶۲)

دیکھیے صفحہ ۸۵ (۲۸/۲۲-۲۸)

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے
تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ مازاغ

دیکھیے صفحہ ۵۳ (۵۳/۱۷)

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

(صفحہ ۱۳۸)

دیکھیے صفحہ ۷۶ (۲/۲۱۹)

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہٗ

(صفحہ ۱۶۰)

یہاں مصرعِ ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای
ومماتی للہ رب العٰلمین ۝ لا شریک
لہٗ وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین ۝
(۶/۱۶۲-۱۶۳)

(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور
میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا
سب خدائے رب العالمین ہی کے لیے ہے
جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی
بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول

فرمانبردار ہوں۔

افغان باقی کہسار باقی الحکم للہ الملک للہ

(صفحہ ۱۶۸)

الحکم للہ اور الملک للہ قرآن مجید کی ان آیات سے ماخوذ ہیں۔

ان الحکم الا للہ ۱۲/۴۰	خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے
یسبح للہ ما فی السموٰت و ما فی الارض له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير ۶۴/۱	جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے (سب) خدا کی تسبیح کرتی ہے اسی کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف (لامتناہی) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو دارو ہے ضعیفوں کا لاغالب الا ھو

(صفحہ ۱۷۵)

"لاغالب الا ھو" قرآن حکیم کی اس آیت کے ٹکڑے سے ماخوذ ہے۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۱۲/۲۱	اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ارمغانِ حجاز (طبع سوم ۱۹۴۶ء)

دریں وادی زمانی جاودانی — ز خاکش بے صور روید معانی
حکیمان با کلیمان دوش بردوش — کہ ایں جا کس نگوید "لن ترانی"

(صفحہ ۳۸)

دیکھیے صفحہ ۵۸ (۷/۴۳)

حق آں دہ کہ مسکین و اسیر است — فقیر و غیرت او دیر میر است
بروئے او در میخانہ بستند — دریں کشور مسلماں تشنہ میر است

(صفحہ ۴۳)

دیکھیے صفحہ ۵۲ (۸/۷۶)

بیا ساقی نقاب از رخ برافگن — چکید از چشم من خون دل من
بآں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است — نوائے از مقام لاتخف زن

(صفحہ ۹۱)

دیکھیے صفحہ ۴۱ (۲۰/۶۷-۶۸)

میاں امتاں والامقام است — کہ آں امت دو گیتی را امام است
نیاساید ز کار آفرینش — کہ خواب و خستگی بروے حرام است

(صفحہ ۹۸)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف "خواب" کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔
"خستگی" کے لئے دیکھیے صفحہ ۸۰ (۳۸/۵۰)

اللّٰہ لآ الٰہ الا ھوج الحی القیومج — خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے
لاتاخذہ سنۃ ولا نوم ط لہ ما فی — سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ
السمٰوٰت وما فی الارض ط من — ہمیشہ رہنے والا اسے نہ اونگھ آتی ہے اور

ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ
یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم
ولا یحیطون بشیء من علمہٖ الا
بما شآء وسع کرسیہ السموٰت
والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو
العلی العظیم۔ ۲۵۵/۲

نہ نیند جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے۔ (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے) اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔

بجام نو کہن مے از سبو ریز — فروغ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخ منصور — بہ دل لا غالب الا اللہ فرو ریز

(صفحہ ۱۰۰)

(دیکھئے صفحہ ۹۳ (۲۱/۱۲)

بہ بند صوفی و ملا اسیری — حیات از حکمت قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جز این نیست — کہ از یٰسین او آسان بمیری

(صفحہ ۱۰۱)

(دیکھیے صفحہ ۸۲)

نہیں ہے اس زمانے کی تگ و تاز — سزاوار حدیث لن ترانی

(صفحہ ۲۳۳)

(دیکھیے صفحہ ٥٨ (٢/٣))

جہاں کی روحِ رواں لا الٰہ الا ھو مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے۔

(صفحہ ٣٢٢)

(دیکھیے صفحہ ٨١ (١/٦٢))

باقیات اقبال (طبع اوّل ۱۹۵۲ء)

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری ۔۔۔ قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(ص۔۱۳۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ ۔۔۔ تو دو کماں سے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔

۹/۵۳

رہ پہ چشم کلیم اللہ کا تارا ہے تو ۔۔۔ معنی یاسین ہے تو مفہوم او ادنیٰ ہے تو

(صفہ ۵۱)

دیکھیے صفحہ ۶۹ (۹/۵۳)

ابتدا میں شرح رمز آیۂ لا تقربا ۔۔۔ کس قدر مشکل تھا پہلا امتحاں اہل درد

(صفہ ۹۹)

دیکھیے صفحہ ۵۸ (۲/۳۵-۳۶)

باب سوم

تلمیحات حدیث

اسرار خودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

خود فرود آ از شتر مثل عمر　　　　الحذر از منت غیر الحذر

(صفحہ ۲۴)

اس شعر میں حضرت عمر کی طرف جس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے کتب احادیث میں اس کی نسبت دوسرے حضرات کی طرف کی گئی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر کا معلوم نہیں ہوتا۔

قال فکان ثوبان لیقع سوطہ وھو راکب فلا یقول لاحد ناولنیہ حتی ینزل فیاخذہ۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۳۳)

حضرت ثوبان سے سواری کی حالت میں جب کوڑا گرجاتا تو کسی سے اٹھانے کے لئے نہیں کہتے تھے بلکہ خود اتر کر اٹھالیتے۔

عن ابی ذر قال دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یشترط علی الا تسئل الناس شیأ قلت نعم قال ولا سوطک ان سقط منک حتی تنزل الیہ فتاخذہ۔

(مشکوۃ صفحہ ۱۶۴ طبع مجتبائی)

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے شرط کی کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا کوڑا گرجائے وہ بھی کسی سے

نہ مانگو بلکہ خود اتر کر اٹھا لو۔

فلقد کان بعض اولئک النفر یسقط سوط احدھم فما یسئل احدا ان یناولہ ایاہ

روایت ہے کہ بعض صحابہ ایسے تھے جن کا اگر کوڑا گر جاتا تو وہ بھی کسی سے مانگا نہیں کرتے تھے۔

(ابو داؤد مع عون المعبود مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۸ھ)

مذکورہ بالا دو روایتوں میں تو نام کی تصریح ہے اول میں حضرت ثوبان کے ساتھ واقعہ کی صورت میں اور ثانی میں حضرت ابو ذر غفاری کو رسول اکرم صلعم نے تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو بھی ایسے اتفاقات ضرور پیش آتے ہوں گے۔ جن میں انہوں نے اپنے محبوب کے ارشاد کی تعمیل کی ہوگی۔ تیسری روایت ابی داؤد کی ہے جس میں متعدد اصحاب کا رسول کریم صلعم کی خدمت اقدس میں اس عہد کے وقت حاضر ہونا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت عمر بھی ہوں اگرچہ نام کی تصریح نہیں مل سکی ہے۔[1]

آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ رفت
مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(صفحہ ۲۵)

الکاسب حبیب اللہ۔ مشہور حدیث ہی کی طرح ہے۔ اگرچہ یہ احادیث کے کسی مستند و معتبر مجموعہ میں نہیں ملی۔ نیز الکاسب حبیب اللہ ایک قول مشہور ہے۔ اقبال نے جو حاشیہ میں اس کو حدیث لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔

---

[1] ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکر صدیق کے حالات زندگی میں بھی ملتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کا کوڑا گر گیا تھا اور آپ نے بجائے کسی راہگیر سے مانگنے کے خود اتر کر اٹھایا تھا۔ محمد حبیب الرحمن خاں شیروانی۔ سیرت الصدیق صفحہ ۱۰۰

پنجۂ او پنجۂ حق می شود ماہ از انگشت او شق می شود

(صفحہ ۲۷)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل اور دوسرے مصرع میں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷ طبع مجتبائی)

بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

عن ابن مسعود بینا نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ اذ انفلق القمر فلقتین فلقة وراء الجبل وفلقة دونه فقال لنا صلی اللہ علیہ وسلم اشهدوا۔

(جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۰۰ طبع میرٹھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (کفار مکہ کے معجزہ طلب کرنے پر آپ کی انگلی کے اشارے سے) چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (جن میں سے) ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور دوسرا (پہاڑ کے) اس طرف رہ گیا تب آپ نے ہماری طرف مخاطب ہو کر فرمایا گواہ رہو۔

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب باز گرداند ز مغرب آفتاب

(صفحہ ۵۳)

یہاں اشارہ رجعت خورشید کے معجزہ کی طرف کیا گیا ہے۔

عن اسما بنت عمیس وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوحی الیہ وراسہ فی حجر علی وھو لم یصلی العصر حتیٰ غابت الشمس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت یا علی قال لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان فی طاعتک وطاعتہ رسولک فاردد علیہ الشمس قالت فرایتھا غربت ثم رایتھا طلعت بعد ما غربت ووقعت علی الجبل وذٰلک فی الصہبائی خیبر۔

(مولانا عبید اللہ بسمل مرتبی ارجح المطالب صفحہ ۷۹۵-۷۹۶)

اسما بنت عمیس سے اور حضرت ابوہریرہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول کریم پر ایک دفعہ وحی نازل ہوئی اور رسول کریم اپنا سر حضرت علی کی گود میں رکھ کر لیٹ گئے۔ حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ رسول کریم نے ان سے پوچھا یا علی تم نے نماز پڑھی ہے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں پڑھی۔ رسول کریم نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار یہ تیری اور تیرے رسول کی کی فرمانبرداری میں مصروف تھا اس لئے آفتاب کو لوٹا دے۔ اسما بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور غروب ہونے کے بعد پھر پہاڑ پر کھڑا ہو گیا اور یہ امر صہبا خیبر میں واقع ہوا۔

اس روایت کی موافقت ومخالفت میں محدثین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اکثر نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است ۔۔۔ دست او آنجا قسیم کوثر است

(صفحہ ۵۳)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف ہے کہ حضرت علی رسول کریم صلعم کے

حکم سے مسلمانوں کو آب کوثر پلائیں گے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی خمسۃ امور...... واما الثالثۃ ہ نواقف علی عقر حوضی یسقی من عرف من امتی۔

(ارجح المطالب صف ۵۷)

حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم فرماتے تھے۔ علی میں پانچ خصوصیتیں ہیں (ان میں سے) تیسری یہ کہ وہ میرے حوض (کوثر) کے کنارے کھڑے ہوں گے اور جس کو میری امت میں سے پہچانتے ہوں گے۔ اسے (آب کوثر) پلائیں گے۔

ذات او دروازۂ شہر علوم زیر فرمانش حجاز و چین و روم

(صفہ ۵۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جہاں رسول کریم نے حضرت علی کو علم کا دروازہ کہا ہے۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔

(جمع الفوائد ج ۲ صف ۲۱۲ طبع میرٹھ)

خاک گشتن مذہب پروانگی است خاک راہ شو کہ ایں مردانگی است

(صفہ ۵۴)

یہاں حضرت علی کی کنیت (ابو تراب) کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔

عن سہل ابن سعد قال دخل علی علی فاطمۃ ثم خرج فاضطجع فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم این ابن عمک قالت فی المسجد فخرج الیہ فوجد ردا قد سقط عن ظہرہ وخلص التراب الی ظہرہ فجعل یمسح

حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ حضرت علی ایک مرتبہ حضرت فاطمہ کے پاس آئے (اور پھر کسی بات پر خفا ہو کر) مسجد نبوی جا لیٹے۔ رسول کریم تشریف لائے تو حضرت فاطمہ سے ان کی نسبت پوچھا۔ عرض کیا مسجد میں ہیں۔ آپ مسجد

عن ظهره و يقول اجلس يا ابا تراب مرتين۔

(بخاری ج ۱ صفہ ۵۲۵ مجتبائی)

میں تشریف لائے تو دیکھا کہ چادر حضرت علی کے شانے سے ہٹی ہوئی ہے اور کمر مٹی میں لتھڑی ہوئی ہے آپ کمر کی مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے اے ابو تراب (یعنی خاک آلودہ) اٹھ بیٹھو دو مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔

تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمز وقت او لی مع اللہ یاد گیر

(صفحہ ۸۱)

"لی مع اللہ" یہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن ملا علی قاری نے اس کو قول صوفیہ قرار دیا ہے۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه نبی مرسل ولا ملک مقرب

(ملا علی قاری۔ موضوعات کبیر صفحہ ۱۰۰ مجتبائی اور عبد الرحمن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۱۶۷ طبع لکھنؤ)

(رسول کریم نے ارشاد فرمایا کہ) بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا روحانی قرب حاصل ہوتا ہے کہ اس (خلوت) میں نہ کوئی نبی مرسل بار پاسکتا ہے۔ اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

زندگی از دهر و دهر از زندگی است
لا تسبوا الدهر فرمان نبی است

(صفحہ ۸۲)

روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں جن کی طرف شعر میں تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا تسبوا الدهر فان اللہ هو الدهر۔

(مسلم ج ۲ صفہ ۲۳۷ علیمی)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ تم زمانے کو برا مت کہا کرو کیونکہ اللہ (مالک) زمانہ ہے (یعنی زمانے کی برائی بھلائی کا مطلب تمہاری برائی بھلائی ہوگی)۔

رموزِ بیخودی (طبع سوم ۱۹۴۸ء)

ترز جاں کن گفتۂ خیر البشر ہست شیطاں از جماعت دور تر

(صفہ ۹۸)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں جماعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعت شبرا فقد خلع ربقتہ الاسلام من عنقہ۔
(مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ ج ۱ صفہ ۸۲ مطبوعہ نولکشور)

حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے نکالا۔

لا نبی بعدی ز احسان خدا ست پردہ ناموس دین مصطفےٰ است

(صفہ ۱۱۸)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔
(مشکوٰۃ صفہ ۵۲)

حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول کریم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔ الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (یعنی صرف نبی اور غیر نبی کا فرق ہے)۔

بہر آں شہزادۂ خیر الملل دوش ختم المرسلین نعم الجمل

(صفہ ۱۲۶)

اس شعر میں جس روایت کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جابر قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والحسن والحسین علی ظہرہ وھو یقول نعم الجمل جملکما ونعم العدلان انتما۔ (کنز العمال ج۷ صفحہ ۱۰۸ مصری)	حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ حضرات حسنین آپ کے کاندھوں پر سوار تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ تمہاری سواری بھی بہترین ہے اور تم سوار بھی بہترین ہو۔

گفت با امت "ز دنیائے شما | دو ستدارم طاعت و طیب و نسا"

(صفحہ ۱۲۰)

یہاں اشارہ اس حدیث کی طرف کیا گیا ہے۔

حبب الی دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (ملا علی قاری۔ الممنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۱۲ مطبع محمدی لاہور۔	مجھے دنیا کی دو چیزیں محبوب ہیں عورت اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

لمعۂ او قدسیاں را سینہ سوز | بود اندر آب و گل آدم ہنوز

(صفحہ ۱۳۰)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف کیا گیا ہے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔

روایت اگرچہ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین کے ساتھ مشہور زبان زد ہے مگر حافظ سخاوی کا بیان ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکی بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو صاف طور اس کا رد فرما دیا ہے تاہم مضمون اس حدیث کا بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ ترمذی

مشکوٰۃ خصائص کبریٰ اور کنز العمال وغیرہ میں حدیث قریب قریب ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متیٰ وجبت لک النبوۃ قال وادم بین الروح والجسد۔ (مشکوٰۃ ج ۲ صفہ ۵۳ ترمذی ج ۲ صفہ ۲۰۷ مجیدی کنز العمال ج ۶ صفہ ۱۱۲ مصری اور خصائص کبریٰ ج ۱ صفہ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی تھی۔ فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم روح وجسد کی درمیانی حالت میں تھے (یعنی ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی)

تا ز بخششہائے آں سلطان دیں
مسجد ما شد ہمہ روئے زمیں

(صفہ ۱۳۱)

مصرعہ ثانی میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جعلت لی الارض مسجدا و طھورا۔
(بلوغ المرام صفہ ۱۰۵ مجتبائی)

میرے لئے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پاکیزہ ٹھہرادی گئی ہے۔

نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃ اللعالمیں

(صفہ ۱۴۰)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کی تائید حسب ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ختم بی النبیون۔ (مشکوٰۃ صفہ ۵۱۲)

میں آخری نبی ہوں۔

فطرت مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

(صفہ ۱۵۲)

اس شعر کا مضمون ذیل کی حدیث سے لیا گیا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم نے کہ مسلمان وہ ہے

سلم المسلمون من لسانه ویده۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

(بخاری ج ۱ صفہ ۶ طبع دہلی اصح المطابع)

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دونیم رحمت او عام و اخلاقش عظیم

(صفہ ۱۵۲)

دیکھئے صفہ ۱۰۰

بر سر ایں باطل حق پیرہن تیغ لا موجود الا ہو بزن

(صفہ ۱۶۳)

"لاموجود الا ھو" یہ بعض صوفیہ کا مقولہ ہے لیکن حدیث نہیں ہے۔

حرف حق از حضرت ما بردۂ پس چرا با دیگران نسپردۂ

(صفہ ۱۶۴)

یہ شعر مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

بلغوا عنی ولو آیته (مشکوٰۃ صفہ ۳۲) میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

کاروان را رہگذار است ایں جہاں نقد مومن را عیار است ایں جہاں

(صفہ ۱۶۶)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کا مضمون ذیل کی حدیث سے ماخوذ ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ
اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول کریم نے میرا کاندھا پکڑ کر فرمایا کہ
بمنکبی فقال کن فی الدنیا کانک و دنیا میں مسافر یا رہرو کی طرح زندگی بسر کرو۔
غریب او عابر سبیل۔

(بخاری ج ۲ صفہ ۹۴۹ طبع دہلی اصح المطابع)

آنکہ ناز د بر وجودش کائنات ذکر او فرمود با طیب و الصلوٰۃ

(صفہ ۱۷۴)

دیکھئے صفہ ۱۰۱

گفت آن مقصود حرف کن نکاں زیر پائے امہات آمد جناں

(صفحہ ۱۷۴)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔

رواہ احمد والنسائی والبیہقی فی شعب الایمان عن معاویۃ بن جاھمۃ ان جاھمۃ رضی اللہ عنہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اردت ان اغزو وقد استشرتک فقال ھل لک من ام قال نعم قال فالزمھا فان الجنۃ عند او تحت رجلیھا۔

حضرت جاھمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ میرا ارادہ شرکت جہاد کا ہے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں عرض کیا جی ہاں فرمایا انہی کی خدمت کرو ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۶۵

حافظ عبد الرحمٰن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۸۴ طبع لکھنؤ، الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۴۵ طبع مصر۔

آن امن الناس بر مولائے ما آن کلیم اول سینائے ما

اس شعر میں حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل میں جو روایت ہے اس کی طرف اشارہ ہے

ان من امن الناس علی فی صحبتہ ابوبکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا۔

(مشکوٰۃ ج ۴ صفحہ ۵۵۴)

(رسول کریم نے) فرمایا کہ لوگو جان و مال کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر نے کیا ہے۔ اگر اللہ کے علاوہ میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو انہیں کو بناتا۔

گویا ع بعد از خدا خلیل توئی قصہ مختصر

پیام مشرق (طبع پنجم ۱۹۴۶ء)

سروری در دین ما خدمت گری ست
عدل فاروقی و فقر حیدری ست
(صفہ ۷)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سید القوم خادمھم — قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔

(حافظ عبدالرحمٰن سخاوی، المقاصد الحسنہ
صفہ ۱۱۶ طبع لکھنؤ)

بانگ درا

(طبع یازدھم مارچ ۱۹۴۷ء)

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ماعرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

(صفحہ ۱۰۹)

"ماعرفنا" یہ جملہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن احادیث کے کسی مجموعہ میں نہیں ملا۔

ماعرفناک حق معرفتک — ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح کہ پہچاننے کا حق ہے۔

صورت خاک حرم یہ سرزمین بھی پاک ہے
آستان مسند آرائے شہ لولاک ہے

(صفحہ ۱۵۶)

"لولاک" اشارہ ذیل کی حدیث قدسی کی طرف ہے۔

لولاک لما خلقتا الافلاک — (اے نبی) اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

(ملا علی قاری۔ الموضوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۲۲)

سمان الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
"باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

(صفحہ ۱۹۸)

الفقر فخری" اشارہ حسب ذیل حدیث کی طرف ہے۔

الفقر فخری وبہ افتخر — فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں۔

(ملا علی قاری۔ [illegible] فی احادیث الموضوع صفحہ ۸ مطبع مجتبائی لاہور)

زبورِ عجم

(طبع چہارم ۱۹۴۸ء)

نصیب خود ز بوئے پیرہن گیر ٭ بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(صفحہ ۲۱۴)

اس شعر میں لفظ یمن لا کر اقبال نے اشارہ انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن (میں یمن کی طرف سے رحمٰن کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) کیا ہے جو عموماً حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ کسی مستند مجموعہ حدیث میں نظر سے نہیں گذری۔

چنیں فرمودہ سلطان بدر است ٭ کہ ایماں درمیان جبر و قدر است

(صفحہ ۲۲۸)

یہ الفاظ "ایمان درمیان جبر و قدر" کسی حدیث کے نہیں بلکہ فرقہ جبریہ، قدریہ کے افراط و تفریط سے ہٹ کر جو بین بین مسلک اہل سنت کا ہے۔ اس کو "الایمان بین القدر والجبر" سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی نظریئے کو نظم کیا گیا ہے۔ روایت کے الفاظ تو دوسرے ہیں یعنی "الایمان بین الخوف والرجا" جس میں ایک دوسرے نظریئے کو بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اشارہ ہو روایت مشکوٰۃ کی طرف جس میں جبریہ و قدریہ دونوں کی تردید کی گئی ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ والقدریۃ۔	میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جن کے حصے میں اسلام کا نشان بھی نہیں ہے اور وہ مرجیہ اور قدریہ کے فرقے ہیں۔

(مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۲)

اس کا حصل وہی نکلتا ہے کہ ایمان جبر و قدر کے درمیان ہے۔ یہ حدیث ترمذی ہے۔

مژدہ بر ہم مزن تو خودنمائی   منور شو ز نور "من یرانی"

(صفحہ ۲۳۲)

"من یرانی"۔ یہاں اس حدیث کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رانی فقد رای الحق۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۴)

حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا اس نے فی الحقیقت مجھے دیکھا۔

جاوید نامہ

(طبع دوم ۱۹۴۷ء)

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست
آن جوانمردے طلسم من شکست

(صفحہ ۲۶)

دیکھیے صفحہ ۱۰۳

گر تو خواہی من نباشم درمیان
لی مع اللہ باز خواں از عین جان

(صفحہ ۲۲)

دیکھیے صفحہ ۱۰۳

از حدیث مصطفےٰ داری نصیب
دین حق اندر جہاں آمد "غریب"

(صفحہ ۸۶)

اس شعر میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبی للغربا۶
اسلام ابتدا میں جس طرح اجنبی تھا آخر میں بھی ایسا ہی اجنبی ہو جائے گا۔ اس کی یہ حالت غرباء سے ملتی جلتی ہے۔ بس غرباء کے لئے بشارت ہو۔

مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۹-۳۰، ترمذی ۲۷ صفحہ ۹۲

باسیہ فامان ید بیضا کہ داد؟
مژدہ 'لا قیصر و کسریٰ' کہ داد؟

(صفحہ ۸۹)

اس شعر کے مصرع ثانی کے الفاظ "لا قیصر و کسریٰ" مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال
حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم

رسول اللہ علیہ وسلم ھلک کسریٰ
ثم لا یکون کسریٰ بعدہ و قیصر
لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ
ولتقسمن کنوزھما فی سبیل اللہ۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۶)

نے فرمایا کہ عنقریب کسریٰ (شاہ فارس)
ہلاک ہوگا اور اس کے بعد اور کوئی کسریٰ
نہ ہوگا اور البتہ قیصر (شاہ روم) ہلاک
ہوگا اور پھر کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ان
دونوں بادشاہوں کے خزانے خدا کی
راہ میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

از بلا ترسی حدیث مصطفیٰ است
مرد را روز بلا روز صفا است
(صفحہ ۱۱۰)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن سعد قال سئل النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس
اشد بلاء قال الانبیاء ثم الامثل
فالامثل یبتلی الرجال علی حسب دینہ
فان کان دینہ صلبا اشتد بلاؤہ وان
کان فی دینہ رقۃ ھون علیہ فما زال
کذلک حتی یمشی علی الارض ما لہ
ذنب رواہ الترمذی وابن ماجہ
والدارمی وقال الترمذی ھذا
حدیث حسن صحیح۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۶)

حضرت سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم
سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سخت
بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا
انبیاء پھر وہ لوگ جو انبیاء سے مشابہ
ہوں پھر انسان جس قدر دین میں سخت
ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت
ہوتی ہے اور جس قدر دین میں نرم ہوتا
ہے اسی قدر اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے
بس ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے یہاں
تک کہ وہ اس حالت میں زمین پر چلتا
ہے کہ تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوتا
ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ دارمی) ترمذی
نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

گفتمش "بگذر ز آئین فراق | ابغض الاشیاء عندی الطلاق"

(صفحہ ۱۵۹)

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق" رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔ ابن حجر عسقلانی۔ بلوغ المرام صفحہ ۲۲۳ مجتبائی)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

آنکہ حرف شوق با اقوام گفت | جنگ را رہبانی اسلام گفت

(صفحہ ۲۱۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ان لکل امۃ رھبانیۃ ورھبانیۃ ہٰذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللّٰہ۔

ہر امت کے لئے رہبانیت ہے اور رہبانیت اس امت کی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

کنز العمال ج ۲ صفحہ ۴۵۸)

آنکہ بود اللّٰہ او را ساز و برگ | فتنۂ او حب مال و ترس مرگ؎ ۱

(صفحہ ۲۳۴)

؎ ۱ مولانا ضیاء احمد بدایونی نے اس حدیث کو یوں نظم کیا ہے

اک دن نبیؐ نے جمیع اصحاب میں کہا | کل ہو گے تم نگاہ جہاں میں ذلیل و خوار
کی عرض اپنی قلت تعداد کے سبب | شاید اٹھے کا خلق سے مسلم کا اعتبار
فرمایا اس زمانے میں کثرت کے باوجود | ہوگا تمام قوم میں یہ ضعف آشکار
ہے بات یہ کہ الفت دنیا و خوف موت | بن جائیں گے معاشر اسلام کا شعار

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یا رسول اللّٰہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت رواہ ابوداؤد والبیہقی۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلعم نے فرمایا ہے قریب ہے کہ مخالفوں کی جماعتیں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے کے لئے بلائیں جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت دوسروں کو کھانے کی طرف بلاتی ہے۔ یہ سن کر صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کیا وہ لوگ اس لئے ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے آپ نے فرمایا تم اس زمانے میں بڑی تعداد میں ہوگے لیکن ایسے جیسے کہ دریا یا نالوں کے کنارے جھاگ ہوتے ہیں۔ (یعنی تم نہایت کمزور اور ضعیف ہوگے) تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ضعف و سستی پیدا ہو جائے گی۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللّٰہ وہ ما الوھن (ضعف و سستی) کیا چیز ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری۔ (ابوداؤد و بیہقی۔)

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق[۱]

(صفحہ ۲۴۲)

---

(۲) حالی نے اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۱۷ پر)

اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳ مجتبائی)

حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا ہے جو لوگ خدا کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں۔ رحمن ان پر رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

کثرت نعمت گداز از دل برد
نازمی آرد نیاز از دل برد!

(صفحہ ۲۴۲)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فو اللہ لا الفقر اخشیٰ علیکم ولکن اخشیٰ علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلککم کما اھلکتھم۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰ مجتبائی)

حضرت عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا ہے خدا کی قسم میں تمہارے فقر وافلاس سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے گی۔ جس طرح ان لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں پھر تم دنیا کی رغبت کروگے (یعنی دنیا کی لذتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے) جس طرح

(بقیہ صہ ۱۱۶)

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کی گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر
(مسدس حالی ص ۲۰ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

تم سے پہلے لوگوں نے رغبت کی اور یہ دنیا
تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح ان کو ہلاک کیا۔

ضعف ایمان است و دلگیری است غم
نوجوانا! "نیمهٔ پیری است غم"!
(صفحہ ۲۴۵)

"نیمہ پیری" اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔

الھم نصف الھرم — فکر آدھا بڑھاپا ہے۔

(حافظ عبدالرحمن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۴-۳۵ طبع لکھنؤ،
محمد ابن السید درویش۔ اسنی المطالب صفحہ ۲۴۸ طبع مصر)

می شناسی؟ حرص فقر حاضر است
من غلام آنکہ بر خود قاہر است
(صفحہ ۲۴۵)

"فقر حاضر" کہہ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایاکم والطمع فانه الفقر الحاضر — لالچ سے بچو کیونکہ یہ ایک قسم کی کھلی ہوئی محتاجی ہے۔

(سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۶۵
طبع لکھنؤ)

بال جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

کھو یا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک

(صفحہ ۶۳)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں حسب ذیل حدیث کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے

وتفترق امتی علیٰ ثلاث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ
(ترمذی ج ۲ صفحہ ۸۹۔ طبع مجتبائی)

(رسول کریم نے فرمایا کہ) میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک فرقے کے سب جہنم میں جائیں گے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

(صفحہ ۱۳۲)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۷۱

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے!
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے!

(صفحہ ۱۳۴)

دیکھئے صفحہ ۱۱۹

مسافر

(طبع سوم ۱۹۴۷ء)

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں	او نگنجد در جہانِ دیگراں

(صفحہ ۷)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

العلماء ورثۃ الانبیا	علما انبیا کے وارث ہیں۔

(اسنی المطالب صفحہ ۱۴۵ طبع مصر)

خرقۂ آں "برزخ لایبغیان"	دیدمش در نکتۂ "لی خرقتان"

(صفحہ ۳۱)

"لی خرقتان" اقبال نے اس شعر کے تحت یہ حدیث لکھی ہے" لی خرقتان الفقر والجہاد" مجھے خدا نے دو لباس دیئے ہیں فقر اور جہاد، لیکن اس قول کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہوا۔

پس چہ باید کرد (طبع سوم ۱۹۴۷ء)

ہر قبائے کہنہ چاک از دست او — قیصر و کسریٰ ہلاک از دست او

(صفحہ ۲۰)

دیکھئے صفحہ ۱۱۴

مومناں را گفت آں سلطان دیں — "مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں"

(صفحہ ۲۵)

دیکھئے صفحہ ۱۰۶

مال را گر بہر دیں باشی حمول — نعم مال صالح گوید رسول (رومی)

(صفحہ ۳۶)

"نعم مال صالح" اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح — حلال مال مرد صالح کے لئے مبارک ہے۔

(حبیف الدوف المنادی. کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق بر

حاشیہ الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۳۰ طبع مصر)

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست — چشم او بنظر بنور اللہ نیست

(صفحہ ۳۷)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اتقوا فراسۃ المومن فانہ — مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ

ینظر بنور اللہ۔ — وہ اللہ کے نور کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔

(سنی المطالب صفحہ ۲۳۸ طبع مصر)

در بدن داری اگر سوز حیات — ہست معراج مسلماں در صلوٰت

(صفحہ ۵۰)

اقبال نے الصلاۃ معراج المومنین کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ حدیث کہیں ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کا مفہوم درست ہے۔

اے در و دشت تو باقی تا ابد　　نعرۂ لاقیصر و کسریٰ کہ زد؟

(صفہ ۵۱)

دیکھئے صفہ ۱۱۴

ارمغان حجاز (طبع سوم نومبر ۱۹۴۶ء)

بچشم من نگہ آوردۂ تست | فروغ لا الہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبح من یرانی | شبستم را تاب مہ آوردۂ تست

(صفحہ ۷۱)

دیکھئے صفحہ ۱۱۲

مسلمان را ہمیں عرفان و ادراک | کہ در خود فاش بیند رمز لولاک
خدا اندر قیاس ما نہ گنجد | شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

(صفحہ ۲۰۶)

دیکھئے صفحہ ۱۱۰

آب و گل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز | ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

(صفحہ ۲۲۰)

"ابلہ جنت" یہ ترکیب مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

اکثر اھل الجنۃ البلہ — اکثر جنتی بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

(حافظ عبدالرحمن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۵ طبع لکھنؤ محمد ابن السید درویش۔ اسنی المطالب صفحہ ۴۸ طبع مصر)

اس حدیث کو محدث بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں اور محدث بزار نے اپنی کتاب المسند میں روایت کیا ہے بعض اور محدثوں کے یہاں بھی یہ روایت ملتی ہے۔ علامہ ابن الدیبع نے اپنی کتاب تمیز الطیب من الخبیث (صفحہ ۳۲ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ اس کی سند کمزور ہے۔

باقیات اقبال (طبع اوّل ۱۹۵۲ء)

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دل

(صفہ ۲۳)

اس شعر میں اس مشہور قول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قلوب المومنین عرش اللہ۔ — مومنوں کے دل اللہ کا عرش ہیں۔

یہ قول حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ اس کی سند مشتبہ ہے۔

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(صفہ ۳۰)

دیکھئے صفہ ۱۱۱

مقصد لحمک لحمی پہ کھلی ان کی زبان
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں

(صفہ ۳۵)

"لحمک لحمی" اس ضعیف حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

ان علیا لحمہ من لحمی، و دمہ من دمی — علی کا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور تیرا خون میرا خون

(کنز العمال ج ۶ صفہ ۱۵۴)

ارجح المطالب میں خوارزمی سے بھی ایک عبارت منقول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے

ولحمک لحمی ودمک دمی — اور تیرا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور تیرا خون میرا خون

(ارجح المطالب صفہ ۵۷۱-۵۷۲)

سخنے راندہ کہ جز قرشی
بر سر مسند نبی ننشست (صفہ ۱۲۷)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

الائمۃ من قریش — امام قریش میں سے ہوں گے۔

(فتح الباری ج ۶ صفہ ۵۲۹ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ)

رخت سفر

(نقش اول جنوری ۱۹۵۲ء)

مجھ کو انکار نہیں آمد مہدی سے مگر — غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا

(صفہ ۶۶)

مصرع اولیٰ میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

المھدی من عترتی من ولد فاطمہ — مہدی میری نسل اور فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے۔

(ابوداؤد صفہ ۵۸۸ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۹ھ)

بشریٰ لکم کہ منتظر ما رسیدہ است — یعنی حجاب غیبت کبریٰ رسیدہ است

(صفہ ۱۴۲)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وزعموا انہ قد اختفیٰ خوفا من اعدائہ وسیظھر — (یعنی) ان (شیعون) کا گمان ہے کہ وہ (یعنی محمد منتظر مہدی) دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں اور وہ عنقریب ظاہر ہوں گے۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ صفہ ۱۷۲ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ)

باب چہارم

فلسفیانہ تلمیحات

اسرار خودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

راہب دیرینہ افلاطون حکیم
از گروہ گوسفندان قدیم

(صفحہ ۳۴)

"افلاطون": افلاطون (PLATO) یونان کا مشہور ترین فلسفی ۴۲۸-۴۲۷ ق م میں پیدا ہوا اور ۳۴۸-۳۴۷ ق م میں فوت ہوا۔ یہ ایتھنز کے ایک ممتاز خاندان کا فرد تھا۔ اس نے ۳۸۷ ق م کے لگ بھگ ایک اکیڈمی قائم کی جو فلسفیانہ اور علمی تحقیقات کے لئے تھی۔ افلاطون کے "مکالمات" اور "ریاست" اپنی نوعیت کے بے مثل کارنامے خیال کئے جاتے ہیں اور ان کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔

افلاطون کے نزدیک طریق فکر عقلیت ہے۔ عقلیت نام ہے اس اعتقاد کا کہ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا علم کما حقہٗ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس اعتقاد کو بطور اصول کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ کلی، ذہنی، واجب بسیط اور قدیم ہی حقیقت ہو سکتے ہیں اور جزئی، خارجی، ممکن، مرکب اور حادث حقیقت نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا افلاطون حقائق کا ایک نظام اس طرح وضع کرتا ہے کہ وہ سب کسی ایک اصول اولیٰ سے منطقی طور پر منتزع ہو سکیں۔ افلاطون کے نزدیک وہ اصول اولیٰ (سقراط کے زیر اثر) تصور

خیر ہے۔ لہٰذا افلاطون کے نقطۂ نگاہ سے معقول حقیقت ہے اور محسوس نمود محض اور اسی لئے اس نے عالم ایمان کو حقیقت تسلیم کیا ہے

اقبال کے نزدیک یونانی فلسفہ کی خصوصیت اس کی عقلیت ہے اور اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ محسوس اور معقول دونوں حقیقت ہیں اور ان دونوں کے ماورا الٰہی حقیقت ہے۔ اس لئے اقبال افلاطون سے اختلاف رکھتے ہیں کہ عقلیت کے اصول کو اختیار کر کے زمانی اور مکانی حقائق، حرکت اور جدوجہد بے معنی رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ زندگی عبارت انہیں سے ہے۔

افلاطون کا نظریۂ تعلیم یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ان نقوش کو اجاگر کر کے دکھانا ہے جو روح میں پہلے سے دھندلی حالت میں موجود ہیں۔[۱]

---

[۱] ول ڈوران۔ مترجم مولوی احسان احمد۔ حکایت فلسفہ صفحہ ۸ - ۷۳

پیام مشرق

(طبع پنجم ۱۹۴۶ء)
(ص ۲۳۴)

شوپن ہار و نیٹشا

"شوپن ہار" آرتھر شوپن ہار (ARTHUR SCHOPENHAUER) ۲۲ فروری ۱۷۸۸ء کو ڈانزگ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک دولتمند تاجر تھا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ایک دیندار انسان بنے۔ لیکن شوپن ہار تاجر بننے کے لئے پیدا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ ہامبرگ میں میرے قنوطی نظریۂ حیات کی بنیاد پڑی۔ وہ ۱۷ سال کی عمر سے دنیا کے رنج والم کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا تھا۔ اس نے گوٹنجن اور برلن میں تعلیم حاصل کی۔ گوٹنجن میں شولزے (SCHULZE) اور برلن میں فشٹے (FISCHTE) فلسفہ میں اس کے استاد تھے۔ یہ دونوں مفکر اپنے زمانے میں چوٹی کے حکما تھے۔ شوپن ہار نے افلاطون اور کانٹ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ شوپن ہار پر ہندوؤں کی مقدس کتب اپنشدوں کا بھی اثر تھا جو اس نے لاطینی تراجم کی مدد سے پڑھی تھیں اس کی اہم ترین تصنیف "کائنات بہ حیثیت خواہش اور تصور" (THE WORLD AS WILL AND IDEA) ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔ شوپن ہار نے اپنی زندگی کے بہترین لمحات اپنی محبوبہ کے ساتھ وینس میں گذارے۔ واپسی پر اس نے برلن میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اس وقت ہیگل جرمنی کی دنیائے فکر ونظر پر حکمران تھا چنانچہ شوپن ہار اور ہیگل میں رقابت پیدا ہوئی اور شوپن ہار کے قدم نہ جم سکے۔ ۱۸۳۱ء میں اس نے فرانک فرٹ میں سکونت اختیار کی

اور اپنا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگا لیکن بہ حیثیت مصنف کے ہیگل کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوا اور ہر طرف سے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اسی دوران میں اس نے دو اور کتابیں شائع کیں۔ شوپن ہار تمام عمر ناکامیوں اور مایوسیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی زندگی کے آخری ایام کسی قدر سکون و اطمینان سے بسر ہوئے۔ انتقال ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء کو ہوا۔

شوپن ہار ایک ذہین ناول نگار ماں کا بیٹا تھا جس سے اس کی تلخی ہو گئی تھی۔ اس کا اثر اس کے افکار پر پڑا اور اسے ہمیشہ کے لئے قنوطی بنا دیا۔

شوپن ہار یورپ کا سب سے بڑا قنوطی فلسفی تھا۔ اس نے زندگی کو ایک تمثیل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک تندرست اور توانا اندھے کے کندھوں پر ایک لنگڑا سوار ہے اور اسے جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ شوپن ہار کے نزدیک یہ حال عقل اور ارادہ کا ہے۔ اس نے کہا کہ کائنات ایک اندھی مشیت طاقت حیات کا مظہر ہے۔ اس میں اندھا دھند زندگی پیدا کرنے کا جذبہ ہے اور یہ زندگی سر بسر تنازع للبقا اور پر آلام ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں نہ منزل نہ مقصود۔ سب سے اچھا راستہ وہ ہے جو اس سے چھٹکارے کی سبیل بتلائے۔ اسی لئے اس نے خودکشی کو نجات کا ذریعہ سمجھا ہے[1]۔

"نیٹشا" فریڈرک ولہلم نیطشے (FRIEDRICH WILHELM' NEITZSCHE) ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پرشن سیکسنی میں پیدا ہوا اور بون اور برگ میں تعلیم حاصل کی۔ نطشہ کا سال وفات ۲۶ اگست ۱۹۰۰ء ہے۔

نیطشے کا فلسفہ مسیحی قدروں (VALUES) کی تنقید ہے۔ اس کے نزدیک زم للقوۃ (WILL TO POWER) سب سے اعلیٰ فضیلت ہے۔ نیطشے

---

[1] ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ۔ مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم۔ تاریخ فلسفۂ جدید ج ۲ صفحہ ۲۴۴-۲۴۸۔
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۰ صفحہ ۱۰۳-۱۰۵۔

کا خیال یہ ہے کہ فلسفہ کو حیات میں معین ہونا چاہیئے۔ جب تک اس کا کوئی عملی فائدہ نہ ہو بیکار ہے۔ وہ تدوین نظام کا قائل نہیں جو کلاسیکل فلاسفہ کانٹ اور ہیگل کا رجحان تھا۔ ارتقا کا منزل مقصد ایک مافوق الانسان کو پیدا کرنا ہے جو نئی قدروں کا مجسمہ ہو۔

سب سے بہتر وہ تعلیم ہے جو ہمیں دنیا کے مشکلات کا مقابلہ کرنا سکھائے
نہ کہ وہ جو تخیلی دنیا میں فرار کرنے کی راہیں دکھلائے[۱]

ٹالسٹائے

(صفحہ ۲۳۶)

"ٹالسٹائے" کاؤنٹ لیونکولائے ویچ ٹالسٹائے (COUNT LEO NIKOLAIEVITED TOLSTOY OR TOLSTOI) مشہور روسی ناول نگار اور فلسفی ۲۸ اگست (۹ ستمبر) ۱۸۲۸ء کو پیدا ہوا۔ اس نے ماسکو اور قازان میں تعلیم حاصل کی۔ شروع میں یہ فوج میں بھرتی ہوا بعد ازاں فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ادبی مشاغل میں منہمک ہو گیا۔ فوج سے الگ ہونے سے پہلے ہی ٹالسٹائے شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس نے کچھ وقت سینٹ پیٹرس برگ کے بہترین علمی اور ادبی ماحول میں گذارا۔ جرمنی اور اٹلی کے سفر کے بعد ٹالسٹائے نے ۱۸۶۲ء میں شادی کی اور ماسکو کے قریب اقامت گزیں ہو گیا۔ اسی دوران میں اس نے چند ناول لکھے۔ جنگ کریمیا کے بعد ٹالسٹائے نے کچھ اور ناول تصنیف کئے۔ اس کے دو ناول دنیائے ادب میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں پہلا ناول (WAR AND PEACE)

---

[۱] ول ڈوران۔ مترجم مولوی احسان احمد۔ حکایت فلسفہ صفحہ ۵۰۷۔۵۶۷
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفحہ ۲۳۲۔۲۲۵

ہے۔ یہ ناول نپولین کی لڑائی پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نپولین نے روس کے خلاف کیا کیا اور اہل روس نے کس طرح مدافعت کی۔ اس کا دوسرا مشہور ناول (ANNA KARENINA) ہے۔ یہ ناول ایک منحوس شادی کی دردناک داستان ہے۔ اس کے بعد اس نے غریبوں کی حمایت میں لکھنا شروع کیا اور زندگی کی تکالیف دور کرنا اپنا نصب العین قرار دیا۔ چنانچہ اس کی اس دور کی تصانیف میں غریبوں کی حمایت کا جذبہ جگہ جگہ کار فرما نظر آتا ہے۔ ٹالسٹائے نے روس میں سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی۔ آخر میں اس نے اپنی تمام دولت اپنی بیوی کے سپرد کردی اور ایک کسان کی طرح اپنی بیوی کے مکان میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام تارک الدنیا ہو کر گذارے۔ اس کا انتقال ۸ رنومبر (۲۱ رنومبر) ۱۹۱۰ء کو ہوا۔

ٹالسٹائے کے نزدیک مسرت کا راز اس میں ہے کہ آسائش کے معیار کو کم کیا جائے۔ اس نے روس کے موجودہ حالات کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی کہ یہاں بہت جلد انقلاب آکر رہے گا۔ وہ ۱۹۱۰ء میں فوت ہوا اور ۱۹۱۷ء میں انقلاب ہوگیا۔ قومی زندگی میں سات سال کا دقفہ کوئی بہت بڑا وقفہ نہیں ہے۔[۵]

کارل مارکس

کارل مارکس (KARL MARX) جرمنی کا مشہور اسرائیلی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ ۵ رمئی ۱۸۱۸ء کو جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین نے اس کو بون اور برلن میں قانون کے مطالعہ

۵۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۲ صفحہ ۲۷۲-۲۷۵

کے لئے بھیجا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بجائے قانون کے تاریخ اور فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ مارکس بظاہر ہیگل کا متبع بن گیا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا اور اس نے خدا اور مذہب دونوں کا انکار کر دیا۔ مارکس نے ۱۸۴۲ء میں رہنیش گزٹ (RHENISH GAZETTEE) کی ادارت کی۔ وہ ۱۸۴۳ء میں شادی کے بعد اقتصادیات کے مزید مطالعہ کے لئے پیرس گیا جہاں اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ ۱۸۴۵ء میں مارکس کو فرانس سے نکال دیا گیا۔ فرانس سے نکلنے کے بعد اس نے انگلز (ENGELS) کی معیت میں کمیونسٹ لیگ (COMMUNIST LEAGUE) کی تنظیم کی اور ۱۸۴۸ء میں اس نے اپنا مشہور منشور (MANIFESTO) اسی لیگ کے لئے لکھا۔ سیاسی اختلافات کی بنا پر ارباب حکومت نے مارکس کو جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ اس نے کچھ عرصہ غیر ممالک کی سیاحت کی بعد ازاں لندن میں سکونت پذیر ہو گیا اور وہیں ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو انتقال کیا۔ اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ (KAPITAL) کو مذہب اشتراک کی انجیل سمجھنا چاہیئے۔ اسی کتاب میں مارکس نے اپنے معاشی نظام کو پیش کیا ہے۔

کارل مارکس ایک معاشی اور عمرانی فلسفی ہے جو تاریخی انقلابات کی بنا طبقاتی جدلیت کو قرار دیتا ہے اور طبقاتی تضاد کو ابھار کر انقلاب لانا چاہتا ہے۔ اس کا معاشی فکر صنعتی سرمایہ داری میں جو بے انصافی ہے اس کے رد عمل کے طور پر ابھرا ہے۔ وہ جب کبھی مذہب کی نسبت اظہار خیال کرتا ہے اس کے پیش نظر مسیحی مذہب ہوتا ہے۔ مارکس نسلاً یہودی ہے اور یہودیت کو جو عناد غیر یہودی نظام کے ساتھ ہے اس کے افکار میں نمایاں ہے۔

اس کا ایک دوست انگلز ایک طویل مدت تک اس کی اور اس کے خاندان کی کفالت کرتا رہا تاکہ وہ اپنے افکار کو مدون کر سکے[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا امریکانا ج ۱۶ صفحہ ۳۴۷ ۳۴۸

(صفہ ۲۳۷)

ہیگل

"ہیگل" جارج ولہلم فریڈرک ہیگل (GEORGE WILHELM FRIEDRICH HEGEL) جرمنی کا مشہور و معروف فلسفی ۲۷ اگست ۱۷۷۰ء کو پیدا ہوا۔ اس کے معاصرین میں شیلنگ اور فشٹے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۸۱۲ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب (LOGIC) کی پہلی جلد شائع کی۔ ۱۸۱۶ء میں ہیگل ہائیڈل برگ میں پروفیسر مقرر ہوا لیکن دو سال کے بعد اس نے برلن میں پروفیسر کی جگہ قبول کر لی۔ برلن ہی میں ۱۴ نومبر ۱۸۳۱ء کو انتقال ہوا۔ اسی دوران میں اس نے کئی کتابیں شائع کیں جن میں PHILOSOPHY OF ART، PHILOSOPHY OF RELIGION اور PHILOSOPHY OF HISTORY بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

ہیگل کے پیش نظر بھی دوسرے اساطین فلاسفہ کی طرح یہی ہے کہ حقیقت کا ایک نظام مدون کیا جائے اور تمام کثرت کو کسی اصول واحد سے بطور ایک نظام ارتقا کے منتزع کیا جائے۔ چنانچہ ہیگل کے نقطۂ نگاہ سے وہ اصول واحد تصور مطلق ہے۔ اسی کے ظہور سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ جو عمل ظہور کائنات میں مضمر ہے وہ جدلی عمل ہے۔ جدلی عمل کے تین مدارج ہیں۔ ایک اثبات دوسرے نفی تیسرے تطبیق۔

دراصل ہیگل کا فلسفہ ایک کوشش ہے کانٹ کی تنقید بعد مابعد الطبیعات کے مدون کرنے کی۔ اس لئے ہیگل کے نتائج اتنے اہم نہیں جتنے وہ دلائل جو ہیگل کانٹ کے بعد اپنا مقام پیدا کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ اس نے فلسفۂ تاریخ پر بھی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ مختلف تہذیبیں تصور ہی کے واقعہ بننے یا پانے کی جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔[1]

۱؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ صفہ ۳۷۲-۳۸۵

حکیم آئن اسٹائن

(صف ۲۳۹)

"آئن اسٹائن" ڈاکٹر البرٹ آئن اسٹائن (ALBERTT EINSTEIN)

۱۴ مئی ۱۸۷۹ء کو جرمنی میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ پہلے میونخ اور اس کے بعد اٹلی میں بچپن گذارا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ زیورچ کے ایک اسکول میں استاد مقرر ہوئے اور انہوں نے سوئٹزرلینڈ کی شہریت اختیار کرلی۔ بعد میں انہیں برن میں پیٹنٹس کا انسپکٹر مقرر کردیا گیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے زیورچ کی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے فزکس (علم الطبیعات) پر بعض مقالے لکھے جن کا معیار اتنا بلند تھا کہ تیس برس کی عمر ہی میں انہیں یونیورسٹی میں فزکس کا پروفیسر مقرر کردیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں انہیں پراگ یونیورسٹی میں فزکس کا ہی پروفیسر مقرر کیا گیا مگر وہ بہت جلد سوئٹزرلینڈ واپس آگئے اور ۱۹۱۳ء میں انہوں نے برلن کے قیصر ولیم انسٹی ٹیوٹ آف فزکس کے ڈائرکٹر کا عہدہ قبول کرلیا۔

آئن اسٹائن نے ۱۹۰۵ء میں دنیا کے سامنے اپنا مشہور نظریۂ اضافیت پیش کیا جس نے سائنس کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں طبیعات میں "نوبل انعام" حاصل کیا۔ جب کہ ان کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ جرمنی میں جب نازیوں کو عروج حاصل ہوا تو آئن اسٹائن کو بھی ان کی تنگ نظری کا نشانہ بننا پڑا اور وہ جرمنی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ امریکہ چلے آئے اور ۱۹۴۰ء میں انہوں نے امریکی شہریت اختیار کرلی۔ انہیں پرنسٹن یونیورسٹی میں اعلیٰ تحقیقات و مطالعہ کے ادارے میں حیاتی رکنیت بھی دیدی گئی تھی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں "میرا فلسفہ" اور "دنیا میری نظر میں" بھی شامل ہیں جو بالترتیب ۱۹۳۳ء اور

۱۹۳۵ء میں شائع ہوئیں۔ ان کا انتقال ۱۸ راپریل ۱۹۵۵ء کو ہوا۔

آئن اسٹائن نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ زمان مطلق اور مکان مطلق کے تصورات نہ تو نظری بنیادوں پر قابل قبول نہ تجربی بنیادوں پر۔ نظریۂ اضافیت کی رو سے زمان اور مکان دونوں نہ تو مطلق ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہیں بلکہ اضافی ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے یہ کائنات دو جدا معقولات یعنی زمان اور مکان پر مشتمل نہیں بلکہ "زمان۔ مکان" ایک تسلسل واحد ہے۔ لہذا ہمارا سہ ابعادی عالم اب چہار ابعادی ہو گیا ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کا پورے طور سے تعین کرنے کے لئے طول، عرض اور عمق کے علاوہ زمان بھی درکار ہے۔ آئن اسٹائن کے نزدیک زمان۔ مکان حقیقت ہے لیکن ناظر یا شاہد کے لئے وہ اضافی ہے۔ فی الجملہ اقبال کو نظریۂ اضافیت کے تصورات سے اتفاق ہے لیکن اقبال کو نظریۂ اضافیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی رو سے زمان مکان کا بعد رابع بن جاتا ہے۔ اقبال کے نقطۂ نگاہ سے اس کا یہ مطلب ہوگا کہ مستقبل بلاشبہ ایسا ہی متعین ہے جیسا ماضی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمان ایک آزاد تخلیقی حرکت کی حیثیت سے متصور نہ ہو سکے گا۔ اقبال کو برگسان سے اس باب میں اتفاق ہے کہ زمان ایک تسلسل ہے۔ لیکن اقبال یا برگسان کے زمان کو تسلسل کہنے سے بات واضح نہیں ہوتی۔ زمان اور مکان دونوں کے دو دو پہلو ہیں ایک تدریج اور دوسرے اس تدریج کا مسلسل ہونا۔ زمان آنات کی تدریج مسلسل ہے اور مکان نقاط کی۔[۱]

(صفحہ ۲۴۴)

محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومٹ و مرد مزدور

"اگسٹس کومٹ" اوگستے کومت (AUGUSTE COMTE) ایک مت کا

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۸ صفحہ ۱۱۲-۱۱۴ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ اضافیت۔

بانی ۱۹ر جنوری ۱۷۹۸ء کو پیدا ہوا۔ وہ ابتدا ہی سے ریاضی کا شائق اور حاکمانہ اقتدار کا مخالف تھا۔ اس نے ایکول پولی ٹیکنیک (ECOLE POLYTECHNIQUE) میں طلبا کے احتجاج میں شرکت کی جو انہوں نے اپنے کسی معلم کے رویہ کے خلاف کیا تھا۔ اس پر کومت وہاں سے نکالا گیا۔ بعدازاں اس نے چند سال اپنے والدین کے ساتھ گذارے آخرکار پیرس واپس آگیا۔ جہاں اس نے ریاضی کا درس دے کر اپنی معاش کا انتظام کیا۔ سینٹ سائمن (SAINT — SIMON) کی ملاقات سے اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم رونما ہوا چھ سال تک کومت سائمن کی شاگردی میں رہا۔ اس کے بعد شاگرد اور استاد میں کسی بات پر اختلاف ہوا اور دونوں کے درمیان جدائی ہو گئی۔ ۱۸۲۵ء میں کومت نے شادی کی لیکن فریقین کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی اور سترہ سال کی مسلسل جنگ و جدل کے بعد ایک کو دوسرے سے علحدہ ہونا پڑا۔ ۱۸۲۶ء میں کومت نے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں اپنے نظریات کو واضح کیا۔ اس کے لیکچروں میں اس کے عہد کے مشہور سائنسدان شریک ہوا کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ کومت پر آخر میں جنون کا غلبہ طاری ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی مشہور کتاب PHILOSOPHIS POSITIVE کی اشاعت کے دوران میں اپنی گذر اوقات کا بندوبست ایکول پولی ٹیکنیک میں معلم کی حیثیت سے کیا۔ بعدازاں کچھ لوگوں کی مخالفت سے یہ ۱۸۴۱ء اس سے چھین لیا گیا۔ اب اس نے ریاضی پڑھانے کا انتظام کیا کومت کے آخری ایام میں اس کے بعض احباب نے اس کی مالی امداد بھی کی۔ اس کا انتقال ۵ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوا۔

کانٹ کے فلسفے کے دو پہلو ہیں۔ ایک تنقیدی اور دوسرا تعمیری۔ تنقید میں وہ یہ واضح کرنے کی سعی کرتا ہے کہ علم کیونکر ممکن ہے اور اس کی واقفیت کے حدود کیا ہیں۔ اور تعمیری پہلو میں وہ ایک نظریہ منتہائے حقیقت

کے بارے میں پیش کرتا ہے اور اس بات پر مصر ہے کہ یہ نظریہ علم نہیں ہے بلکہ ایک اعتقاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن فلاسفہ نے اپنے افکار کی بنیاد کانٹ کی تنقید کے نتائج پر رکھی ہے وہ اس طرف گئے ہیں کہ محسوسات حقیقت ہیں اور اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے اور جب انہوں نے نظری شعور کے تقاضے کے پیش نظر صرف معلوم کو موجود سمجھنے پر اصرار کیا تو نتیجہ میں اس طرح کے نظریات پیدا ہوئے جیسے کومت کا نظریۂ ایجابیت جس میں کانٹ کی ورائے محسوسات حقیقت کی گنجائش نہیں ہے۔

کومت فلسفۂ ایجابیت (POSITIVISM) کا بانی ہے۔ یہ فلسفہ کائنات کے ظواہر سے بحث کرتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یقینی علم صرف ظواہر ہی کا ہے۔ یہ نظریہ بڑی حد تک تصوریت کی ضد ہے۔ لہذا کومت نے اپنی ساری توجہ محسوسات کی طرف مبذول کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فلسفہ میں ریاضی طبیعات کیمیا اور عمرانیات کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اس نے منطق اخلاقیات اور نفسیات کو اپنے فلسفیانہ نظام میں کوئی جگہ نہیں دی۔[۱]

پیغام برگسان

(صفحہ ۲۴۷)

"برگسان" آنری برگسوں (HENRI BERSON) فرانس کا مشہور حکیم ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پیرس میں پیدا ہوا۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۱ء تک پروفیسر رہا۔ اس نے ۱۹۲۷ء میں "نوبل انعام" حاصل کیا۔ اس کا شمار اپنے عہد کے مشہور ترین حکما میں ہوتا ہے۔ ۱۹۴۱ء

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۶ صفحہ ۱۹۰-۱۹۵

میں اس نے انتقال کیا۔

برگسوں کا خیال یہ ہے کہ عقل اور حواس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اشیا کے ظاہر کا علم ہے اور کسی شے کی حقیقت یا کنہ صرف وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے۔ وجدان بلا واسطہ حقیقت شے کا احاطہ کرتا ہے اور وجدان ہی پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ اشیا ساکن نہیں متحرک ہیں۔ متحرک ہی نہیں بلکہ متحرک نامی ہیں۔ برگسوں کے نزدیک تمام فلاسفہ کا فکر جمود کی طرف مائل ہے کیونکہ ان کے علم کا ذریعہ عقل ہے برگسوں کے فلسفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ طریق فکر کے اعتبار سے تو اس کا نظریہ وجدانیت ہے اور نتائج کے لحاظ سے اس کا فلسفہ حیاتیات (VITALISM)۔ ہے کیونکہ وہ جوش حیات (ELAN VITAL) کو اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ وجدانیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اشتراک فی العلم منفور نہیں رہتا اور حیاتیت (VITALISM) کا نتیجہ یہ ہے کہ طبیعی نامی، شعوری اور خود شعوری حقائق کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ برگسوں اس نتیجہ پر اس لئے پہنچا کہ اس نے حیاتیات کے مقولات کو اپنی فکر کی تنظیم کا اصول بنایا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حیاتی اصول ہی اصل الاصول قرار دیا جائے۔[1]

ساغرش را سحر از بادہ خورشید افروخت | ورنہ در محفل گل لالہ تہی جام آمد

(صفحہ ۲۵۱)

یہاں مشہور انگریز فلسفی لاک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جان لاک (JOHN LOCK) ۲۹ اگست ۱۶۳۲ء کو قصبہ رنگٹن میں پیدا ہوا۔ اوائل عمر میں آکسفورڈ میں فلسفہ سائنس اور طب کا مطالعہ کیا۔ تین سال تک برلن تو نصل کا سکریٹری رہا۔ اس کے معاصرین اس کے خلوص اس کی صداقت اور اس کی حریت کو حاصل کرنے میں اس کے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۳ صفحہ ۴۳۵

دل دوران مترجم مولوی احسان احمد، حکایت فلسفہ صفحہ ۵۶۹ - ۵۹۱

جوش کے قائل تھے۔ اس کی تحریر نہایت سلجھی ہوئی اور صاف ہوتی تھی۔
۲۸ اکتوبر ۱۷۰۴ء کو انتقال کیا۔

لاک کو فلاسفۂ حسیئین (EMPIRICISTS) اپنے مذہب کا امام سمجھتے ہیں۔ وہ علم، تواضع اور علم دوستی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اس نے عمر کا بہت بڑا حصہ مناظرہ و مباحثہ میں بسر کیا۔ ان مباحثوں میں اس کی نفسیانت کو دخل نہ تھا بلکہ خالص علمی تحقیق پیش نظر ہوتی تھی۔ لاک علم دوستی اور امن پسندی کے باوجود انقلابات زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ مخالفین کی شرارت سے اس کا شمار بدخواہان سلطنت میں ہونے لگا۔ بالآخر اس کو وطن چھوڑنا ہی پڑا۔

لاک نے سیاسیات میں فلسفہ کو فراموش نہیں کیا چنانچہ اس نے فلسفۂ قانون و مملکت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ملکی حکومت پر ایک مستقل تصنیف یادگار چھوڑی۔ لاک کے مذہب اور فلسفہ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس نے عقل کے ذریعہ سے فطری مذہب کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ لاک کی مندرجہ ذیل کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(1) LETTERS ON EDUCATION (2) AN ESSAY ON CIVIL GOVERNMENT (3) LETTERS ON TOLERATION (4) REASONABLENESS OF CHRISTIANITY AND (5) ESSAY ON HUMAN UNDER STANDING.

آخری کتاب اس کا شاہکار ہے اس کے فلسفہ کا موقع ہے۔

جان لاک حسیت کا بانی، وہبی تصورات اور ضمیر کا منکر، نفس کو لوح سادہ تصور کرنے والا، فلسفۂ جدید بالخصوص نفسیات جدیدہ پر اس نے گہرا اثر ڈالا۔
انگلستان میں لاک نے عقل۔ علم کا جائزہ بڑی دقت نظر اور بڑی شرح و بسط سے لیا اور کہا کہ نفس انسانی ایک لوح سادہ ہے جس پر حواس

اپنی قلم کاری سے نقوش بناتے ہیں اور تمام علم حواس ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور نفس کے اندر تصورات سے ان معلومات کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ مادہ کے اصل کا جوہر اتنا ہی ہے کہ اس میں امتداد ہے اور وہ مکان کو گھیرتا ہے باقی عالم آواز و رنگ و بو سب اعتباری اور اضافی ہے۔ یہ مادہ کے ثانوی صفات ہیں جو مادہ کے جوہر میں نہیں پائے جاتے بلکہ مادہ آلات حس اور نفس تینوں کے تعامل سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان اضافات کا کوئی مطلق وجود نہیں۔ آزادی کے متعلق لاک کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی کا مستقر عمل ہے نہ کہ انتخاب۔ آخر الذکر محرکات کا نتیجہ ہوتا ہے۔[۵]

فطرتش ذوق مے آئینہ فامے آورد   از شبستان ازل کوکب جامے آورد

(صفحہ ۲۵۱)

یہاں اشارہ مشہور جرمن فلسفی کانٹ کی طرف ہے۔

ایمینول کانٹ (IMMANUEL KANT) پرشیا میں کونگزبرگ کے مقام پر ۲۲ اپریل ۱۷۲۴ء کو پیدا ہوا۔ اس کی زندگی نظم و ضبط کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ کانٹ کی زندگی میں جس قدر فلسفیانہ وقار پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ اس نے تمام عمر کونگزبرگ کے برفانی پہاڑوں میں بسر کی۔ کانٹ نے مختلف زبانیں سیکھیں اور ادبیات کا مطالعہ کیا۔ اسے ریاضیات اور طبیعات سے بڑا شغف تھا اور اس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ۱۲ فروری ۱۸۰۴ء کو کانٹ نے ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

کانٹ کی شہرت اس کی کتاب "تنقید عقل محض" (CRITIQUE OF PURE REASON) کے شائع ہونے کے بعد ہوئی۔ یہ کتاب

---

[۵] ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ۔ مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ تاریخ فلسفہ جدید ج ۱ صفحہ ۲۴۴-۲۴۳

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۲۷۱-۲۷۵

جیساکہ کانٹ بتاتا ہے بارہ سال کے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب میں کانٹ نے یہ مسائل حل کیے ہیں کہ علم، تصور، ادراک اور یقین سے کس طرح ممتاز اور متمیز ہے۔ علم کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے علم ممکن ہوتا ہے اور نہ ہونے سے نہیں اور علم کی صحت اور واقفیت کے حدود کیا ہے؟

اخلاق پر اس کی دور آفرین تصنیف "تنقید عقل عملی" (CRITIQUE OF PRACT CAL REASON) ہے جو ۱۷۸۸ء شائع ہوئی۔ اس میں کانٹ نے ان مسائل کو حل کیا ہے کہ نیکی اور مصلحت میں امتیاز کیا ہے؟ نیکی کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے نیکی ممکن ہے ورنہ نہیں اور نیکی کی صحت اور واقفیت کے حدود کیا ہیں؟

کانٹ نے اپنے عہد کو دور تنقید کہا ہے۔ کانٹ سے قبل مفکرین نے مابعد الطبیعات کے نظام مرتب کیے تھے۔ کائنات، خدا، روح وغیرہ کے متعلق عقلی دلائل کے ساتھ بحثیں کی تھیں لیکن کانٹ نے پہلی دفعہ پوری طرح غور کیا کہ عقل کیا چیز ہے، عقل سے ہمیں کن چیزوں کا علم ہو سکتا ہے اور وہ کون سے حدود ہیں جن کے بعد عقل کی رہنمائی اور کارفرمائی ختم ہو جاتی ہے۔ کیا انسان کو عقل کے ذریعہ کائنات، خدا، اور روح وغیرہ کی حقیقت کا علم ہو سکتا ہے، مختصر یہ کہ کیا مابعد الطبیعات بہ حیثیت علم کے ممکن ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت عالم کا علم تو نہیں ہو سکتا لیکن بطور اعتقاد کے اس کے بارے میں ایک رائے قائم ہو سکتی ہے۔

فلسفۂ جدید میں جمالیات کے موضوع پر کانٹ نے سب سے پہلے ایک مکمل نظریہ پیش کیا۔ سوائے کانٹ کے ہر فلسفی نے اپنے جمالیاتی نظریات کی بنا مابعد الطبیعات پر رکھی ہے۔ سب سے مختلف کانٹ نے جمالیات کے مسائل کو بغیر مابعد الطبیعات کے متعین کیا ہے اور اپنی مشہور و معروف کتاب "تنقید تصدیق" (CRITIQUE OF JUDGMENT) میں

ان سوالات کا جواب دیا ہے۔ ہمارے اندر جو جمال کی طلب پائی جاتی ہے اس کے مقتضیات کیا ہیں؟ حسن کیوں متاثر کرتا ہے؟ اور حسن ہے کیا؟[۱]

۱۔ ڈاکٹر ہیرالڈ ہوفڈنگ، مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، تاریخ فلسفۂ جدید ج ۲ ص ۲۶۹، ۲۷۰۔
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ ص ۲۶۵، ۲۶۶۔

بانگ درا (طبع یازدھم مارچ ۱۹۴۷ء)

آفتاب

(صفحہ:۳)

(ترجمہ گائیتری)

"گائیتری": گائیتری کا منتر رگ وید کے تیسرے منڈل کے بھجن نمبر ۶۲ کے دسویں اشلوک میں آیا ہے۔ منتر کی اصل عبارت یہ ہے۔

"اوم بھو بھوا سوا تت سو تیر درے نیم بھرگو دیو وسیا دھی

ہی دھیو یونہا پر چودیات ـ"

ترجمہ :- وہ جو ساری کائنات کا خالق ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے جو ساری چمکدار اشیا کا خزانہ ہے نور کا منبع ہے۔ ہم اسی کا ذکر کرتے ہیں (اور اس سے دعا مانگتے ہیں کہ) وہ ہماری عقل کو راہ راست پر چلائے۔

گائیتری کی تشریح کے لئے اقبال کا مضمون درج ذیل ہے۔

"یہ اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں۔ جس کو گائیتری کہتے ہیں یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے جنہوں نے نظام عالم کے حیرتناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البنیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا۔ اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و النحل کے عالموں کے لئے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کے ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے۔

یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ اور جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارے اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں۔ جو لوگ محققین السنۂ شرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ سر ولیم جونز مرحوم کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت کرنی پڑی تھی۔ مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کئے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنۂ حال میں وضاحت کے ساتھ اس کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ سیوتر استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے لئے اردو لفظ نہ مل سکنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے لیکن اصل میں اس لفظ سے مراد اس آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب ضیا کرتا ہے۔ اکثر قدیم قوموں نے نیز صوفیہ نے اللہ تعالی کی ہستی کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے اللہ نور السموٰت و الارض اور شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے ایک نور ہے جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آتا۔ علیٰ ہذالقیاس افلاطون الہی کے مصری پیروؤں اور ایران کے قدیم انبیاء کا بھی یہی مذہب تھا۔

ترجمہ کی مشکلات سے ہر شخص واقف ہے۔ لیکن اس خاص صورت میں یہ دقت اور بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل الفاظ کی موسیقیت اور وہ طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے۔ اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ گائتری کے مصنف نے ملک الشعراء ٹینی سن مرحوم کی طرح اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں حروف علت اور صحیح کی قدرتی ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت

پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد اس سوکت (گفتار زیبا) پر رکھی ہے جس کو سریا نرائن اینشر میں گانیتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا ہے۔ ترجمہ کرنے کو تو میں نے کر دیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اس پر وہی رائے قائم کریں گے جو جیپ سن نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ گانیتری نہیں۔[۱]

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم   خلاف معنیٔ تعلیم اہل دیں میں نے

(صفہ ۸۱)

یہاں اشارہ مشہور فلسفی دیمقراطیس کی طرف کیا گیا ہے۔

دیمقراطیس (DEMOCRITUS) ۴۷۰ یا ۴۶۰ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے عہد کے دیگر فلسفیوں کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ دیمقراطیس اپنے عہد کا مشہور مفکر تھا۔ اس نے مشرق کی سیاحت بھی کی تھی۔ دیمقراطیس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ تعلیم دی کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں۔ دیمقراطیس کے نزدیک یہ عالم اجزائے لایتجزی کا مجموعہ ہے۔ جب یہ اجزا مختلف تناسب کے ساتھ ملتے ہیں تو مختلف قسم کے حقائق ظہور میں آتے ہیں۔ یہ اجزا مکان میں متحرک ہیں اور ہر وقت مسلسل حرکت میں ہیں۔ دیمقراطیس مادیین کا باوا آدم ہے۔[۲]

عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا   سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

(صفہ ۲۰۳)

سینا: سینا (AVICENNA) کا پورا نام ابو علی الحسین بن

---

[۱] مخزن۔ ماہ اگست ۱۹۰۲ء

[۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۷ صفہ ۱۸۷-۱۸۸

عبداللہ بن سینا تھا۔ مسلمان فلسفی اور طبیب ۹۸۰ء بمقام بخارا پیدا ہوا۔ اس نے کم عمری ہی میں علوم ریاضی و ادب میں مہارت پیدا کرلی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں بغداد میں شاہی طبیب ہوگیا تھا۔ ابو سینا کئی سلاطین کا طبیب رہا اور کچھ عرصہ ہمدان میں وزیر بھی رہا جہاں ۱۰۳۷ء انتقال کیا۔ اس کی تصانیف کی تعداد ۶ ۴ ہے۔ جن میں بعض کے نام یہ ہیں۔

کتاب لسان العرب دس جلدیں۔ المنطق بالشعر۔ عیون الحکمت اور کتاب الحواشی علی القانون۔ ابو سینا کو طب میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

ابن سینا کے فلسفہ میں واجب اور ممکن کی بحث خاص اہمیت رکھتی ہے جس پر اس نے اس کائنات اور اس کے خالق کے تعلقات کی بنا رکھی ہے۔ وہ مظاہر عالم سے حقیقت عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور علمیات اور مابعد الطبیعات میں ایک خاص مقام رکھتا ہے جو یونانی فلاسفہ کو یکسر نہ اسکا کیونکہ یونانی فلاسفہ کی حیثیت یا تو عقلیں (RATIONALISTS) کی ہے یا حسیین (EMPIRICISTS) کی ہے۔ افلاطون اور ارسطو دونوں عقلین ہیں[1]

"فارابی"۔ فارابی کا پورا نام محمد بن محمد طرخان ابو نصر الفارابی ہے۔ فارابی دنیائے اسلام کے مشاہیر فلاسفہ میں تھا۔ اس نے ایک کتاب افلاطون و ارسطو کے مقاصد پر الجمع بین الرائیں کے نام سے لکھی جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فارابی کتنا بڑا فلسفی اور محقق تھا۔ اس نے ارسطو کی ہر کتاب پر تبصرہ کیا ہے۔ اور علم الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے علم طبیعی سے مدد لی ہے۔ الغرض فارابی کی یہ کتاب اس موضوع پر بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ فارابی نے دو اور کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک السیاستہ المدنیہ

---

[1] جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف القفطی۔ تاریخ الحکما اردو صفحہ ۵۳۱ - ۵۵۰

ہے اور دوسری کا السیرۃ الفاضلہ ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ارسطو کے علم الٰہی پر فاضلانہ بحث کی ہے۔ فارابی ترکی کے ایک شہر فاراب میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے فارابی کہلایا۔ اس کا انتقال دمشق میں ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں ہوا۔

جن لوگوں نے فارابی کے نفسیات کے مباحث کا مطالعہ نہیں کیا صرف وہی یہ رائے رکھ سکتے ہیں کہ نفسیات کو بہ حیثیت ایک مدون علم کے جدید فلاسفہ ہی نے مدون کیا ہے۔ لیکن فارابی کے مباحث دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اس دور میں بھی نفسیات کے مسائل کو بطور علمی مسائل متعین کر کے حل کرنا چاہتا ہے۔[۱]

---

[۱] جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی۔ تاریخ الحکما اردو صفحہ ۳۷۵-۳۷۸۔

زبورِ عجم

(طبع چہارم ۱۹۴۸ء)

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را
جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی

(صفہ ۳۸)

"مشائی اشراقی"۔ مشائیت کا بانی ارسطو ہے۔ مشائیت کی اصطلاح ارسطو کے طریق تدریس سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ٹہلتا جاتا تھا اور درس دیتا جاتا تھا۔ لیکن مشائیت کا فلسفیانہ پہلو یہ ہے کہ اس میں محسوس کی حقیقت سمجھنے اور کائنات کے اسی پہلو کو موضوع فکر بنانے اور سمجھنے کی سعی ہے جس پر محسوس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اشراقیت کی مدون صورت تو فلاطونس (PLOTINUS) کی جدوجہد سے قائم ہوئی۔ لیکن اس کے رجحانات افلاطون اور ماقبل افلاطون عقلیں مثلاً فیثاغورث میں بھی موجود تھے۔ اشراقیت کا اصول یہ ہے کہ انسان میں وجدان ہی وہ استعداد ہے جس سے وہ حقیقت حقہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ استعداد ریاضات اور مجاہدات سے جلا پاتی ہے، اور ماورائی حقائق کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ طریق فکر کے اعتبار سے اس اعتقاد کا نام ہے کہ ذریعۂ علم حقیقت وجدان ہے اور نظریاتی اعتبار سے ایک اشراقی وحدت الوجود کے نظریہ کو ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اختیار کرنا منتہائے کمال سمجھتا ہے۔[۱]

در آں عالم کہ جزو از کل فزوں است
قیاس رازی و طوسی جنوں است

(صفہ ۲۱۶)

"رازی" نام محمد کنیت ابوالفضل اور لقب فخر الدین تھا۔ امام رازی

۱؎ عمر بن محمد السہروردی۔ مترجم مولوی مرزا محمد ہادی۔ حکمۃ الاشراقی۔

۵۴۴ھ (۱۱۵۰ء) میں بمقام رے جو طبرستان میں واقع ہے پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے رازی کہلائے۔ ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) میں وفات پائی۔ ان کی ذات میں خدا نے علم دولت عزت اور شہرت چاروں چیزیں جمع کردی تھیں اور یہ اجتماع شاذ و نادر ہی ایک جگہ ملتا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر اور شرح اشارات۔

امام رازی کی حیثیت ایک جامع العلوم مذہبی مفکر کی ہے اور ان کی خاص تصنیف تفسیر کبیر ہے جس میں وہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے مسائل پر بحث کرتے ہیں۔ ان کے نظریات میں خاص پہلو یہ ہے کہ وہ جبر کے قائل ہیں اور کلام میں امام اشعری کے متبع ہیں۔ امام رازی کو رئیس المتکلمین کہا گیا ہے[۵]

"طوسی" نصیر الدین طوسی ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء کو بمقام طوس پیدا ہوئے اور ۲۶ جون ۱۲۷۴ء کو بغداد میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ انہیں مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ خاص کر ہیئت اور فلسفہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ طوسی کی تصانیف کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی بعض کتابیں آج تک درس میں داخل ہیں۔ طوسی نے اقلیدس کا ترجمہ جو یونانی زبان میں تھی عربی میں کیا۔ انہوں نے عربی کی ایک کتاب الطہارت فی الحکمت عملی کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اخلاق ناصری کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ طوسی نے علم ہیئت کے متعلق کچھ نقشے بھی تیار کئے تھے جو زیج ایلخانی کہلاتے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔ اوصاف الاشراف اور بحر المعانی۔

---

[۵] مولانا عبد السلام ندوی۔ امام رازی

طوسی کا کہنا ہے کہ ان کا شیوہ بجز ارسطو کی ترجمانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس اعتراف کے پیش نظر ان کے محقق ہونے کی شہادت مہیا کرنا ایک غیر ضروری تکلف معلوم ہوتا ہے۔[۱]

زمانے با ارسطو آشنا باش   دمے باساز بیکن ہم نوا باش

(صفحہ ۲۱۸)

"ارسطو"۔ ارسطو (ARISTOTLE) ۳۸۴ ق م میں یونان کی ایک نو آبادی میں پیدا ہوا۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں اتینیہ (ATHENS) آگیا تھا۔ تین سال کے بعد افلاطون کی شاگردی اختیار کی۔ اس نے اتینیہ میں بیس سال قیام کیا اور ایک اسکول قائم کیا۔ افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو کو اتینیہ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر چھوڑنا پڑا۔ ۳۴۲ ق م میں ارسطو کو مقدونیہ کے بادشاہ نے اپنے لڑکے سکندر کی تربیت کے لئے طلب کیا۔ سکندر ارسطو کی شاگردی میں تقریباً تین سال رہا۔ اور یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا جب کہ ۳۳۴ ق م میں سکندر نے ایشیا پر حملہ کی تیاری کی۔ ارسطو نے ۶۲ سال کی عمر میں ۳۲۲ ق م میں انتقال کیا۔

ارسطو افلاطون کا شاگرد رشید، سکندر اعظم کا نامور استاد، مدرسہ مشائیت (PERIPATETIC SCHOOL) کا بانی، جملہ فنون کا مدون ہے۔ کے نزدیک اخلاق کا معیار افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال ہے۔ اس نظریہ نے فکر مابعد کو اس درجہ متاثر کیا ہے کہ مسلمان فلاسفہ بلکہ دوسرے اہل علم بھی اعتدال ہی کو معیار اخلاق سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ کسی طرح

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۹۸۰-۹۸۱

E.D. BROWN - A LITERARY HISTORY OF PERSIS, VOL. II PP 485-486.

متعین نہیں ہو سکتا کہ افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کہاں ہے اس لحاظ سے یہ معیار بھی قابل قبول نہیں اور جہاں تک فضائل اخلاق کی تقسیم کا تعلق ہے وہ بھی انسانی نفس کے نفسیاتی تجزیہ پر مبنی ہے۔ مثلاً شجاعت کا تعلق ارادہ سے اور عفت کا جذبات سے اور حکمت کا فہم سے عدالت کا ان سب سے ہے۔ لیکن شجاعت ایک ملکہ ہے اور ایک شخص بالطبع بہادر یا بزدل ہو سکتا ہے۔ جس میں اس کے ارادہ کو دخل نہ ہو اور ہم اس کی بزدلی کو اخلاقی رذیلت قرار نہیں دے سکتے۔[1]

"بیکن" فرانسس بیکن (FRANCIS BACON) ۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں جس طرح عروج حاصل کیا اسی طرح اس کا زوال بھی دیکھا۔ ۱۹ اپریل ۱۶۲۶ء کو جب بیکن کا انتقال ہوا تو وہ بہت مقروض تھا حالانکہ اس سے قبل وہ بڑے سے بڑے منصب پر فائز رہ چکا تھا۔ ۱۶۰۵ء میں بیکن نے اپنی کتاب (ADVANCEMENT OF LEARN) شائع کی۔ اس کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں (HISTORY OF HENRY VII, MAXIMS OF THE LAW، اور READING ON THE STATUTE OF USES)

بیکن سائنٹفک طریق تحقیق استقرا کا بانی متصور ہوتا ہے۔ یہ طریق کلاسیکل طریق فکر کا جو محض نظری ہے رد عمل ہے۔ انسان کی فکر پر چار بتوں کی پرستش اس طرح حاوی ہے کہ اس کی آزادی سلب ہو گئی ہے۔ عمل استقرا کا منشا ان بتوں کو توڑ کر فکر انسانی کو آزاد کرنا ہے۔ وہ بت حسب ذیل ہیں۔

---

[1] ول ڈوران۔ مترجم مولوی احسان احمد۔ حکایت فلسفہ صفحہ ۷۴۔ ۱۲۹۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ صفحہ ۳۴۹۔ ۳۵۵

(۱) THE IDOLS OF TRIBE یہ وہ تعصبات ہیں جو نسل وقوم، مرز و بوم کے متعلق ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور اور ہماری فکر کی آزادی کو سلب کئے ہوئے ہیں۔

(۲) THE IDOLS OF THE CAP سے مراد شخصی تعصبات جو مخصوص تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتے ہیں یا اس کے خاص افتاد مزاج پر مبنی ہیں۔

(۳) THE IDOLS OF MARKET PLACE سے مراد وہ غلط فہمیاں ہیں جن کی جڑیں زبان میں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کے لئے الفاظ ان کا واقعی وجود بھی ہے۔ بہت سے پادر ہوا تجریدات تعریفات اور قیاسات بے بنیاد پر ایمان لانا اسی بت کی پوجا ہے۔

(۴) THE IDOLS OF THE THEATRE۔ رسوم و روایات کی کورانہ تقلید جس میں قدیم حکما کے اقوال و نظریات پر آنکھ بند کرکے ایمان لانا بھی شامل ہے۔

یہ سب خرابیاں قیاسی طریق فکر سے جس کا ارسطو موجد تھا پیدا ہوتی ہیں۔ جس میں کچھ مقدمات تسلیم کرکے ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اس غیر صحت بخش رجحان کا واحد علاج استقرا ہے۔[۱]

دگر از شنکر و منصور کم گوئے! خدا را ہم براہ خویشتن جوئے

(صفحہ ۲۳۸)

"شنکر" مراد شنکر آچاریہ سے ہے۔

شنکر ادیشنوی فرقہ کا بانی اور ویدانت فلسفہ کا گرو تھا اس کے ایک شاگرد نے اس کے متعلق ایک مشہور کتاب شنکر ادیجے لکھی ہے۔

---

[۱] ڈاکٹر ہیرلڈ ہفڈنگ۔ مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم۔ تاریخ فلسفۂ جدید۔ ج ۱ صفحہ ۲۰۷ - ۲۴۰

شنکرا کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس نے بھگوت گیتا اور مہا بھارت پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔ اس کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات میں مورخین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ سر آر جی۔ بھنڈارکر کا کہنا ہے کہ شنکرا ۶۸۰ء میں پیدا ہوا اور پروفیسر میکڈونل نے اس کی تاریخ پیدائش ۷۸۸ء اور تاریخ وفات ۸۲۰ بتائی ہے۔

شنکرا ہمہ اوست کے نظریہ کا مفسر ہے لیکن ہمہ اوست سے دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ کثرت ہی جس میں وحدت ظاہر ہوگئی ہے حقیقت ہے اور وحدت کا وجود کثرت کے ماورا نہیں اور دوسرے یہ کہ چونکہ کثرت کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ کثرت میں وحدت کے ظہور سے وجود پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا کثرت نمود محض ہے اور حقیقت وحدت ہی ہے۔ شنکرا کو دوسرے پہلو پر اصرار ہے لہٰذا کثرت کو نمود بے بود کہنے پر مصر ہے۔[1]

---

(1) DR. S. RADHAKRISHNAN THE VEDANTA ACCORDING TO SEHIKARA AND RAMANUJA PP 11-22 ;
DR. S RADHAKRISHNAN — THE HINDU VIEW OF LIFE.

جاوید نامہ (طبع دوم ۱۹۴۷ء)

عارف ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل ہند او را "جہاں دوست" می گویند (صفہ ۳۲)

جہاں دوست کا اشارہ وشوامتر کی طرف ہے۔

وشوامتر ایک صاحب باطن بزرگ کا نام ہے اس کے باپ کا نام گادھی تھا اور وہ نسلی اعتبار سے کھتری تھا۔ ایک روز وہ شکار میں مصروف تھا کہ شکار کھیلتے کھیلتے ایک خدارسیدہ وششٹھا نامی بزرگ کے پاس پہنچا۔ وششٹھا کے پاس ایک بہت دودھ دینے والی گائے تھی وشوامتر نے اس گائے کی قیمت ایک زر کثیر دینا چاہی لیکن وششٹھا نے اسے دینے سے انکار کیا۔ وشوامتر نے اسے بجبر لینا چاہا۔ گائے کے حصول کے لئے وشوامتر کو وششٹھا سے لڑنا پڑا اس لڑائی میں وشوامتر کو بری طرح شکست ہوئی اسے اس شکست سے بڑی تکلیف پہنچی اور اس طرح وہ ایک برہمن کی غیر معمولی طاقت کا معترف ہوگیا۔ وشوامتر نے سخت ریاضات و مجاہدات کے لئے اپنی ذات کو وقف کردیا اور عزم کیا کہ جب تک وہ راج رشی رشی، مہارشی اور برہم رشی کے معزز القاب حاصل نہیں کرتا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وشوامتر نے اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ خود وششٹھا نے اسے برہم رشی کہہ کر پکارا۔ یہ سب کچھ اس نے ایک طویل مدت کے مجاہدات و ریاضات کے بعد حاصل کیا۔

وشوامتر رام کا استاد اور رفیق تھا۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اقبال کو وشوامتر (کنادرشی) کا اثبات خودی پر اصرار کرنے کا رجحان پسند آیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے وشوامتر کا

ذکر کیا ہے۔ وشوامتر کو اصرار ہے کہ برہمنیت کے تمام روحانی کمالات غیر برہمن کو بھی صرف ذاتی جدوجہد اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے فلسفہ کا یہی پہلو ہے جس کو مرکنڈ یا پران میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی زندگی سے جو قصہ کہانی وابستہ ہیں ان سے بھی یہ رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے اسی پہلو کو اپنے نظریۂ خودی کی تائید میں کنادرشی کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔

---

(1) THE ENCYCLOPAEDIA INDICA (HINDI EDITION) CALCUTTA, 1930, VOL. 21 PP 637-646

THE PRACTICAL SANSKRIT ENGLISH DICTIONARY, GOPAL NARAYAN & CO, BOMBAY, 1912 PP 845-846

ضربِ کلیم

(طبع ششم مئی ۴۶ ۱۹ء)

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود!

(صفہ ۶۶)

اس شعر میں اسپنوزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"اسپنوزا" (بینی ڈکٹس ڈی اسپنوزا (BENEDICTUS DE SPINOZE)

۲۴ر نومبر ۱۶۳۲ء کو پیدا ہوا۔ یہ ایک متمول خاندان کا فرد تھا۔ لاطینی جرمن فرنچ اٹالین اور ڈچ زبانیں جانتا تھا۔ بمشکل اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اسے والد کے انتقال کے بعد مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۴۴ سال کی عمر میں اسپنوزا نے ۲۰ر فروری ۱۶۷۷ء کو انتقال کیا۔

اسپنوزا دورِ جدید میں ڈیکارٹ کی طرح عقلیت کا علمبردار ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ عقل نظری اور خالصتہً عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا ادراک کما حقہ ہوسکتا ہے۔ اسپنوزا کو اپنے پیشرو ڈیکارٹ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ ڈیکارٹ تو دو جواہر یعنی مادہ اور نفس کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور اسپنوزا ایک ہی جوہر یعنی خدا کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور مادہ اور نفس کو اس جوہر اصلی کے تعینات سے تعبیر کرتا ہے۔[۱]

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۱ صفہ ۲۳۱-۲۲ طبع ۱۹۵۰ء

ارمغان حجاز (طبع سوم نومبر ۱۹۴۶ء)

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم دل جنید و نگاہ غزالی و رازی

(صفہ ۲۷۱)

"غزالی" محمد ابن محمد ابو حامد الغزالی، فلسفی، متکلم اور صوفی ۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے۔ اور جارجان اور نیشاپور وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۰۹۰ء میں نظام الملک نے اپنے کالج کا بغداد میں مدرس مقرر کیا۔ یہاں انہوں نے اسمعیلیون کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ لیکن چار سال کے بعد انہوں نے دفعتہً درس و تدریس کا سلسلہ ترک کر دیا اور اہل و عیال کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ بعد ازاں وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ انہوں نے مختلف مقامات کی سیاحت کی جن میں مکہ، مدینہ، اسکندریہ، دمشق وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۶۹ بتائی جاتی ہے۔ جن میں احیا العلوم۔ میزان العمل۔ کیمیائے سعادت۔ مقاصد الفلاسفہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ انتقال ستمبر ۱۱۱۱ء میں کیا۔

غزالی کی رائے یہ ہے کہ جس طرح حواس حقیقت کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتے اسی طرح عقل بھی بیکار ہے اور صرف وجدان ہی سے حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ اس طرح امام غزالی کے فکر نے متصوفانہ فلسفہ کی اساس مہیا کی۔ اس نتیجہ تک پہنچنے میں امام غزالی نے بہت سے فلسفیانہ نتائج کی تنقید کی اور بتایا کہ عقل نظری حقیقت کو نہیں پا سکتی۔ ان کی کتاب تہافتہ الفلاسفہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ ایک طرف تو اس میں فلسفیانہ نتائج کی تنقیص و تردید کی گئی ہے اور فلاسفہ

کی نارسائی کو واضح کیا ہے. دوسرے اس اعتبار سے کہ تہافتہ الفلاسفہ سے ابن رشد کو تہافتہ التہافتہ لکھنے کی ترغیب ہوئی. جس میں پھر فلسفیانہ نتائج افکار کو صحیح ثابت کرنے کی اور امام غزالی کے اعتراضات کو رد کرنے کی سعی کی گئی ہے۔[1]

---

[1] شبلی. الغزالی
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج۔۱۰ صفحہ ۳۲۱-۳۲۲

باب پنجم

تاریخی تلمیحات

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

اسرار خودی

دختر سردار طے آمد اسیر　　در مصافے پیش آں گردوں سریر

(صفحہ ۲۰)

"دختر سردار طے" یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے رؤسا زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے اور ان کے حدود حکومت الگ الگ تھے۔ عدی مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار مذہباً عیسائی تھے۔ سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں اور اپنی رہائی کے لئے اپنے والد حاتم طائی کی شہرت اور ناموری کی سفارش پیش کی۔ رسول کریم صلعم نے حاتم طائی کی منزلت کا لحاظ فرما کر ان کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا۔ اور انہیں آزاد کر کے رخصت کیا۔ یہ واقعہ ۹ھ (۶۳۰ء) کا ہے[1]

عالمے سرخوش ز تاک شافعی　　سبز بادا خاک پاک شافعی (صفحہ ۰۰)

"شافعی" امام شافعی کا نام محمد کنیت ابو عبد اللہ لقب ناصر الحدیث ہے۔

---

[1] شبلی۔ سیرۃ النبی ج ۲ صفحہ ۴۲ طبع چہارم اعظم گڑھ

ان کے جد اعلیٰ شافع بن السائب تھے۔ اسی نسبت سے شافعی کہلاتے تھے۔ امام شافعی کا نسب چند پشتوں کے بعد جا کر رسول کریمؐ سے مل جاتا ہے نسب کے لحاظ سے جو بڑی سے بڑی بزرگی اور شرافت حاصل ہو سکتی تھی وہ امام شافعی کو بوجہ قریشی ہونے کے پوری طرح حاصل تھی۔ توالی التاسیس میں ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں بمقام غزہ پیدا ہوئے۔ اس سال حضرت امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا۔ امام شافعی اہل سنت الجماعت کے چار مشہور اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ فن حدیث میں ان کے دو مجموعے "مسند" اور "سنن" مشہور ہیں۔ فقہ میں الفقہ الاکبر ان کی ایک مستند کتاب ہے۔ ملک بن محوس سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ آپ کو عربی ادب پر بھی بڑا عبور تھا۔ شافعی مذہب کے پیرو خراسان میں بہت زیادہ ہیں۔ مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ (۲۰ جنوری ۸۳۰ء) کو ۵۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔[۵۱]

فکر او کوکب زگردون چیدہ است	سیف براں وقت را نامیدہ است

(صفحہ ۸۰)

۱۳۰ اس شعر میں حضرت امام شافعی کے مقولے الوقت سیف قاطع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہوں نے صوفیہ سے سیکھا۔

کان یقول استفدت من الصوفیۃ کلمتین شریفین الوقت سیف۔[۵۲]	(امام شافعی) کہا کرتے تھے کہ میں نے صوفیہ سے دو عمدہ باتیں سیکھی ہیں کہ وقت ایک تلوار ہے۔

۵۱۔ مولانا نجم الدین سیوہاروی۔ سیر الشافعی۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۲۵۲۔ ۲۵۴۔

۵۲۔ امام رازی۔ فضائل شافعی قلمی ورق ۶۶۔ ۶۷۔

قال الشافعی رضی اللہ عنہ صحبت الصوفیۃ فلم استفد منھم سوی حرفین احدھما قولھم الوقت سیف فان لم تقطعہ قطعک وذکر الکلمۃ الاخری ونفسک ان شغلتھا بالحق والا شغلتک بالباطل۔ ؎

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں صوفیوں کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے دو باتیں حاصل کیں ایک تو یہ کہ ان کا مقولہ ہے کہ وقت تلوار ہے اگر تم اس کو نہ کاٹوگے تو وہ تمہیں کاٹ دے گا اور دوسری بات یہ کہ اگر نفس کو حق کے ساتھ مشغول نہ کروگے تو وہ باطل کے ساتھ مشغول ہوجائیگا۔

رموزِ بیخودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

شاہ عالمگیر گردوں آستاں   اعتبارِ دودمانِ گورگاں

(صفحہ ۱۱۲)

"عالمگیر" - نام محی الدین محمد اورنگ زیب، کنیت ابو المظفر اور لقب عالمگیر تھا۔ شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا۔ تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ صحیح تاریخ پیدائش ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ء) ہے۔ عالمگیر ۱۶۵۷ء میں تخت نشین ہوا۔

عالمگیر تفسیر حدیث اور فقہ کا جید عالم تھا حافظ قرآن بھی تھا۔ اور کامیاب انشاء پرداز بھی۔ ترکی اور ہندی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا۔

جادو ناتھ سرکار کے الفاظ ہیں "فتاوائے عالمگیری ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ ہے۔ جس نے بعد کے عہد میں ہندوستان میں اسلامی نظام عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا" (ج ۵ صفحہ ۴۷۴)

عالمگیر کے عہد میں شریعت کے مطابق جو اصلاحات عمل میں آئیں ان میں سے چند یہ ہیں رقص و سرود کا انسداد، محتسب کا تقرر، نشہ آور اشیا کا استعمال موقوف، شرعی وکیل کا ممالک محروسہ کی عدالتوں میں تقرر اور سلام مسنون کا جاری ہونا۔ عالمگیر کا انتقال ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) میں ہوا۔[۱] اس کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔[۲] گورگان تیمور کا لقب ہے۔

(1) THE COMBRIDGE HISTORY OF INDIA, VOL. IV PP 281-318. S.M. JAFFAR, THE MUGHAL EMPIRE

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ صفحہ ۶۹۴، سید صباح الدین عبدالرحمٰن - بزم تیموریہ صفحہ ۲۹۴-۲۲۲

جس کے معنی لائق عیش و عشرت ہیں۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید | باز اندر فطرت دارا دمید
(صفحہ ۱۱۲)

"اکبر" مراد شہنشاہ اکبر ہے۔

جلال الدین محمد اکبر ۱۵ر اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امر کوٹ میں پیدا ہوا اس کا سال وفات ۱۶ر اکتوبر ۱۶۰۵ء ہے۔ اکبر کے کارنامے تاریخ میں جلی حروف میں ملتے ہیں۔ اس کے عہد کی تاریخ خود اس کے وزیر ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئین اکبری میں محفوظ کر دی ہے۔ ان کتابوں میں اکبری عہد کے کارنامے بڑی تفصیل سے درج ہیں۔

اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے مذہبی خیالات ابتدا میں بڑے راسخ تھے اور اس کو صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے کئی مرتبہ اجمیر کا سفر پاپیادہ کیا۔ تخت نشینی کے بعد تقریباً بیس سال تک یہ حالت رہی۔ بعد ازاں اکبر لامذہبیت کی طرف مائل ہوتا گیا اور ایک نیا مذہب دین الٰہی کے نام سے ایجاد کیا۔ لیکن یہ مذہب عوام میں مقبول نہیں ہوا۔ اکبر کا مسلک یہ تھا کہ انسان خدا کی عبادت اس علم کے موافق کرے جو اس کو اپنی عقل سے حاصل ہوا او، عافیت کی مسرت حاصل کرنے کے لئے انسان کو اپنی نفسانی خواہشوں پر غالب آنا چاہیئے۔ اسے وہ کام کرنا چاہیئے۔ جس سے دوسرے انسانوں کا بھلا ہو۔ ظاہری پرستش کے واسطے اس کے نزدیک ستاروں اور آگ کی عظمت میں وہ علامتیں مضمر ہیں جو انسان کے دل کو خدا کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ یہ اکبری مسلک اختصار کے ساتھ الفنسٹن کی تاریخ ہند سے ماخوذ ہے۔

اکبر کے مذہبی خیالات کو ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی مشہور تصنیف منتخب التواریخ میں نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور جو لوگ

اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کا باعث ہوئے تھے ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق اور بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں۔

اکبر نے دین الٰہی مذہب اختیار کرنے کے بعد تقریباً تمام اسلامی شعائر ترک کر دیئے تھے۔ اور وہ رسوم اختیار کر لی تھیں۔ جو سراسر غیر اسلامی تھیں۔ مثلاً صبح اٹھ کر درشن کرانے کی غرض سے جھروکے میں بیٹھنا، سورج کی پرستش کرنا، بادشاہ کو سجدہ جائز قرار دینا، گائے کی قربانی بند کرانا وغیرہ[1]

"دارا" مراد داراشکوہ ہے۔

داراشکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا لڑکا ممتاز محل کے بطن سے تھا۔ تاریخ پیدائش ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء ہے۔ دارا ۲۹ اگست ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب کے حکم سے قتل کیا گیا۔ اس کے قتل کی وجہ اس کا حدود اسلام سے باہر ہونا قرار دیا گیا ہے۔ اس نے تصوف کو بھی بہت بدنام کیا۔

علمی حیثیت سے تیموری شہزادوں میں داراشکوہ ایک بلند مقام پر فائز نظر آتا ہے۔ وہ ایک باکمال مصنف، شاعر اور خطاط تھا۔ اس کو شروع میں تصوف اور بعد میں ہندو مذہب سے گہرا شغف ہو گیا تھا۔ آخر کار وہ صحیح اور خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف اور پھر ہندو مذہب کی طرف مائل ہو گیا۔

داراشکوہ کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں سفینۃ الاولیا جو کہ اس کی پہلی تصنیف ہے بہت مشہور ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت دارا حنفی المذہب تھا۔ اور تصوف میں سلسلہ قادریہ

---

(1) THE CAMARIDGE HISTORY OF INDIA, VOL IV PP. 119-123 AND

سے متوسل۔ آگے چل کر اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہو گئی۔ اس کی دوسری کتاب سکینۃ الاولیا ہے۔ ایک رسالہ رسالہ حق نما کے نام سے بھی اس کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ حسنات العارفین یا شطحیات اس کی چوتھی تصنیف ہے۔ دارا کی پانچویں تصنیف مجمع البحرین ہے۔ اس کتاب میں دارا نے اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفۂ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا اور کوئی فرق نہیں۔ توحید کے پرستار ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ آگے چل کر اس کے یہی عقائد اس کے زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے۔

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہیں۔ اس کے بعد زیادہ تر اس نے ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کئے یا کرائے۔ سرِ اکبر او پنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے جو دارا شکوہ نے ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ء) میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا۔ اس کتاب میں بسم اللہ کے بجائے گنیش کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن یہی ہے۔ (نعوذ باللہ)[1]

شد اسیر مسلکے اندر نبرد　　قائدے از قائدان یزدجرد

(صفحہ ۱۲۱)

"یزدجرد" (YEZDIGERD) یہاں یزدجرد سوم کی طرف اشارہ ہے۔ یزدجرد سوم شہریار کا بیٹا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تخت نشین

---

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم تیموریہ صفحہ ۳۹۶۔ ۱۷۸

اقبال نے اکبر کی لامذہبیت کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ کس طرح وہ تیسری پشت میں دارا پر اثر انداز ہوئی اور کس طرح اکبر اور دارا نے ہند میں کفر کو فروغ دیا۔

یزدجرد سوم شہریار کا بیٹا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تخت نشین ہوا اور ۹ سال حکومت کی۔ یزدجرد نے مسلمانوں کو شکست دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن وہ خود ہر مقابلے میں شکست کھاتا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا۔ اس کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہر مقام پر شکست ہوئی اور شکست کے بعد وہ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر پناہ گزین ہوتا رہا۔ خود کبھی شریک جنگ ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔ ۶۵۱ء یا ۶۵۲ء میں کسی نے اس کو قتل کردیا۔ اس کے بعد ساسانی خاندان ختم ہوگیا۔ چونکہ یزدجرد سوم کے بعد ایران کا کوئی ساسانی بادشاہ نہیں ہوا اس لئے زرتشتیوں نے اس کے جلوس کے وقت سے اب تک سالوں کا شمار جاری رکھا ہے جس کا نام تقویم یزدجردی ہے اور یہ تقویم ۱۶ جون ۶۳۲ء سے شروع ہوتی ہے۔[۱]

چوں درفش کاویانی چاک شد آتش اولاد ساسان خاک شد

(صفحہ ۱۳۲)

"درفش کاویانی": ایرانی علم کا نام۔

۶۳۶ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں عربوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کا مقابلہ کیا تین دن تک لڑائی ہوتی رہی جس میں آخر کار ایرانیوں ہی کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں درفش کاویانی عربوں کے ہاتھ لگا۔

اہل ایران اس جھنڈے کے متعلق یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس وقت دنیا میں ضحاک کی ظالمانہ حکومت کے ہزار برس گذر گئے تو ایک آہن گر نے جس کا نام کاوہ تھا اپنا چمڑے کا پیش بند ایک نیزے کے سر پر

---

[۱] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۶۷۳ تا ۶۸۸
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ صفحہ ۸۸۱ طبع چہارم دہم

SIR PERCY SYKES, A HISTORY OF PERSIA,

VOL. I PP. 489-502

باندھا اور اس جھنڈے کے ساتھ بغاوت کا اعلان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم بادشاہ ضحاک کو شکست ہوئی اور نوجوان شہزادہ فریدوں جو قدیم شاہی خاندان سے تھا۔ تخت نشین ہوا۔ اس وقت سے یہ جھنڈا جو کاوگ (کاوہ) کے پیش بند کا بنا ہوا تھا شاہان ایران کا جھنڈا قرار پایا اور اسی آہن گر کے نام پر اس کا نام "درفش کاویانی" رکھا گیا۔ اہل ایران اس جھنڈے کی اس روایت کو قدیم اساطیری تاریخ کے ساتھ وابستہ کرتے تھے۔ اس مشہور و معروف جھنڈے کا وصف، بہت سے عربی اور فارسی مصنفوں نے جن میں طبری، بلعمی، مسعودی خوارزمی اور ثعالبی شامل ہیں بیان کیا ہے اس کی بعض خصوصیات فردوسی نے بھی بتائی ہیں۔

مسعودی کے بیان کے مطابق یہ جھنڈا قادسیہ کی جنگ میں ایک عرب کے ہاتھ لگا جس کا نام ضرار بن الخطاب تھا۔ اس نے اس کو تیس ہزار دینار میں فروخت کر ڈالا۔ حالانکہ اس کی قیمت بارہ لاکھ دینار سے کم نہ تھی۔ برخلاف اس کے ثعالبی نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے "اس کو یزدجرد کے دوسرے جواہرات اور خزانوں کے ساتھ جو خدا نے مسلمانوں کو نصیب کئے تھے شامل کر دیا اور اس قسم کی قیمتی چیزوں کے ساتھ حضرت عمر کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس کو نیزے سے اتار کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔[۵]

گرچہ جاباں دشمن مابودہ است   مسلے اور اااں بخشودہ است

(صفحہ ۱۳۳)

---

[۵] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم: ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۶۷۷، ۶۸۱

SIR PERCY. SYKES- A HISTORY OF PERSIA, VOL. 1 PP. 134-135

"جابان"۔ ایرانی فوج کا سردار تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا۔ دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کرکے تمام اختیارات سونپ دیئے اور تمام امراء و اعیان سلطنت کو تاکید کی کہ وہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ پوران دخت نے ایک فوج گراں رستم کی اعانت کے لئے تیار کی جس کا نرسی و جابان (JAPAN) کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر حضرت ابو عبیدہؓ نے اسلامی فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا اور پیش قدمی کرکے خود حملے کے لئے بڑھے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہوئے۔ ان میں سے ایک اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جاپان نے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں مجھ کو چھوڑ دو اور معاوضہ میں مجھ سے دو جوان غلام لو، اس نے منظور کیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا اور غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہئے لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں ہے[1]

ساخت آن صنعت گر فرہاد زاد مسجدے از حکم سلطان مراد

(صفحہ ۱۲۳)

"سلطان مراد"، اشارہ ہے شہنشاہ مراد اول عثمانی کی طرف۔

---

[1] شبلی۔ الفاروق صفحہ ۵۵ – ۵۶

مراد کا عہد حکومت تاریخ آل عثمان کے اہم ترین عہدوں میں ہے۔ مراد نے تیس سال تک حکومت کی ان میں سے چوبیس سال میدان جنگ میں صرف کئے اور ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ اس کا عہد حکومت ۱۳۵۹ء سے ۱۳۸۹ء تک رہا۔ اس سے پہلے ترکوں کا مقابلہ یورپ کی قوموں میں سے صرف بازنطینیوں سے ہوا تھا جن کی سلطنت اپنے زوال کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی لیکن مراد کی ظفریاب فوجیں ان ملکوں میں پھیل گئیں جو یورپ کے نہایت طاقتور قوموں کے زیر نگیں تھے اور بلغاریہ، سرویا اور بوسینیا پر دولت عثمانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ مراد کی فتوحات نے سلطنت عثمانیہ کے دائرہ اقتدار کو دریائے ڈینوب تک پہنچا دیا۔ مراد کا عہد حکومت اپنے کارناموں کے اعتبار سے محمد فاتح اور سلیمان اعظم کے عہد حکومت سے کم نہیں۔

مراد نے مسیحی علاقے فتح کئے اور ان میں اسلامی حکومت بھی قائم کی لیکن عیسائیوں کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی برخلاف اس کے انہیں پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ گبنس نے مراد کے کارناموں کو بہت سراہا ہے۔[1]

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ۔۔۔ ایں دو قوت از حیات آید پدید

(صفحہ ۱۲۸)

"فرعون" قدیم مصری بادشاہ جن کے اٹھارہ خاندان مصر پر حکمراں

---

(1) E.S. CREASY – HISTORY OF THE OTTOMAN TURKS PP 34–50 MARK SYKES THE CALIPHS' HERITAGE PP. 281–283.

ڈاکٹر محمد عزیز: دولت عثمانیہ ج ا صفحہ ۳۹، ۵۰

پیام مشرق صفحہ ۷ پر اس شعر میں بھی اشارہ مراد اول ہی کی طرف ہے۔

قاید ملت شہنشاہ مراد ۔۔۔ تیغ او را برق و تندر خانہ زاد

رہے فراعنہ کہلاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں بھی مصر پر ایک فرعون ہی کی حکومت تھی۔ بعض فراعنہ بڑے جلیل القدر اور بعض بڑے ظالم گذرے ہیں۔ اہرام مصر انہیں فراعنہ کی یادگار ہیں۔[۵۱]

" شبیر": نام حسین و شبیر، کنیت ابو عبداللہ، لقب ریحانۃ النبی ہے۔ رسول کریم کے نواسے اور حضرت علی کے فرزند اصغر تھے، ولادت جنوری ۶۲۶ء میں مدینہ میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ کے بعد جب ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت امام حسین سے اپنی بیعت چاہی۔ آپ نے انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر شخص تھا۔ حضرت امام حسین ۶۰ھ (۶۸۰ء) میں مع اہل و عیال کے مکہ تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر اہل کوفہ کی طرف سے متعدد خطوط پہنچے کہ آپ یہاں آکر ہمیں یزید کے مظالم سے بچائیے اور اپنی بیعت سے مشرف کیجیے۔ آپ کوفیوں کی دعوت پر مع اپنے جاں نثاروں اور اہل و عیال کے جو بہتر افراد پر مشتمل تھے کوفہ روانہ ہو گئے۔ آپ کو وہاں پہنچ کر اہل کوفہ کی وفاداری پر شبہ ہوا اور آپ راستے میں کربلا میں خیمہ زن ہو گئے۔ جہاں یزید کی فوج کے ساتھ معرکۂ کربلا پیش آیا۔ آپ نے حق کے لئے جنگ کی اور باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس جنگ میں آپ نے اپنی اور اپنے اعزا کی قربانی دے کر حق کو سر بلند کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰۔ محرم ۶۱ھ (۱۰۔ اکتوبر ۶۸۰ء) کو جمعہ کے دن پیش آیا۔[۵۲]

"یزید": یزید حضرت امیر معاویہ کا لڑکا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ تھا۔ اس کو حضرت امیر معاویہ نے زیاد کی ترغیب پر اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔

---

[۵۱] تفسیر ماجدی۔ ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

[۵۲] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام ج ۲ صفحہ ۴۵، ۵۹ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۳۲۹

اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لی۔ شامیوں نے تو آسانی سے بیعت کر لی۔ عراقیوں سے خوشامد اور دھمکی کے ساتھ بیعت کرائی۔ ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں حضرت امیر معاویہ خود مکہ اور مدینہ کے مشاہیر سے بیعت لینے کی غرض سے گئے مگر حضرت امام حسین حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیعت سے قطعاً انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ حضرت علی کے خاندان سے اور خاندان بنی امیہ سے خلافت کے معاملے میں اختلاف شروع ہی سے چلا آرہا تھا۔ تخت نشینی کے بعد یزید اس خاندان کی تباہی کے درپے ہو گیا جس کا عملی ثبوت تاریخ میں واقعۂ کربلا کے نام سے ملتا ہے۔

یزید اپنی علمی قابلیت اور عربی ادب میں دستگاہ رکھنے کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ شاعری سے اس کی طبیعت کو بڑی مناسبت تھی۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ (۱۳ اکتوبر ۶۸۳ء) کو اس کا انتقال ہوا۔ اس کے عہد میں خوارزم اور سمرقند فتح ہوئے۔[۱]

ذوقِ جعفر کاوشِ رازی نماند ... آبروئے ملتِ تازی نماند

(صفحہ ۱۲۵)

"جعفر" اشارہ حضرت امام جعفر صادق کی طرف ہے۔

آپ کا نام جعفر کنیت ابو عبداللہ و ابو اسمٰعیل اور لقب صادق ہے۔ آپ امام محمد باقر کے خلف اکبر اور حضرت امام حسین کے پرپوتے تھے۔ آپ چھٹے امام ہیں۔ آپ کی ولادت بمقام مدینہ ۷ ربیع الاول ۸۰ھ (۶۹۹ء) کو ہوئی اور اسی شہر میں ابو جعفر المنصور عباسی کے عہد خلافت میں ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) میں وفات پائی۔ اپنے زمانے میں علم و فضل اور اخلاق حسنہ دونوں کے اعتبار سے

---

[۱] طبری ج ۲ صفحہ ۱۹۶۔ ۱۲۷، امام مسعودی ج ۵ صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲۵۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔

نہایت بلند پایہ تھے۔ اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ کو علم حاصل کرنے میں بڑا انہماک تھا۔ ان کی ذات علوم و فنون کا مخزن تھی۔ اسی لئے کئی مرتبہ ابو جعفر منصور عباسی نے بڑی عزت کے ساتھ ان کو بغداد بلایا تاکہ ان کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔[1]

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　　از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

(صفحہ ۱۷۷)

"زہرا" بی بی خدیجہ کے بطن سے رسول اکرم صلعم کی صاحبزادی تھیں۔ فاطمہ نام تھا اور زہرا لقب۔ سال ولادت میں اختلاف ہے۔ لیکن اس پر اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ کا عقد پندرہ سال کی عمر میں حضرت علی کے ساتھ ہوا۔ آپ کے پانچ اولادیں ہوئیں جن میں سے محسن کا بچپن میں انتقال ہو گیا امام حسن اور امام حسین صاحبزادے اور حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم صاحبزادیاں تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔ حضرت فاطمہ کا انتقال رسول کریم کی وفات کے چھ ماہ بعد ۲ رمضان ۱۱ھ (۲۳ نومبر ۶۳۲ء) کو ہوا۔[2]

من شبے صدیق را دیدم بخواب　　　گل ز خاک راہ او چیدم بخواب

(صفحہ ۱۸۱)

"صدیق" عبد اللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ

---

(1) THOMAS WILLAM BEALS IN ORIENTAL BIGTIONARY PP 189.

(2) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۸۵-۸۸

SHORTER ENSYCLOPAEDIA OF ISLAM

اول ہیں آپ رسول اکرم کے وصال کے بعد باتفاق بلائے مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کا انتخاب مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلہ کا نتیجہ تھا۔

حضرت صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنی مساعی جمیلہ سے جو کام کئے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے۔ مہمات امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے گئے تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف حضرت صدیق اکبر ہی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اور در اصل وہی اس کے مستحق ہیں۔
حضرت صدیق اکبر نے دوشنبہ کا دن ختم کر کے ۶۳ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں وفات پائی۔ ۱

سبح اقلل من الدنیا شمار   از نقش حراً شوی سرمایہ دار

(صفحہ ۱۸۴)

اس شعر میں حضرت عمر کے ارشاد کو نظم کیا گیا ہے۔

اقلل من الدنیا تعش حراً ۲   دنیا جتنی کمی کے ساتھ رکھو گے اتنے ہی آزاد رہو گے۔

"پشت پازن تخت کیکاؤس را"   سر بدہ از کف مدہ ناموس را

(صفحہ ۱۸۴)

"کیکاؤس" کیکاوس فارس کے کیانی خاندان کا دوسرا بادشاہ اور کیقباد کا لڑکا

---

۱ حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۱۲-۹۲
محمد حبیب الرحمن خان شروانی۔ سیرت الصدیق۔
۲ میدانی۔ مجمع الامثال ار الفاروق ج ۲ صفحہ ۱۹۲

تھا۔ اس نے اپنی ضعیفی کے زمانے میں اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ فردوسی نے شاہنامہ میں کیکاؤس کے متعلق بہت سے روایات بیان کی ہیں جن میں رستم و سہراب کی لڑائیاں عجیب و غریب ہیں۔[1]

قاید اسلامیاں ہارون رشید　　　آنکہ نقفور آب تیغ او چشید

"ہارون رشید"۔ ہارون رشید المہدی کا لڑکا، خاندان عباسیہ کا پانچواں خلیفہ، اپنے حقیقی بھائی الہادی کی وفات کے بعد ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ خلیفہ ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن یحیٰی بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا۔

ہارون رشید کا عہد عباسی حکومت کا زریں دور تھا۔ اس کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی تمدنی سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم و فنون کا آغاز ہوا۔ اسی کے زمانے میں قائم ہوا، عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا۔ ابن طقطقی نے اس کے دور خلافت کی خصوصیات پر مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے۔

ہارون رشید کی ذات میں متضاد اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ ایک طرف اس کی زندگی بڑی پر شکوہ، رنگیں اور عیش پرستانہ تھی۔ دوسری طرف وہ بڑا دیندار اور پابند شریعت علم دوست اور علما کا قدردان تھا۔ لیکن اس کی تعیش پسندانہ زندگی کی داستانوں میں اس کی زندگی کا مذہبی رخ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ۷۴ سال کی عمر میں ۲۳ سال خلافت کرنے کے بعد ہارون رشید نے جمادی الثانی ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں انتقال کیا۔[2]

---

(1) SIR PERCY SYKES – A HISTORY OF PERSIA VOL. I. P 137

(2) PHILIP K. HITTI – HISTORY OF THE ARABS PP 297-300

شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام ج ۳ صفحہ ۹۴ - ۱۲۸

"نقفور" نقفور (NICEPHORUS I) کو ملکہ آیرین کے ظلم و ستم سے تنگ آکر رعایا نے اس کو اپنا قیصر تسلیم کر لیا تھا۔ نقفور اور خلیفہ ہارون رشید کے درمیان کئی مرتبہ سخت لڑائی ہوئی اور ہر مرتبہ نقفور کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

ایک عرصہ سے رومی سلطنت اور خلافت عباسیہ کے مابین یہ معاہدہ چلا آتا تھا کہ رومی فرمانروا خلافت اسلامیہ کو خراج ادا کرے گا نقفور نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور ہارون رشید کو یہ خط لکھا۔ ہارون رشید کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ تخت نشین تھی وہ نہایت کمزور تھی اس لئے تم کو خراج دیا کرتی تھی حالانکہ اس رقم سے دگنا خراج تم کو ادا کرنا چاہیئے تھا۔ چونکہ وہ عورت تھی۔ مرقوم ہے کہ جس قدر سلطنت روم سے خراج تم کو اب تک مل چکا ہے وہ سب اور نیز وہ رقم جو اس جرم کی معافی کے سلسلے میں ادا کرنا چاہو میرے پاس بھیج دو ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ ہارون رشید اس خط کو پڑھ کر غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ اس خط کی پشت پر وہ مشہور تاریخی خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ "اے رومی کتے! اس کا جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا۔ نہ کہ وہ جو سُنے گا۔ ہارون رشید اسی دن فوج لے کر یونان کی طرف روانہ ہوا اور کئی شہروں کو فتح کر کے جلا دیا۔ خلیفہ نے یونان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا یہاں تک کہ نقفور نے جو ایک باغی کی سرکوبی میں مصروف تھا مجبوراً صلح کے لئے التجا کی۔ یہ صلح خلیفہ نے اس شرط پر قبول کی کہ نقفور ہر ششماہی پر خراج دیا کرے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نقفور نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا جب ہارون کو اس معاہدہ کی منسوخی کا علم ہوا۔ تو بہت برہم ہوا۔ اسی وقت یونان کی سرحد کی طرف روانہ ہوا اگرچہ سردی بہت سخت تھی اور مسلمانوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی لیکن نقفور کو شکست فاش دی۔ اس جنگ میں یونانیوں کی

چالیس ہزار فوج کام آئی۔ نفقور کا عہد حکومت ۸۰۲ء سے ۸۱۱ء تک رہا ہے[1]

گفت مالک را کہ اے مولائے قوم　　روشن از خاک درت سیمائے قوم

(صفحہ ۱۸۵)

"مالک"، مالک نام، ابو عبد اللہ کنیت، امام دار الہجرۃ لقب، والد کا نام انس تھا۔ آئمہ اربعۂ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں آپ کے مقلد مالکی کہلاتے ہیں اور مالکی عرب اور افریقہ میں زیادہ ہیں۔

امام مالک کی ولادت کا سال مختلف فیہ ہے۔ مورخ یافعی نے طبقات الفقہا میں ۹۴ھ (۷۱۲ء) لکھا ہے۔ ابن خلکان نے ۹۵ھ (۷۱۳ء) بتایا ہے لیکن صحیح تاریخ ولادت ۹۳ھ (۷۱۱ء) ہے۔ یہ تاریخ امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر سے مروی ہے جو مدتوں ان کی صحبت میں رہے ہیں۔ تاریخ وفات بالاتفاق ۱۷۹ھ (۷۹۵ء) ہے۔ اس طرح آپ نے ۸۶ برس کی عمر پائی۔ ۶۲ سال تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

امام مالک نے تمام تر تعلیم مدینہ میں حاصل کی کیونکہ مدینہ ہی اس وقت تمام دنیائے اسلام میں علم دین کا مرکز تھا۔ امام مالک کے تبحر علمی اور دینی معاملات میں بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود آپ کے اساتذہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔

امام مالک کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ ان میں چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ موطا، رسالۃ مالک الرشید، کتاب المناسک اور کتاب المسائل۔ رسالۃ مالک الرشید نام ہے۔ آپ کے خطوط کے مجموعہ کا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفحہ ۴۱۵۔

مصباح الدین احمد۔ الہارون صفحہ ۹۳-۹۵۔

جو خلیفہ ہارون الرشید کو لکھے گئے۔ ان خطوط میں ہر قسم کے دینی و دنیوی نصائح ہیں۔ کتاب المناسک حج کے احکام و مسائل سے متعلق ہے۔ اور کتاب المسائل جیساکہ نام سے ظاہر ہے مسائل ہی کا مجموعہ ہے۔

امام کی اہم ترین تصنیف تو موطا ہے۔ اس کا سنہ تالیف بقرائن ۱۳۰ھ سے ۱۴۰ھ (۷۴۷ء سے ۷۵۷ء) زمانہ ہے موطا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں۔ اس لئے اس میں وہ سیکڑوں ابواب و فصول نہیں ہیں جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں ملتے ہیں۔ موطا ان سے خالی ہے کیونکہ فقہیات سے ان کا کوئی تعلق ہے نہیں، اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو "کتاب السنن" کہنا چاہیے۔[۱]

ابن مسعود آں چراغ افروز عشق　　　جسم و جاں او سراپا سوز عشق
(رموز صفحہ ۱۸۹)

ابن مسعود: عبد اللہ نام، ابو عبد الرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔

عبد اللہ ابن مسعود کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز رسول کریم صلعم حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ "صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ۔" بولے: "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے۔" رسول اکرم نے فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں۔" عرض کی "ہاں" اور ایک بکری پیش کی۔ آپ نے تھن میں ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا۔ حضرت صدیق نے اس کو علیحدہ لے جاکر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں صاحبوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول کریم نے تھن

---

[۱] مولانا سید سلیمان ندوی۔ حیات امام مالک۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۲۰۵ ۔ ۲۰۹۔

نے فرمایا خشک ہو جا اور پھر وہ اپنی حالت پر عود کر آیا۔ اس کرشمۂ قدرت سے عبداللہ بے حد متاثر ہوئے۔ حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجیے۔ آپ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلم دین کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ رسول اکرم کی خدمت میں رہنے لگے اور آپ نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا۔

عبداللہ بن مسعود اس وقت ایمان لائے تھے۔ جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی۔ اور مکہ کی سر زمین میں رسول کریم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے اس فریضہ کو انجام دیا گو آپ کے ساتھیوں نے روکنا چاہا۔ آپ نے جوش ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا حافظ ہے"۔ جب مشرکین قریش نے عبداللہ بن مسعود کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ تو غیض وغضب سے مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا لیکن آپ کی زبان بند نہ ہوئی۔ جب اس حالت میں ابن مسعود واپس آئے تو لوگوں نے کہا ہم اسی لئے روکتے تھے بولے خدا کی قسم دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کی تلاوت کروں۔" ان لوگوں نے کہا "بس جانے دو اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔"

عبداللہ بن مسعود کے جوش وغیرت ایمانی نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا یہاں تک کہ ان کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر آپ ہجرت پر مجبور ہوئے اور مدینہ تشریف لے آئے۔

آپ نے مختلف جنگوں میں جن میں غزوۂ احد، خندق۔ حدیبیہ۔ فتح مکہ۔ غزوۂ حنین وغیرہ شامل ہیں حصہ لیا اور نہایت شجاعت دکھائی۔

عبداللہ ابن مسعود کو ۲۰ھ (۶۴۰ء) میں کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ عہدۂ قضا کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والیٔ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے۔ آپ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔

۳۲ھ (۶۵۳ء) میں ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر آپ نے انتقال کیا۔ حضرت عثمان نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا۔

عبداللہ بن مسعود ان صحابہ میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں۔ قرآن جو اصل اصول اسلام ہے آپ اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔ عبداللہ بن مسعود کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں آپ کو قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحاصل یہ ہے کہ قرأت میں عبداللہ بن مسعود کی پیروی کی جائے۔ عبداللہ بن مسعود ان افاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے موسس و بانی سمجھے جاتے ہیں۔ خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر آپ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔ تمام صحابہ عبداللہ بن مسعود کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے معترف تھے۔

عبداللہ بن مسعود کے اخلاق و طرز معاشرت میں سنت نبوی کی پیروی کے شوق میں ایک گونہ رسول اکرم کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا ہوگئی تھی۔[1]

از منات و لات و عزیٰ ادہبل
ہر یکے دار دبتے اندر بغل
(صفحہ ۱۹۴)

---

[1] معین الدین ندوی۔ مہاجرین۔ ۱۲ صفحہ ۳۲۲ — ۳

مناۃ۔ پتھر کی ایک چٹان تھی۔ لات۔ گول سپید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی۔ لات قریش کا دیوتا تھا۔ قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش اس کی پوجا پاٹ کر لیتے تو سوتے۔ قریش اس کی قسم بھی کھایا کرتے تھے۔ عزیٰ یہ دیوی قوت و طاقت کی تھی۔ ظہور اسلام کے وقت عرب میں شہرہ سب سے زیادہ اسی کا تھا۔ یہ دیوی قبیلۂ غطفان کی تھی لیکن اس کے پجاریوں میں چونکہ آل غنی اور آل باہلہ کے ساتھ خود قریشی بھی شریک ہو گئے تھے اس لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی مورتی نخلہ میں ایک درخت کے متصل نصب تھی۔ ابولہب جس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا اس دیوی کی جانب منسوب تھا۔ ابن ہشام نے اس بتکدہ کی مسماری کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جب مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی اور وہ کوہ احد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامن کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزی ولا عزی لکم ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری طرف کوئی عزیٰ نہیں۔ رسول کریم کی تعلیم سے حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ مولانا ولا مولا لکم اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔ ہبل قریش کا معبود اعظم تھا اس کی انسان کی مورت تھی عقیق سے بنایا گیا تھا اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا قریش کو اسی حالت میں ملا تھا انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا۔ عمرو ابن لحی ہبل کو موآب سے لایا تھا۔ اس کی پرستش نہ صرف کرتے تھے بلکہ بنی کنانہ بکر و مالک بھی اس کو اپنا معبود مانتے تھے۔ ابوالمنذر ہشام ابن محمد کا قول ہے کہ کعبہ میں قریش کے پاس بہت سے بت تھے لیکن ہبل ان میں سب سے بڑا تھا۔ فتح مکہ کے بعد اس کو توڑ دیا گیا تھا۔[۵]

۵۔ یاقوت الحموی۔ معجم البلدان ج ۸ صفحہ ۴۴۲ ۴۳۴۔ شیخ عبداللہ البستانی البستان ج ۲۔
صفحہ ۲۵۸۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۳۴۸
PHILIP-K-HITTI, HISTORY OF THE ARABS PE 100
مولانا سید سلیمان ندوی ارض القرآن ج ۲ صفحہ ۲۰۲، ۲۸۰

پیامِ مشرق (طبع پنجم ۱۹۴۴ء)

اے امیر کامگار اے شہریار … نوجواں و مثل پیران پختہ کار

(صفحہ ۱)

اس شعر میں امیر امان اللہ خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امیر امان اللہ خاں، حبیب اللہ خاں، امیر کابل کے تیسرے فرزند ہیں جو یکم جون ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء کو اپنے والد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ امیر امان اللہ خاں کے دور حکومت میں افغانستان نے جس قدر سیاسی اور اقتصادی ترقی اس قلیل مدت میں کی وہ کبھی افغان کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اتحاد اسلامی کا سلسلہ افغانستان سے ترکستان تک بلافصل قائم ہو گیا تھا۔ امیر امان اللہ نے اپنے مختصر عہد حکومت میں رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ اس لئے امیر امان اللہ کا عہد افغانستان کی تاریخ میں ایک مبارک عہد خیال کیا جاتا ہے۔

امیر امان اللہ کی اس روز افزوں ترقی سے انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوا چنانچہ انہوں نے امیر امان اللہ کے خلاف مہم شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ امان اللہ خاں نے حکومت سنبھالنے کے بعد افغانستان میں مغربی تہذیب و تمدن کو رواج دینا چاہا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر بھی بڑا زور دیا۔ اس پر علماء کا طبقہ سخت برہم ہوا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں جو بغاوت ہوئی اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عوام امیر امان اللہ خاں کی مغرب زدگی سے بیزار تھے۔ ۲۸-۱۹۲۷ء میں انہوں نے یورپ کے بعض مقامات کا دورہ کیا۔ یورپ سے واپسی کے بعد غیر مقبول اصلاحات کا جاری کرنا اور بھی ان کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوا۔ بالآخر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں ایک

بغاوت ہوئی۔ اور ۱۴ جون ۱۹۲۹ء کو انہیں تخت چھوڑنا پڑا۔ بعد ازاں وہ یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے اور آج تک وہیں کہیں قیام پذیر ہیں۔[۱]

در مسلماں شان محبوبی نماند
خالد و فاروق و ایوبی نماند

(صفحہ ۵)

"فاروق" اشارہ حضرت عمر فاروق کی طرف ہے۔

عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔ حضرت عمر کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول کریم صلعم سے جاکر مل جاتا ہے۔

حضرت عمر خلیفۂ ثانی ہیں۔ آپ کے کارنامے روز روشن کی طرح تابان و درخشاں ہیں۔ آپ ان خوش نصیب انسانوں میں سے جن کے لئے خود رسول اکرم نے مشرف بہ اسلام ہونے کی دعا کی ہے۔ عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمر کے مسلمان ہونے کا زمانہ ۶ ھ (۶۲۸ء) مقرر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔

حضرت عمر نے اسلامی سلطنت کے حدود کو بہت وسیع کیا۔ آپ اپنے زمانہ کے بہترین حکمراں، مدبر، سیاست داں، منتظم سپہ سالار اور زبردست فاتح تھے۔ آپ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل انصاف اور مساوات پر تھی۔

حضرت عمر کو مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لولو تھی شہید کیا۔ آپ نے ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ ھ (۶۴۳ء) کو انتقال کیا۔[۲]

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۲۔ معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۲۸۴۔

"ایوبی" : سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"ایوبی" سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ء) میں تکریت میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ان کے والد نجم الدین وہاں کے حاکم تھے۔ صلاح الدین کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا اس لئے صلاح الدین کی پیدائش نامسعود خیال کی گئی لیکن یہی مولود نامسعود آگے چل کر جنگ صلیبی کا ہیرو بنا۔ صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ رہے۔ دمشق پر نور الدین کے قبضہ کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس وقت سے وہ برابر نور الدین کے ہمراہ رہے۔ اسی زمانے میں ان میں بلند اقبالی کے آثار نمایاں تھے۔ اس لئے ان پر نور الدین کی بڑی توجہ و نظر تھی اور وہ انہیں بہت مانتا تھا۔ اس کے فیض صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر ان کو صلاح الدین اعظم بنا دیا۔[۱]

سلطان صلاح الدین ایوبی کے اقتدار کو مغربی ایشیا کے تمام سلاطین نے چند سال کے عرصہ ہی میں تسلیم کر لیا تھا۔ صلاح الدین نے مصر و شام پر تقریباً بیس برس حکومت کی۔ ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) کو انتقال ہوا۔

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین یوسف فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہد جلیل کی موت تھی جو تمام عمر اسلام کی حمایت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کرتا رہا اور جس نے مرتے ہوئے تثلیث کے مقابلہ میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا۔ اس لئے اس کی موت پر تمام دنیائے اسلام نے اظہار غم کیا۔

سلطان نور الدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا

---

[۱] ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۷

بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا۔ ان کے فضائل و مناقب و کمالات بیشمار ہیں۔ ان کی سیرت و اخلاق کے متعلق ان کے رفیق خاص قاضی بہاء الدین ابن شداد کا بیان قابل ملاحظہ ہے۔ ان کے عدل، ان کی شجاعت، ان کی رحمدلی اور رعایا کے ساتھ ان کی شفقت و محبت کا حال قاضی ابن شداد نے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔[۱]

سر بر کیقباد و اکلیل جم خاک   کلیسا و بتاں و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست   نگاہم برتر از گردوں تنم خاک

(صفحہ ۲۸)

"کیقباد"۔ کیقباد خاندان کیانی کا جو فارس کا دوسرا حکمراں خاندان ہے، پہلا بادشاہ تھا۔ منوچہر کی اولاد میں گذرا ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس نے بڑے طویل عرصہ تک حکومت کی اور چار لڑکے چھوڑے۔[۲]

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت   گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست

(صفحہ ۱۵۰)

"طارق"۔ مراد ہے فاتح اندلس طارق بن زیاد سے۔

طارق نسلاً بربری افریقہ کے باشندے اور موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ فوجی خدمات پر مامور تھے پہلے طنجہ کے والی بنائے گئے تھے۔ کاؤنٹ جولین سے ان کے مراسم پہلے سے قائم تھے اور فتح اندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھے لشکر گویا بربریوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے

---

[۱] شاہ معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۲۹۴-۲۵۸

(2) SIRPERCY SYKES - HISTORY OF PERSIS.
VOL. I PP 136-137.

سپہ سالاری کے لئے طارق کا انتخاب موزوں ہو سکتا تھا۔ طارق ابتدا میں سات ہزار لشکر کے ساتھ اندلس کی فتح کے لئے روانہ ہوئے بعد ازاں پانچ ہزار کمک اور روانہ کی گئی۔ اس طرح فاتح اندلس کی فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ بارہ ہزار مجاہد ایک لاکھ فوج کے مقابل میں صف آرا ہوئے تھے۔ دشمن کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کیا۔ اس موقع پر طارق کی اس تقریر کے چند ٹکڑے جو انہوں نے اندلس پر حملہ کرنے سے پہلے کی نقل کئے جاتے ہیں، جن سے مجاہدین اور امیر لشکر کے کردار پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کن صفات کے حامل تھے۔

"مسلمانو یہ خوب سمجھ لو اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ خدا کی قسم اب سوائے پامردی و استقلال کے تمہارے لئے کوئی چارہ باقی نہیں رہا یہی دو نوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں یہی دونوں فتحمند فوجیں ہیں جنہیں فوج کی قلت تعداد نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ....
سمجھ لو! تم اس جزیرہ میں ایسے ہی ہو جیسے یتامی بخیلوں کے دستر خوان پر ہوتے ہیں تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامان جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آچکے ہیں ....
تمہارے پاس کوئی سامان نہیں بجز تمہاری تلواروں کے تمہارے لئے کوئی رسد نہیں سوا اس کے کہ تم اپنے دشمنوں سے چھین کر حاصل کر لو .... امیرالمومنین ولید بن عبد الملک نے تم جیسے بہادروں کو اس لئے منتخب کیا ہے کہ تم اس جزیرہ کے تاجداروں اور رئیسوں کے داماد بن جاؤ یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو کر لو تم اس جزیرہ میں اللہ کے بول اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے آئے ہو اور اس کا اجر پاؤ گے۔ یہاں کا مال غنیمت صرف تمہارے ہی واسطے ہے۔ تم جس عزم پر استوار رہو گے اللہ اس میں تمہاری مدد کرے گا اور دونوں جہان میں تمہارا نام باقی رہ جائے گا۔[۱]"

---

[۱] نفح الطیب ج ۱ صفحہ ۱۱۲ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ صفحہ ۶۰

طارق نے ۲۷ رمضان ۹۲ھ (۱۹ جولائی ۷۱۱ء) کی یادگار صبح کو یہ حملہ کیا۔ ان کی فوجوں نے جس مقام پر قیام کیا وہ آج تک جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔ غرض کہ طارق نے واڈرک اور اس کے ہمراہیوں کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح وہاں اسلامی نظام حکومت کی بنیاد پڑی[1]

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد ۔۔۔ گوہرے داشت و لے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است ۔۔۔ من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

(صفحہ ۱۵۷)

"قباد": قباد ساسانیوں کا انیسواں بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں وزیر سوخرا (بزرجمہر) کا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اس کو قتل کیا۔ اس کی تخت نشینی کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ قباد کو فن تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے طبرستان میں متعدد عمارتیں بنوائیں۔ قباد کے آٹھ لڑکے تھے۔ ان میں نوشیرواں کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے ۴۰ سال حکومت کی اور ۵۳۱ء میں انتقال کیا[2]

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر ۔۔۔ تو کہ صنم شکستہ بندہ شدی ایاز را

(صفحہ ۱۷۶)

"غزنوی" اشارہ سلطان محمود غزنوی کی طرف ہے۔

محمود غزنوی سلطان ناصر الدین سبکتگین کا بڑا لڑکا تھا۔ ۹۹۸ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے ہندوستان آیا اور سترہ حملے کیے۔ ان میں سب سے زیادہ

---

[1] سید ریاست علی ندوی۔ تاریخ اندلس حصہ اول صفحہ ۷۱-۱۰۴
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۶۶۶

[2] SIR PERCY SYKES HISTORY OF PERSIA. VOL. I PP 441-462

مشہور حملے نگرکوٹ، متھرا، اجین، تھانیسر، قنوج اور سومنات کے ہیں۔ اسی سومنات کے حملے کے موقع پر محمود کو ایک گراں قدر رقم اس لئے پیش کی گئی تھی کہ وہ سومنات کی فتح کے بعد مندر کے بتوں کو نہ توڑے۔ محمود نے اس رقم کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں بت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں نہ کہ بت فروش! محمود کے زمانے میں پنجاب حکومت غزنوی میں شامل ہوگیا تھا۔ اس کے عہد میں علم و ہنر کو بڑا فروغ ہوا۔ ہر قسم کے اہل علم اس کے دربار میں حاضر رہتے اور وہ خوب ان کی قدردانی کرتا۔ محمود نہایت شائستہ زندہ دل، سادہ مزاج اور خلیق تھا۔ اس کے اہل و فضل درباریوں میں البیرونی اور فردوسی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محمود کا سال پیدائش ۱۵ر دسمبر ۹۶۷ء اور سال وفات ۳۰ر اپریل ۱۰۳۰ء ہے اس کا مدفن غزنی میں ہے[1]

بیا کہ ساقی گل چہرہ دست بر چنگ است چمن ز باد بہاراں جواب ارژنگ است

(صفحہ ۱۷۷)

"ارژنگ" ۔ مانی (MANI CHAEUS) نے ۲۴۵ء میں شاپور اول کے عہد میں ایک نئے مذہب کے بانی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد جس تسلی دہندہ کے پیدا ہونے ہونے کی خبر دی گئی ہے وہ میں ہی ہوں۔ عوام نے اس بات پر یقین کیا اور اس کے پیرو ہوگئے۔ شاپور اس حرکت پر بہت ناراض ہوا۔ چنانچہ مانی چین کی طرف بھاگ گیا۔ اور عرصہ تک غائب رہا اس کے پیرو یہ سمجھتے رہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا اور پھر ظاہر ہوگا۔ اسی دوران میں مانی نے نادر و نایاب تصاویر بنائیں اور ضعیف الاعتقاد اشخاص کو یہ یقین دلایا کہ فن مصوری کے یہ اعلیٰ نمونے خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ تصاویر ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کی گئی تھیں جس کو ارژنگ یا ارتنگ کہتے ہیں۔ مانی کے مقلدین نے بعض معجزات بھی اس کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بالآخر بہرام اول نے مانی کو اس کے دشمنوں

---

(1) DR. ISHWARI PRASAD, MEDIAVAL INDIA, PP69-12.

کے حوالہ کر دیا جنہوں نے اس کو قتل کر دیا۔[۱]

از خاک سمرقند ے ترسم کہ دگر خیزد   آشوب ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

(صفحہ ۱۹۲)

"ہلاکو" ۔ ہلاکو قاآن' ایلخان بھی کہلاتا ہے ۔ تولی خاں کا لڑکا' چنگیز تاتاری کا پوتا اور چوتھا جانشین تھا۔ ۱۲۵۳ء میں ایران کی سلطنت میں جو اس کے باپ کے حصہ میں آئی تھی' ایشیائے کوچک کا حصہ ملحق کر کے اس کو اور وسعت دی اور خاندان ایلخانی کی بنا ڈالی ۔ ۱۲۵۶ء میں ایران کے مشہور فرقہ اسمعیلیہ کی بیخ کنی کی ۔ ہلاکو نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کا محاصرہ کیا خلیفہ مستعصم باللہ کو جس کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی ، شکست دی اس شکست میں ہلاکو نے لاکھوں انسانوں کو تہہ تیغ کیا شہر کو خوب لوٹا سخت وحشیانہ حرکات کیں کتب خانہ کو جلادیا اور مسجدوں کی بے حرمتی کی ۔ اسی دوران میں اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا ۔ اس لئے اس کو شام کی طرف جانا پڑا ۔ جہاں وہ ۸ر فروری ۱۲۸۵ء کو بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا ۔ یہی تاتاری خاندان آگے چل کر مشرف بہ اسلام ہوتا ہے اور اسلام کا پاسبان بنتا ہے ۔[۲]

"چنگیز" چینی تاتار کے ان بلند اور وسیع میدانوں میں جو منگولیا کہلاتے ہیں چند خانہ بدوش قومیں رہتی تھیں ۔ جو ایک ہی مورث کی اولاد تھیں ۔ نہایت خونخوار سخت دل اور جنگجو اسی قوم میں ۱۱۶۲ء میں چنگیز خاں پیدا ہوا ۱۳ سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین ہوا ۔ اس وقت متفرق طور پر ہر قوم کا جدا جدا سردار تھا اس کا باپ

---

[۱] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین مترجم ڈاکٹر محمد اقبال' ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۱۰
سید احمد دہلوی ۔ فرہنگ آصفیہ ج ۴ صفحہ ۲۷۲

[۲] شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۲۰۶ ۔ ۲۱۵

SIRPERCY SYKES. HISTORY OF PERSIA, VOL. II PP 93-98

بھی ایک سردار تھا اس کو اپنے گروہ سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔ لوگ اس کی جان کے درپے تھے۔ اور اس کو سردار بنانا نہیں چاہتے تھے لیکن اس نے کئی سال کی مسلسل کوشش کے بعد اپنے دشمنوں پر کامل فتح حاصل کی اور بالاخر تمام متفرق اقوام کو متحد کرکے ۱۱۸۹ء میں ان کا بادشاہ بن گیا۔ اور خاقان کا لقب اختیار کیا اور قراقرم دارالسلطنت بنایا۔ اس کے بعد اس نے جنوب و مغرب کی طرف رخ کیا۔ ۱۲۱۸ء میں اس نے تقریباً کل تاتار اور چین کو اپنا ماتحت بنالیا۔ خوجند بخارا سمرقند بلخ نیشاپور ہرات رے وغیرہ اس نے فتح کئے اور دنیا کے نامور فاتحین میں شمار ہوا۔ ۱۸ اگست ۱۲۲۷ھ کو اس کا انتقال ہوا۔ چنگیز جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا۔ اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مرتب کئے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے۔ جوینی نے ان کو نقل کیا ہے۔ جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ بیابان سے ایوان مسرت بن گیا تھا۔[۱]

مزدک

(صفحہ ۲۳۷)

"مزدک"۔ مزدک کی شخصیت کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں۔ بعض عربی مصنفوں کا بیان ہے کہ وہ پسا کا رہنے والا تھا، غلط ہے اس لئے کہ پسا زردشت کا وطن تھا نہ کہ مزدک کا بقول طبری مزدک کی جائے پیدائش مادریہ ؟ تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد شہر مادرایا ہو جو دریائے دجلہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں اب قوت العمارہ ہے۔

---

[۱] جوینی۔ تاریخ جہانگشائے ج ۱ صفحہ ۱۵۔ ۱۶

شاہ معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۳۶۶۔ ۳۶۸

CHAMBERSS' BIOGRAPHICAL DICTIONARY P 402

مزدک کا نام ایرانی ہے اور اس کے باپ یا مرداز کا نام بھی ایرانی ہے۔ بقول دینوری وہ اصطخر کا رہنے والا تھا اور تبصرۃ العوام میں لکھا ہے کہ وہ تبریز میں پیدا ہوا۔

مانی کی طرح مزدک بھی ایک نئے مذہب کا بانی تھا۔ مانی نے نور کے پانچ عنصر مانے ہیں۔ اثر، ہوا، روشنی، پانی اور آگ لیکن مزدک نے تین عنصر تسلیم کئے ہیں پانی، آگ اور خاک، مزدک کا کہنا تھا کہ زر زمین اور زن کو انسانوں میں مشترک ہونا چاہیے۔[1]

موسیو لینن وقیصر ولیم

(صفحہ ۲۴۹)

"لینن" مشہور روسی انقلاب پسند اور مادہ پرست کارل مارکس کے فلسفہ کا شارح بالشوزم کا بانی روس کا پہلا صدر ۱۸۷۰ء میں بمقام سمبرسک پیدا ہوا۔ اس نے سینٹ پٹرس برگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اس کا اصلی نام ولادیمر ایلچ اولیانوف (VILADIMIR ILITCH ULIANOV) تھا۔ اس کا باپ اسکولوں کا انسپکٹر تھا اس لئے بچپن ہی سے اس کو پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔

۱۸۸۷ء میں لینن کے بڑے بھائی کو زار روس کے خلاف سازش کے جرم میں پھانسی دی گئی۔ اس واقعہ کا اس پر بڑا اثر ہوا اور ہمیشہ کے لئے انقلابی بن گیا اور چونکہ زبردست قوت ارادی کا مالک تھا اس لئے اس نے تیس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد عصر حاضر کا سب سے بڑا انقلاب برپا کرکے دنیا کو متحیر کردیا۔

---

[1] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین مترجم ڈاکٹر محمد اقبال ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۲۵۰-۲۶۲

SIR PERCY SYKES, A HISTORY OF PERSIA VOL. I PP 442-444

لینن نے ۱۸۹۷ء سے اشتراکیت کی اشاعت اپنا نصب العین قرار دیا ۱۸۹۸ء میں اسے تین سال کے لئے مشرقی سائیبریا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے روس کو خیرباد کہا اور ٹراٹسکی کے ساتھ مل کر اشتراکیت کی اشاعت کے لئے ایک رسالہ نکالا۔ روس کا ۱۹۱۷ء کا انقلاب اس کی کوششوں کا رہین منت ہے لینن نے ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا ہے[۱]

"قیصر ولیم": قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی ۲۷ر جنوری ۱۸۵۹ء کو بمقام برلن پیدا ہوا۔ اس نے باقاعدہ فوجی تعلیم حاصل کی اور ابتدا ہی سے امور مملکت میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اپنے باپ فریڈرک سوم کا جانشین بنتے ہی اس نے نظام سلطنت کے سنبھالنے میں بڑی دانائی کا ثبوت دیا۔ ولیم نے متعدد بیرونی درباروں کو خود جا کر دیکھا۔ اس کی مطلق العنان حکمت عملی کی وجہ سے شہزادہ بسمارک کو مستعفی ہونا پڑا، ولیم سختی سے اس اصول کا حامی تھا کہ اسے سلطنت خدا کی طرف سے ملی ہے۔ وہ بیک وقت ایک اچھا سپاہی، فن کار اور شاعر تھا۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے آغاز کے جہاں اور اسباب تھے وہاں اس کے حاکمانہ غرور و اقتدار اور اس کی مطلق العنان حکمت عملی کو بھی بڑا دخل تھا۔ اس جنگ عظیم میں دنیا کے تقریباً تمام ملکوں نے حصہ لیا آخر میں جرمنی کو شکست ہوئی۔ شکست کے بعد قیصر ولیم کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے ۹ر نومبر ۱۹۱۸ء کو تخت چھوڑ کر مرنے کے وقت (۴ر جون ۱۹۴۱ء) ہالینڈ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کی۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز سے قبل اس کے دور حکومت میں جرمنی نے بڑی ترقی کی ہے[۲]

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۱۹۱۱-۹۱۳

CHAMBERSS' BIOGRAPHICAL DICTIONARY P583.

(2) WALLACE C. CALDAVELL; THE NEW POPULAR HISTORY OF THE WORLD (PP 467 SIR WINSTON CHURCHIL THE SECOND WORLD WAR VOL. I PP 57.

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ صفحہ ۴۱۴-۴۱۸

می خورد ہر ذرہ ما پیچ و تاب | محشرے در ہر دم ما مضمر است
باسکندر خضر در ظلمات گفت | مرگ مشکل زندگی مشکل تر است

(صف۔ ۲۵۹)

"سکندر" سکندر (ALEXANDER THE GREAT) ۳۵۶ ق م میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کے صلب اور ملکہ المپیاس کے بطن سے پیدا ہوا۔ حکیم ارسطو سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سکندر بمشکل بیس سال کا تھا کہ ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا۔ ۳۲۶ ق م میں اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ جہلم کے قریب پنجاب کے راجہ سے جنگ ہوئی اس جنگ میں راجہ کا لڑکا قتل ہوا اور راجہ کو شکست بھی ہوئی۔ مگر سکندر نے ملک راجہ کو واپس کر دیا۔ سکندر کی فتوحات کا سلسلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے دنیا کا بہت سا حصہ فتح کر لیا تھا۔ سکندر اعظم کا شمار دنیا کے مشہور فاتحین میں ہوتا ہے۔[۱]

سکندر اور خضر کی ملاقات چشمۂ حیوان پر کس طرح ہوئی اور یہ روایت کہاں سے چل نکلی۔ یہ اور اس کے بہت سے واقعات سکندر کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ سکندر نے آب حیوان کو پینا چاہا لیکن نہ پی سکا اس لئے وہ ابدی زندگی بھی حاصل نہ کر سکا۔ یہ روایت کہ سکندر آب حیوان کی تلاش میں نکلتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں سامی ادب میں ملتی ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ وہاں بتایا یہ گیا ہے کہ ایک مرتبہ سکندر اور اس کا باورچی انڈریاس (ANDREAS) ایک طویل سفر پر چشمۂ حیوان کی تلاش میں نکلے۔ دوران سفر میں سکندر کے باورچی نے نمک لگی ہوئی مچھلی کو ایک چشمہ میں دھویا۔ مچھلی کا پانی میں پہنچنا تھا کہ وہ زندہ ہو گئی اور کہیں چشمہ میں چلی گئی۔ انڈریاس خود بھی اس چشمہ میں کود پڑا اور اس طرح ابدی

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱ صف ۵۶۶ ـ ۵۷۲
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صف ۵۳۲ ـ ۵۳۴

زندگی حاصل کر کے باہر نکل آیا۔ جب اس نے یہ واقعہ سکندر سے بیان کیا تو سکندر نے کہا یہی وہ چشمہ ہے جسے آب حیواں کہا گیا ہے۔ سکندر نے اس کے تلاش کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن وہ چشمہ دوبارہ نہ ملا اور سکندر کو ابدی زندگی بھی نہ ملی۔ وہ ابدی زندگی جو اس کے باورچی کے حصہ میں آچکی تھی جو نہیں جانتا تھا کہ اس ابدی زندگی کو کیا کیا جائے۔

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۸۶۱ - ۸۶۵

بانگ درا

(طبع یازدھم مارچ ۱۹۴۷ء)

ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو   رشک جام جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

(صفحہ ۷)

"جام جم" مراد پیالہ جمشید جو حکماء فارس نے بنایا تھا کہ اس کے ذریعہ سے ہفت آسمان کا حال معلوم ہو جاتا تھا اور اس کو جام جہاں نما بھی کہتے ہیں ۔ لیکن شرف نامہ معروف بہ سکندر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیالہ کیخسرو نے بنایا تھا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کیخسرو نے اس میں کچھ اضافہ کر دیا تھا۔ ایشیائی لوگوں کا خیال ہے کہ جام جم سے تمام عالم کا حال معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ صحیح اتنا ہے کہ اس میں خطوط کھدے ہوئے تھے اور ان خطوط کی مدد سے حساب لگا کر ستاروں کی گردش اور ان کا اثر معلوم ہو جایا کرتا تھا لیکن اصلی بات یہ ہے کہ جس وقت جمشید نے شراب ایجاد کی تو اس کے لئے جو ساغر شراب بنایا اس کا نام جام جم یا جام جمشید تجویز کیا۔ چونکہ شاہانہ تکلف مشہور ہے اس لئے یہ پیالہ طرح طرح کی صفتوں سے تیار کیا گیا تھا۔[۱]

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا   تفضیل علی ہم نے سُنی اس کی زبانی

(صفحہ ۵۱)

"علی" ۔ علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کنیت، حیدر لقب، امیر المومنین خطاب تھا آپ خلیفۂ چہارم، رسول کریمؐ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ رسولِ اکرم کی چہیتی بیٹی فاطمہ آپ کی بیوی تھیں۔ اور امام حسن اور امام حسین آپ کے صاحبزادے ۳۶ ھ (۶۵۶ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سال وفات ۲۱ رمضان ۴۰ھ

---

[۱] مولوی احمد عبد العزیز نائطی ۔ آصف اللغات ج ۷ صفحہ ۱۰۴۲ ۔ ۱۰۴۴
سید احمد دہلوی ۔ فرہنگ آصفیہ ج ۲ صفحہ ۲۱

(۶۶۱ء) ہے۔ آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے۔ مزار آپ کا نجف میں ہے۔ حضرت علی علوم ظاہری و باطنی ہیں کامل تھے۔ صوفیہ کے اکثر سلسلے آپ ہی سے شروع ہوتے ہیں۔ ؎ۡ

عاشق عزلت ہے دل نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسند دارا و اسکندر پہ میں

(صفحہ ۵۹)

"دارا"۔ دارا (DARIUS III) یا داراب سوم کیانی خاندان کا نواں بادشاہ تھا جو اپنے باپ دارا دوم کے بعد تخت نشین ہوا۔ ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم سے نبرد آزما ہوا لیکن باوجود ایک کثیر التعداد فوج کے سکندر کے مقابلہ میں شکست کھائی اور قتل ہوا۔ اس طرح دارا کی دولت و حکومت سکندر کے قبضہ میں آئی۔ دارا فارس کا بہت مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ ؎۲

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی کوہکن بھی ہے

(صفحہ ۷۳)

اقبال نے اس شعر میں دو مشہور کرداروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شیریں اور کوہکن یعنی فرہاد۔

فرہاد، شیریں سے جو خسرو پرویز بادشاہ فارس کی کنیز تھی محبت کرتا تھا۔ خسرو نے

؎۱۔ معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۲۱۷ - ۳۲۸
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۵
R.A. NICHOLSON - A LITERARY HISTORY OF THE ARABS PP 190 - 193.

؎۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۷ ص ۵۹ - ۶۰ : مطبوعہ ۱۹۲۶ء

اس کو دے دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ وہ فارس کی مشہور پہاڑی بے ستون کو تراش کر اس میں سے ایک چشمہ نکال دے۔ چنانچہ وہ عرصہ تک اپنی محبوبہ کے لئے حکم کی تعمیل کرتا رہا۔ اپنے مقصد کے قریب ہی پہنچا تھا کہ خسرو پرویز نے اس خوف سے کہ مبادا فرہاد کامیاب ہو جائے۔ ایک بڑھیا کے ذریعہ سے اس تک یہ خبر پہنچائی کہ شیریں کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کو سن کر فرہاد نے اپنی جان دے دی۔[۱]

سنایا ہند میں آکر سرود ربانی   پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے

(صفحہ ۸۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں شری کرشن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہندوؤں میں خاص تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کرشن کو خدا کا اوتار مانتے ہیں مہابھارت کی لڑائی میں انہوں نے جو مذہبی تعلیم ارجن کو دی وہ آج "بھگوت گیتا" کی شکل میں موجود ہے۔[۲]

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی   بسایا خطۂ جاپان و ملک چین میں نے

(صفحہ ۸۰)

یہاں اشارہ گوتم بدھ کی طرف مقصود ہے۔

بدھ کے معنی روشن ضمیر کے ہیں۔ ان کا اصلی نام سدھارتھ تھا۔ انہیں گوتم بدھ بھی کہتے ہیں۔ یہی بدھ مذہب کے بانی تھے۔ ان کا سال ولادت غالباً ۵۶۸ ق م ہے بدھ مذہب تیسری صدی قبل مسیح میں ہندوستان کا مقبول ترین مذہب تھا۔[۳]

---

[۱] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۶۰۰ - ۶۸۱
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۶۷
مرزا فرصت شیرازی۔ آثار عجم ج ۲ صفحہ ۳۹۳ - ۴۰۰
سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۳ صفحہ ۳۳۸ - ۳۳۹

[۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۵۰۳

بڑے راجاؤں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا اور خود بھی اس مذہب کو قبول کیا۔ ان راجاؤں میں اشوک، کنشک اور ہرش کے نام قابل ذکر ہیں۔ گوتم بدھ کا ہشت گانہ مسلک تھا۔ صحیح ایمان۔ صحیح ارادہ صحیح گفتار۔ صحیح عمل۔ صحیح پیشہ۔ صحیح کوشش صحیح فکر اور صحیح توجہ۔ ہندوستان سے اس مذہب کے اخراج کا سب سے بڑا سبب برہمنیت کا فروغ تھا۔ برہمنوں نے ہر امکانی کوشش سے بدھ مذہب کو ختم کیا۔ برہمنوں نے جب بدھوں کو ہند سے نکالا۔ تو انھوں نے جاپان اور چین جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ بدھ مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف ملکوں میں پائے جاتے ہیں جن میں ہندوستان، پاکستان، برما، سیام، تبت، چین، جاپان وغیرہ شامل ہیں۔ [۱۵]

جہاں میں چھیڑ کے پیکار عقل و دیں میں نے
ہوسے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو

(صفحہ ۸۱)

اس شعر میں اس آویزش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ازمنۂ وسطیٰ میں رومن کیتھولک کلیسا (مسیحیت) اور حکماء اور فلاسفہ کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ کلیسا یعنی مسیحیت کا دعویٰ یہ تھا کہ حق وہ ہے جس کی تائید مسیحیت کرے اس کے برعکس حکماء کا کہنا یہ تھا کہ حق وہ ہے جسے عقل قبول کر سکے۔ حکماء کے اس طبقہ کو ختم کرنے کے لئے کلیسا نے محکمۂ احتساب قائم کیا اور کئی صدیوں تک حکماء و فلاسفہ کے قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر کلیسا کو شکست ہوئی۔ اور یورپ میں عقلیت کا دور دورہ ہو گیا [۱۶]

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گذار دیں میں نے

(صفحہ ۸۱)

---

[۱۵] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۴ صفحہ ۳۲۵ - ۳۲۸

[۱۶] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۵ صفحہ ۴۱ - ۴۲ -

یہاں مشہور اطالوی عالم ہیئت گلیلیو کی طرف اشارہ ہے۔

گلیلیو (GALILEI OR GALILEO) بمقام پیا ۱۸ار فروری ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا۔ اور ۸ر جنوری ۱۶۴۲ء کو فوت ہوا۔ اسے شروع ہی سے طب کا شوق تھا۔ اسی وقت سے وہ ارسطو کے نظریات سے اختلاف کیا کرتا تھا۔ بعد ازاں اس نے ریاضی کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کار ریاضی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ یہاں بھی وہ ارسطو کے نظریات کا مخالف ہی رہا۔ رفتہ رفتہ اس مخالفت نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ گلیلیو کو ریاضی کی پروفیسری سے مستعفی ہونا پڑا۔ اس نے مختلف قسم کی ایجادات کیں۔ بتدریج گلیلیو فلکیات کی طرف متوجہ ہوا اور اس علم میں اپنی محنت وکاوش سے بڑا اہم اضافہ کیا۔ اس کو فلکیات کی دنیا میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے۔[۱]

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں   سکھایا مسئلہ گردش زمیں میں نے

(صف ۸۱)

اس شعر میں نکولس کوپرنیکس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

نکولس کوپرنکس (NICOLAS COPERNICUS) جدید علم ہیئت کا بانی ۱۹ار فروری ۱۴۷۳ء کو پیدا ہوا اس کا نظریہ یہ تھا کہ آفتاب غیر متحرک ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے کلیسا نے اس تعلیم کی وجہ سے اسے بے دین قرار دیا اور قتل کی دھمکی بھی دی لیکن اس نے اس کی ذرا پروا نہیں کی۔ سال وفات ۲۴ر مئی ۱۵۴۳ء ہے۔[۲]

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر   لگا کے آئینۂ عقل دوربیں میں نے

(صف ۸۱)

اس شعر میں نیوٹن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۹ صف ۹۷۹-۹۸۱

[۲] ،، ،، ج ۶ صف ۴۰۰

سر آئزک نیوٹن (SIR ISAAC NEWTON) ۲۵ر دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ایک روز نیوٹن نے جب سیب کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو دفعتہً اس کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ زمین میں کوئی ایسی کشش ضرور ہے جو اشیا کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن اپنے اس مشاہدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مختلف قسم کے تجربات میں مشغول ہو گیا اور آخر کار کشش ثقل کا قانون دریافت کر لیا۔ اس کا انتقال ۲۰ر مارچ ۷-۱۷۲۶ء کو ہوا۔[1]

کیا اسیر شعاعوں کو برقِ مضطر کو | بنا دی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے

(صفہ ۸۱)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اشارہ رنٹگن اور فیراڈے کی طرف مقصود ہے۔

وہلم کونراڈ فون رنٹگن (WILHELM KNORAD VON RONTGEN) ۲۷ر مارچ ۱۸۴۵ء کو پیدا ہوا۔ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۹ء تک جامعہ میونخ میں پروفیسر رہا۔ ۱۸۹۵ء میں اس نے ماورائی شعاعوں (X-RAYS) کو دریافت کیا۔ اس کا انتقال ۱۰ر فروری ۱۹۲۳ء کو ہوا۔[2]

مائیکل فیراڈے (MICHAEL FARADAY) لندن کے قریب ۲۲ر ستمبر ۱۷۹۱ء کو پیدا ہوا۔ یہ بہت غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سائنس کی دنیا میں مختلف قسم کے تجربات کئے۔ اس کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ وہ ہے جو (PHILOSOPHICAL TRANSACTIONS) میں چالیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک چھپتا رہا۔ اس کی مشہور و معروف کتاب کا نام (EXPERIMENTAL RESEARCHES ON ELECTRICITY) ہے۔ فیراڈے بجلی کی ایجادات کے سلسلے میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اس کا انتقال ۲۵ر اگست ۱۸۶۷ء کو ہوا۔[3]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفہ ۳۶۱-۳۶۳ [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۹ صفہ ۵۶۷
[3] ،، ،، ج ۹ صفہ ۷-۷۰

کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منار خواب گہ شہسوار چغتائی

(صفحہ ۹۶)

"خواب گہ شہسوار چغتائی"۔ "اشارہ" ہے جہانگیر کے مقبرہ کی طرف۔

یہ مقبرہ ۱۰۳۷ھ میں شاہ جہاں نے تعمیر کرایا اور لاکھوں روپیہ کا سامان جھاڑ فانوس، قندیل، شامیانے اور خیمے شاہانہ مراتب کے مقدار پر رکھا گیا۔ یہ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے۔ سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں اس مقبرہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اور بیش قیمت جواہرات یہاں سے نکال کر لے گئے۔ اور ان جواہرات سے امرتسر میں اپنے گردوارہ کو آراستہ کیا۔[1]

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں!
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

(صفحہ ۱۰۷)

"مجنون"۔ مجنون کا اصلی نام قیس تھا مگر عشق کی دیوانگی کے سبب اس کو مجنوں کہا کرتے تھے۔ ملوح بن فراخم جو قبیلۂ بنی عامر کا رئیس و سردار تھا اس کا باپ تھا اور یہ نجد واقع عرب کا باشندہ تھا۔ قیس نے اپنے بچپن میں لیلیٰ کو دیکھا تھا اسی دن سے اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ آخر میں یہ بات اس کے والدین کو معلوم ہو گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قیس کی شادی لیلیٰ سے ہو مگر ہر طرح کی کوشش کے باوجود ناکام رہے۔ ادھر قیس پر اس عشق کا کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے گھر کے الوان نعمت کو ٹھکرا کر صحرا نوردی اختیار کی اور اسی صحرا نوردی میں جان دے دی۔ قیس صاحب دیوان شاعر تھا۔ اس کے عربی دیوان سے اس کے عشق کی داستان مرتب کی جا سکتی ہے۔ قیس کا زمانہ ہشام بن عبد الملک (۶۷۴ء) کا عہد تھا۔[2]

---

[1] کنہیا لال۔ تاریخ لاہور [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۹۶
سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۴ صفحہ ۲۹۵-۲۹۸

"لیلیٰ" - لیلیٰ ایک شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ ہر چند کہ اسے قیس سے محبت تھی۔ لیکن خاندان کی ناموس کی خاطر وہ زبان سے کچھ کہہ نہ سکی تھی۔ اس کا عقد ایک اور شخص سے کر دیا گیا۔ لیکن یہ وہاں خوش نہ رہ سکی۔ کہا جاتا ہے کہ لیلیٰ سیاہ فام تھی لیکن مجنون پھر بھی اس پر حد درجہ فریفتہ تھا۔[۱]

خاک اس بستی کی ہو کیوں کر نہ ہمدوش ارم

جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم

(صفحہ ۱۵۶)

"ارم" - مراد باغ ارم سے ہے۔ باغ ارم ایک مشہور کافر بادشاہ شداد نے بنوایا تھا۔ اور یہ بادشاہ خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ یہ باغ بہشت کی بجائے تعمیر کیا گیا تھا۔ اور اس میں حوروں کی جگہ خوبصورت عورتیں اور غلمانوں کے عوض حسین امرد تھے۔ جس وقت باغ تیار ہوا اور شداد اس کو دیکھنے کے لئے گیا تو خدا کے حکم سے گھوڑے کی رکاب میں سے پیر اتارنے بھی نہ پایا تھا کہ روح قبض ہو گئی۔ اور سارا دعویٰ خدائی رکھا ہی رہا۔ اس باغ کے تین طبقے تھے اور ہر طبقہ ایک نئے انداز پر آراستہ کیا گیا تھا۔[۲]

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگزر چشم کوہ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور!

(صفحہ ۱۶۴)

"کوہ نور" - کوہ نور ہند و پاکستان کے ایک بہت بڑے اور مشہور ہیرے کا نام جس کے برابر تمام دنیا میں اس وقت تک کوئی ہیرا دستیاب نہیں ہوا۔ اگرچہ اس ہیرے کی نسبت عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ سے تین ہزار برس پیشتر راجہ کرن انگھ جو مہابھارت کے مشہور سورماؤں میں سے تھا پہنا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ہیرا راجہ بکرماجیت والئ اجین کی ملکیت میں آگیا تھا۔ جب تک مسلمانوں کی حکومت نہیں آئی۔

---

[۱] سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۴ صفحہ ۲۴۲

[۲] " " " " ج ۳ صفحہ ۱۷۱

یہ ہیرا راجگان مالوہ کے قبضہ میں رہا۔ مگر اس کے نام کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یا تو مہا بھارت کے زمانے میں اس ہیرے کا یہ نام نہ ہوگا یا بعد میں یہ حکایت اس سے متعلق کی گئی ہوگی۔ غرض یہ ہیرا کسی زمانہ میں گولکنڈہ سے برآمد ہوا تھا جس کی نسبت محمد ظہیرالدین بابر نے اپنی تزک بابری میں لکھا ہے کہ گوالیار کے ایک راجہ نے جو اس زمانے میں سلطان ابراہیم لودھی کی بجائے آگرہ میں حکمرانی کر رہا تھا لوٹ سے محفوظ رہنے کے شکریئے میں میرے بیٹے نصیرالدین ہمایوں کی نذر کیا تھا۔

ہندوستان میں دو ہیرے مشہور تھے۔ ایک کوہ نور دوسرا دریائے نور۔ یہ دونوں ہیرے ۱۷۳۹ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد دہلی کی لوٹ سے نادر شاہ کے تصرف میں آئے تھے اور وہ انہیں ایران لے گیا تھا۔ جن میں سے دریائے نور تو ایران کی ملک ہوگیا اور کوہ نور ملکہ ایزبتھ دوم کے تاج کی زینت بنا۔

۱۸۲۹ء میں یہ ہیرا انگریزوں کے قبضہ میں آیا اور ۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو قیصرۂ ہند کے حضور میں پیش ہوا۔ اب اس کا وزن صرف $102\frac{1}{2}$ قیراط رہ گیا ہے۔[۱]

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے ؟ شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے ؟

(صفحہ ۱۷۹)

"درِ خیبر"۔ ۷ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر اس مہم پر روانہ کیے گئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت علی نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ قیصر کا شہر حضرت عمر کے عہد میں فتح ہوا۔[۲]

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے! (صفحہ ۱۸۱)

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۴۷۴۔ سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۳ صفحہ ۵۹۸ - ۵۹۹۔

[۲] حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۲۷۹ - ۲۸۰

اس شعر میں عقبہ بن نافع کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۶۲ھ (۸۱-۶۶۸ء) میں یزید نے ان کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی اولاد کو اس سلسلے میں جمع کر کے کہا کہ "میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے۔ لہٰذا جب تک زندہ رہوں گا کفار سے جہاد کرتا رہوں گا۔" چنانچہ وہ فتوحات کرتے ہوئے اور دشمن کو شکست فاش دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ خشکی کی حد ختم ہو گئی اور بحرِ ظلمات کے کنارے پہنچ گئے تو انہوں نے کہا "اے میرے خدا! اگر یہ بحر زخار درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہوا اسی طرح آگے بڑھتا ہوا چلا جاتا۔"[۱]

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

(صفحہ ۱۹۵)

"رام"! رام کا پورا نام رامچندر تھا۔ یہ اجودھیا کے راجہ دشرتھ کے بڑے لڑکے تھے۔ ان کا حال تفصیل سے رامائن میں درج ہے۔ سناتن دھرمی ہندو ان کو خدا کا ساتواں اوتار مانتے ہیں۔ انہوں نے لنکا کے راجہ راون کو شکست دی۔ رام بہت بہادر، پاک طینت اور اپنے باپ کے فرمانبردار بیٹے تھے۔ چنانچہ انہوں نے باپ کی خواہش پر چودہ سال کے لئے بن باس اختیار کیا اور دنیا کے سامنے اتباع والدین کا ایک قابل قدر نمونہ پیش کیا۔[۲]

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں!

(صفحہ ۲۲۲)

"ڈھونڈنے والوں" اشارہ کولمبس کی طرف ہے۔

کرسٹوفر کولمبس (CHRI STOPHER COLUMBUS) ۱۴۴۶ء میں

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۴۳۔ قاضی زین العابدین۔ تاریخ ملت ج ۳ صفحہ ۹۷-۱۰۰
[۲] سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۲ صفحہ ۳۴۴

پیدا ہوا۔ اس کا باپ دولتمند تاجر تھا۔ کچھ عرصہ اس نے بھی اپنے باپ کا تجارت میں ساتھ دیا۔ اس کا کچھ وقت پے ویا (PAVIA) کی یونیورسٹی میں گذرا۔ چودہ سال کی عمر میں اس نے بحری سفر اختیار کیا۔ اس زمانے کے ملاح اچھے سپاہی تھے۔ چنانچہ اس کو بھی ایک جنگ میں حصہ لینا پڑا۔ اس کے ابتدائی بحری سفروں کا حال بہت کم معلوم ہے۔ ۱۴۷۴ء میں کولمبس نے ہندوستان پہنچنے کا عزم کیا۔ اس سفر کے سلسلہ میں اس کو ایک عالم ہیئت کی بھی تائید حاصل تھی۔ کولمبس نے متعدد بحری سفر کئے۔ اگرچہ کولمبس ہندوستان نہ پہونچ سکا لیکن امریکہ (نئی دنیا) کی دریافت کا سہرا اس کے سر رہا۔ اس سفر میں اس کے بعض عزیز بھی شریک تھے اور اس کی ہر طرح مدد کرتے رہتے تھے۔ کولمبس کا انتقال ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء کو ہوا۔[1]

حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے　　　تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

(صفحہ ۲۲)

"حیدری فقر" حضرت علی جب کوفہ تشریف لائے تو دار الامارت کی بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن خطاب نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے مجھے بھی اس کی حاجت نہیں میرے لئے میدان کافی ہے۔[2]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زریر آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے۔ دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا انہوں نے کہا علی آپ کو پرند کا گوشت پسند نہیں ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ عبداللہ خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے۔ ایک خود کھائے اور اپنے بچوں کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔[3]

---

(1) CHAMBERS'S ENCYCLOPAEDIA VOL. III PP 368-369

[2] حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۳۵۷

[3] مسند احمد ج ا صفحہ ۷۸

"دولت عثمانیہ" حضرت عثمان خلیفۂ سوم عرب میں سب سے زیادہ دولتمند تھے۔ اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی اور مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا۔ جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔ آپ کی فیاضی کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے غزوۂ تبوک کی موقع پر ہزاروں روپیہ کے صرف سے سامان جنگ سے مجاہدین کو آراستہ کیا۔ یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جب کہ عام طور پر مسلمان عسرت اور تنگی سے پریشان تھے اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول کریم کو تشویش تھی۔[1]

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

(صفحہ ۲۳۹)

ستمبر ۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو اس وقت ترکی کے قبضہ میں صرف دو جنگی جہاز تھے اور وہ بھی خراب حالت میں! جہاں تک ترکی کی بری فوج کا تعلق ہے اس کا راستہ بھی اطالیہ کے ساتھی ملک برطانیہ نے مصر کی ناکہ بندی کرکے روک دیا تھا۔ اس لئے شیخ سنوسی مرحوم نے جو طرابلس عربوں کے دینی اور سیاسی قائد تھے اسلام کی عظمت رفتہ کو قائم رکھنے کے لئے جہاد کا حکم دیا اور مسلمان اس بے سروسامانی کی حالت میں بھی شوق جہاد میں میدان جنگ میں کود پڑے۔ اس بے سروسامانی کا کچھ حال اس امر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فاطمہ بنت عبداللہ ایک عرب لڑکی میدان جنگ میں مشکیزہ لئے ہوئے زخمیوں کو پانی پلاتی پھر رہی تھی۔ اس وقت فاطمہ کی عمر صرف چودہ سال کی تھی لیکن اس میں ہمت و جرأت بے پناہ تھی۔ بالآخر وہ زخمیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی۔[2]

---

[1] حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۲۶۰۔۲۶۱

[2] مولانا ابوالکلام آزاد۔ الہلال ۱۳ر نومبر ۱۹۱۲ء

گرد صلیب گرد قمر حلقہ زن ہوئی　　شکری حصار درنہ میں محصور ہوگیا

صفحہ ۲۴۲

"شکری" اشارہ ہے غازی شکری پاشا کی طرف۔

شکری پاشا ۱۸۵۶ء میں بمقام روم ایبیریا پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان فوجی خدمات کے لئے مشہور رہا ہے۔ شکری نے آستانہ کے مشہور مدرسہ حربیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۵ء میں ترکی فوج میں لفٹنٹ مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ان کو فنون حربیہ کی تکمیل کے لئے جرمنی بھیجا گیا۔ قیصر ولیم اول ان کی جنگی صلاحیتوں کا بڑا مداح تھا۔ شکری نے جنگ بلقان میں غیر معمولی بہادری دکھائی اور ابتدا میں بلغاریوں کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن کسی وجہ سے یہ جنگ کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ آخر ۴ر فروری ۱۹۱۳ء کو ایڈریا نوپل پر گولہ باری سے یہ جنگ پھر شروع ہوگئی بالآخر بلغاریوں نے ۲۶ر مارچ کو اس پر قبضہ کرلیا اور شکری پاشا مع اپنی فوج کے گرفتار ہوئے۔ بعد ازاں بلغاروی اور ترکی افواج میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے طرفین کے جنگی قیدی چھوڑ دیئے گئے چنانچہ شکری پاشا کو بھی رہا کر دیا گیا۔[۱]

رہیلہ کس قدر ظالم جفا جو کینہ پرور تھا　　نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے

(صفحہ ۲۴۳)

"رہیلہ" غلام قادر خاں رہیلہ نواب ضابطہ خاں کا بیٹا اور امیر الامرا وکیل مطلق نواب نجیب الدولہ کا پوتا تھا۔ نواب نجیب الدولہ نے مرہٹوں کا اقتدار ختم کرنے کی غرض سے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ پانی پت کی تیسری مشہور اور فیصلہ کن جنگ کے بعد ہندوستان میں مرہٹوں کا اقتدار بالکل ختم ہوگیا۔

جب تک نواب نجیب الدولہ زندہ رہے مرہٹوں کو ان کا مقابلہ کرنے کی

---

[۱] عبدالمجید عتیقی۔ ترکان احرار صفحہ ۱۷۸-۱۸۴

ہمت نہ ہوئی۔ ان کے بعد ان کے لڑکے سے انتقام لینے کی غرض سے شاہ عالم ثانی کے وزیر نجف خاں کو جو رہیلہ پٹھانوں سے للّٰہی بغض رکھتا تھا اپنے ساتھ ملایا بعد ازاں شاہ عالم ثانی کو بھی اپنے ہمراہ کرلیا۔۱۷۷۲ء میں شاہ عالم مرہٹوں کا دست راس بن کر رہیلوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو شکست فاش دی۔ اس شکست میں رہیلہ سرداروں کی خواتین کی بڑی بے عزتی کی گئی۔ اس وقت غلام قادر خاں کی عمر تقریباً ۱۳ سال کی تھی۔ اس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جب شاہ عالم مرہٹوں اور افغانوں کی امداد سے محروم ہوگیا تو غلام قادر خاں نے اس سے انتقام لیا اور وہ اس طرح کہ اس کی آنکھیں نکلوا کر اپنے دل کی بھڑاس کو بجھایا۔ غلام قادر خاں رہیلہ کا انتقال ۱۷۸۸ء میں ہوا۔[۱]

"شاہ تیموری" اشارہ شاہ عالم ثانی کی طرف ہے۔

شاہ عالم کا اصلی نام عالی گہر تھا۔ تاریخ پیدائش ۱۵۔جون ۱۷۲۸ء ہے۔ ۱۷۵۸ء میں اس خوف سے کہ عماد الملک غازی الدین خاں وزیر مملکت کہیں قید نہ کرے شاہ عالم قسمت آزمائی کے لئے دہلی چھوڑ کر بنگال پہنچا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو معزول کرکے میر جعفر کو مسند نشین کیا تھا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کا اعلان کردیا جو اس وقت دلّی میں موجود نہ تھا۔ یہ واقعہ ۲۵ر دسمبر ۱۷۵۹ء کا ہے۔ شاہ عالم نے بہار کو واپس لینے کے لئے انگریزوں سے جنگ کی لیکن بکسر کی مشہور جنگ میں شکست کھا کر ان سے صلح کرلی اور الہ آباد چلا آیا۔ یہاں ۱۲ر اگست ۱۷۶۵ء کو بنگال کی مسند ایسٹ انڈیا کمپنی کو ادا کی۔ کمپنی نے

---

[۱] سید الطاف علی۔ حیات حافظ رحمت خاں۔

BEALE-AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY P. 145

THE CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA, VOL. IV P. 448

بنگال بہار اور اڑیسہ کے محاصل میں سے ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کو ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۷۷۱ء تک شاہ عالم الہ آباد میں بیکار پڑا رہا۔ اسی سال کے آخر میں ۲۵ دسمبر کو دہلی پہنچا۔ شاہ عالم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا۔ آفتاب تخلص تھا۔[۱]

ارشاد سن کے فرط طرب سے عمر اٹھے   اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

(صفحہ ۲۵۰)

اس شعر میں غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عمر زیادہ دولتمند نہ تھے۔ تاہم جو کچھ انہوں نے خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا۔ ۹ھ (۶۳۰ء) میں رسول کریم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لئے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے نصف لے کر پیش کیا۔[۲]

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس   صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

(صفحہ ۲۵۱)

"صدیق" اقبال نے اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ رسول اکرم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقمیں پیش کیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر نے اپنا کل مال و متاع رسول کریم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ میرے لئے بس آپ کی رفاقت کافی ہے۔[۳]

نانک

(صفحہ ۲۷۰)

گرو نانک تلونڈی ضلع لاہور میں ۱۴۶۹ء میں ایک کھتری خاندان میں پیدا

---

(1) THE CAMBRIDGE HISTORY OF INIDA VOL. IV PP. 343-444

۲۔ معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۹۵-۱۸۲

۳۔ حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۱۲-۹۴

ہوئے۔ وفات ۱۵۲۹ء میں بمقام موضع کرتار پور پائی۔ سکھوں کے فرقے کے بانی تھے۔ بچپن ہی سے گرونانک کو بت پرستی اور توہمات سے نفرت تھی۔ جو روپیہ ان کے ہاتھ لگتا وہ غریبوں اور محتاجوں کو دے دیتے۔ آخر میں سیر و سیاحت کے لئے نکلے افغانستان ایران، ترکستان وغیرہ کا سفر کیا۔ اکثر پند و نصائح میں مصروف رہتے۔ گرو نانک تمام عمر توحید اور مساوات کا سبق دیتے تھے[لہ]

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے   دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا

(صفہ ۲۷۲)

"پورس"۔ اسکندر رومی نے ۳۳۱ ق م اربیلا کے مقام پر ایران کے بادشاہ دارا کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ۳۲۶ ق م میں سکندر نے اٹک کے قریب دریائے سندھ کو عبور کیا اور جہلم کے نزدیک پنجاب کے راجہ پورس کو شکست دی[لہ]

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

(صفہ ۲۸۵)

"مرحبی اور عنتری" کا اشارا مرحب اور عنتر کی طرف ہے۔

۷ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ حضرت علی نے جب خیبر فتح کیا۔ تو اس وقت جہاں اور یہودیوں سے لڑنا پڑا وہاں ان کے ایک بہادر سردار مرحب سے بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ جب مرحب حضرت علی سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آیا تو بڑے جوش و خروش سے رجز پڑھتا ہوا نکلا حضرت علیؓ اس متکبرانہ رجز کا جواب

لہ جامع اللغات ج ۴ صفہ ۶۸۶

لہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۸ صفہ ۲۹۷

دیتے ہوئے آگے بڑھے اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ مرحب شاعر بھی تھا۔[1]

"عنتری"۔ عنتر خیبر کا ایک پہلوان جو جنگ خیبر میں مرحب کی طرح حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

رجز ابو اللیث عنتر در غزاءِ خیبر

انا ابو اللیث و اسمی عنتر — شاکی السلاح و بلادی خیبر

میں ابو اللیث ہوں اور میرا نام عنتر ہے۔ میں ہتھیار باندھنے والا ہوں اور میرا وطن خیبر ہے۔

جواب رجز عنتر بالہام خدای اکبر

اختار اللہ العلی الاکبر — الیوم یرضیہ و یخزی عنتر[2]

خدائے بزرگ و برتر نے یہ پسند کیا کہ آج کا دن اس کو خوش اور عنتر کو رسوا کرے۔

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش — اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات!

(صفحہ ۲۹۷)

"ساحر الموط" مراد حسن بن صباح ہے۔

حسن بن صباح چوتھی صدی ہجری کے شروع میں طوس میں پیدا ہوا خواجہ حسن نظام الملک مشہور وزیر دربار سلجوقی کا ہم مکتب اور دوست تھا۔ نظام الملک کی سفارش سے الپ ارسلان سلجوقی کے دربار میں میر نقیب مقرر ہو گیا لیکن بعد میں وہ خود اپنے محسن نظام الملک کا دشمن بن گیا اور دربار سے نکالا گیا۔ شام میں پہنچ کر فرقۂ اسمٰعیلیہ کے پیشوا کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور تمام عمر اسی فرقے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام بہامش الروض الانف ج ۲ صفحہ ۲۳۸ جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۸ صفحہ ۳۳

[2] میر حسن میبذی۔ شرح دیوان امیر المومنین صفحہ ۲۰ مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ھ

کے عقائد کی تعلیم و تلقین کرتا رہا۔ اس نے کوہ البرز کے شاداب علاقہ میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر قلعہ الموط میں ایک جنت ارضی بنائی جس میں جارجیا اور کوہ قاف کی حسین عورتیں جمع کی تھیں۔ اس کے عقیدتمند جو دور و دراز سے اس کے پاس آتے وہ ان کو بھنگ کے نشہ میں سرشار کر کے اس جنت ارضی کی سیر کراتا۔ اس کی جماعت کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور جب یہ تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ ۱۰۸۹ میں ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جو لوگ اس کے مرید تھے وہ باطنی یا فدائی کہلاتے تھے اور بھیس بدل کر اپنے مخالفین کو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتے۔ حسن بن صباح نے اپنا یہ کام ایک جماعت کے سپرد کر دیا تھا اس جماعت نے اس کام کو جاری رکھا۔ ظاہر ہے اس کی مخالفت اسلام کی طرف سے ہو سکتی تھی اس لئے اسلام کو حسن بن صباح کی ذات سے سخت نقصان پہنچا۔ ۱۱۲۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔[۱]

بہ مشتاقان حدیث خواجۂ بدر و حنین آور

تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکارا آمد

(صفحہ ۳۱۵)

"خواجۂ بدر و حنین" اشارہ رسول کریم صلعم کی طرف ہے۔ بدر سے جنگ بدر مراد ہے جو ۲ ھ (۶۲۳) میں ہوئی اور حنین سے جنگ حنین کی طرف اشارہ ہے۔ جو ۸ ھ (۶۲۹ء) میں وقوع پذیر ہوئی۔

رسول کریم عرب کے مشہور خاندان قریش سے تھے۔ کعبہ کی کلید برداری ہمیشہ سے آپ کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ آپ کا خاندان عرب کا نہایت معزز خاندان تھا۔ آپ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی۔ آپ کے والد عبداللہ نے آپ کی ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد انتقال کیا اور آپ کی والدہ نے بھی ۶ سال کی قلیل مدت کے بعد آپ کے عہد طفلی میں رحلت کی۔ آپ کی پرورش اور تربیت آپ کے

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۲۷۶

چچا ابوطالب نے کی۔ آپ امی تھے یعنی کسی سے تعلیم نہیں پائی تھی۔ بچپن سے صادق، امین اور ہمدرد بنی نوع انسان رہے۔ آپ کی راستبازی اور امانت کے شہرہ کی بنا پر حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کیا۔ آپ کو بت پرستی سے ہمیشہ نفرت رہی۔ آپ عبادت الٰہی کی غرض سے غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے۔ سب سے پہلے وحی الٰہی یہیں نازل ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال تھا۔ آپ دین حق کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور مکہ کے لوگ طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے۔ آخر کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اپنے چچا کے انتقال کے بعد آپ طائف تشریف لے گئے وہاں بھی لوگوں نے بے رحمی اور بے ادبی سے کام لیا۔ نبوت کے بارہویں سال واقعہ معراج پیش آیا۔ جب کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ اسی وقت سے مسلمانوں کا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد کفار سے مقابلے ہوتے رہے۔ کفار کے مقابلہ میں غزوہ بدر میں اسلام کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع واقع ہوا اور آپ مکہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے مسلمانوں کو خطبہ کے ذریعہ سے مختلف پند و نصائح فرمائے۔ ان خطبوں میں زور اخلاص عمل، مسلمانوں کی جماعت میں شرکت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ نے مسلمانوں کے درمیان ان کی ہدایت کے لئے قرآن چھوڑا جو وقتاً فوقتاً آپ پر خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ قرآن حضرت عثمان کے عہد خلافت میں مدون کیا گیا جو آج تک بغیر کسی تغیر و تبدل کے دنیا میں بنی نوع انسان کی رہبری کے لئے موجود ہے۔ لہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(صفحہ ۳۱۸)

لہ شبلی سیرت النبی۔ قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ للعالمین۔

"نمرود": نمرود کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے۔ بڑا جابر بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت بابل کے گردو نواح میں تھی۔ اٹھارویں صدی قبل مسیح میں نمرود کے مورث اعلیٰ نے بابل کو فتح کیا تھا۔ اس نے چند شہر آباد کئے جن میں نینوا بہت مشہور ہے۔ میر (MEYER) کا کہنا ہے کہ لیبیا میں نمرود نام عام ہے۔

حضرت ابراہیم کے زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ خود کو رب اور مالک جانتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح اس کو اپنا خدا اور معبود جانتی اور اس کی بھی اسی طرح پرستش کرتی تھی۔ جس طرح دوسرے دیوتاؤں کی بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ اس لئے کہ وہ صاحب عقل و شعور بھی ہوتا تھا اور صاحب تخت و تاج بھی۔ اسی نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈلوایا تھا۔ لیکن آگ خدا کے حکم سے حضرت ابراہیم کے لئے سلامتی کا موجب بن گئی تھی۔[۱۵]

حضرت کرزن کو اب فکر مداوا ہے ضرور　　حکم برداری کے معدے میں ہے درد لایطاق

(صفحہ ۳۳۴)

"کرزن" کرزن جنوری ۱۸۹۹ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس کو آزاد قبائل سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک نیا صوبہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے نام سے بنایا۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن نے شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے سلسلے میں دلی دربار کی صدارت کی۔ کرزن دوبارہ ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ لارڈ کچنر سے کرزن کا فوجی معاملات میں اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کی بنا پر کرزن ۱۹۰۵ء میں استعفیٰ دے کر انگلستان واپس چلا گیا۔ ۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا چانسلر مقرر ہوا اور کئی نئی تجاویز یونیورسٹی آئین کے بارے میں عمل میں لایا۔

---

۱۵ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۱ صفحہ ۱۷۴-۱۸۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفحہ ۴۶۱ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

کرزن ہی کے زمانے میں تقسیم بنگال کا مسئلہ پیدا ہوا لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۹۱۱ء میں یہ مسئلہ خود بخود حل ہوگیا کیونکہ تمام ملک بنگال کی تقسیم کے خلاف متحد تھا۔ کرزن کا سال پیدائش ۱۱ر جنوری ۱۸۵۹ء اور سال وفات ۲۰ر مارچ ۱۹۲۵ء ہے [۱]

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا   تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

(صفحہ ۲۳۶)

"امیر فیصل"۔ مراد فیصل الحسین شریف حسین کے تیسرے لڑکے سے ہے۔

"سنوسی":۔ محمد بن علی بن سنوسی بانیٔ فرقۂ سنوسیہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے افریقہ میں فرقہ سنوسیہ قائم کیا تھا۔ ان کا سال پیدائش ۱۷۸۷ء اور سال وفات ۱۸۵۹ء ہے۔ سنوسی تحریک وہابی تحریک سے متاثر تھی۔ محمد علی سنوسی کے دو لڑکے تھے۔ محمد شریف اور المہدی۔ المہدی چھوٹا تھا لیکن جانشینی اسی کو نصیب ہوئی۔ یہ ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوا۔ اس نے کبھی مہدی موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگرچہ اس کے بعض پیرو ایسا خیال کرتے رہے۔ المہدی کے انتقال کے وقت اس کے لڑکوں کی عمر بہت کم تھی چنانچہ اس کا ایک بھتیجا احمد الشرف جانشین ہوا۔ سیدی احمد ترکوں کے ساتھ اطالوی فوج کا مقابلہ کرتا رہا۔ ترک اس کی شجاعت کے لئے مداح تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد سیدی احمد کو المہدی کے لڑکے سید محمد آل ادریس کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب کہ ۱۸-۱۹۱۷ء میں ترک اور جرمن اقتدار کم ہونے لگا تھا۔ سنوسی فرقہ کی انقلابی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ فرانس اور برطانیہ کو اس کی جانب سے بڑا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ امیر فیصل ترکوں کے ساتھ بغاوت میں باغیوں کی امداد میں پیش پیش تھا اور یہ بات سنوسی کے لئے ناقابل برداشت تھی چنانچہ اس نے غیرت ملی کو کام میں لانے کے لئے پیغام بھیجا۔ [۲]

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۶ صفحہ ۹۰۰-۹۰۱

(1) DELACY O'LEARY, ISLAM AT THE CROSSROADS PP. 44-46

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۰ صفحہ ۳۳۱-۳۳۴ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

زبورِ عجم

(طبع چہارم ستمبر ۴۸ء۱۹)

آں فقر کہ بے تیغے صد کشور دل گیرد ازشوکتِ دارا بہ از فرِ فریدوں بہ

(صفہ ۳۲)

"فریدون": فریدون قدیم زمانے میں فارس کا بادشاہ تھا۔ اس کا دورِ حکومت بہت طویل بتایا گیا ہے۔ ضحاک ظالم بادشاہ فارس کو قتل کر کے فریدون نے سلطنت حاصل کی جب کہ ضحاک کے مظالم حد سے بڑھ چکے تھے۔ فریدون کا عہدِ حکومت عمدگی اور خوشحالی سے گذرا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سام تور اور ایرج۔ تخت کے لئے ان میں جنگ ہوئی اور آپس میں قتل ہوئے۔ نتیجہ میں فریدون کا پوتا منوچہر تخت نشین ہوا۔[لہ]

خیز کار ایبک و سوری نگر وانما چشمے اگر داری نظر

(صفہ ۲۶۲)

"ایبک": قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ اصل میں یہ شہاب الدین غوری کا غلام تھا جس نے پہلے اس کو فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور کیا بعد ازاں اس کو ۱۱۹۲ء میں اپنا نائب مقرر کیا۔ اسی سال قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی کو فتح کیا اور بنگال کی حکومت کی توسیع کی۔ ۱۲۰۶ء میں ایبک نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور دہلی پایۂ تخت بنایا۔ ہندوستان کا پہلا اسلامی بادشاہ یہی ہے اور مورخین جس پہلے شاہی خاندان کو خاندان غلامان کہتے ہیں اس کا بانی بھی ایبک ہی تھا۔ اس نے ایک عالیشان مسجد قطب الاسلام کے نام سے تعمیر کرائی۔ جسے قوۃ الاسلام بھی کہتے ہیں۔ ایبک ۱۲۱۰ء میں گھوڑے سے گر کر بمقام لاہور

لہ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیان صفہ ۶۲۸

SIR PERCY SYKES, A HISTORY OF PERSIA, VOL. I P. 135

فوت ہوا۔ اور یہیں دفن ہوا۔ وہ بڑا سخی بادشاہ تھا۔[1]

"سوری" مراد شیر شاہ سوری سے ہے۔

شیر شاہ سوری کا اصلی نام فرید تھا۔ اس کا باپ حسن خاں خاندان سور کا ایک افغان تھا۔ شیر شاہ نے اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ترقی کی۔ ابتدا میں وہ محمد لوہانی بادشاہ بہار کے ہاں ملازم رہا۔ یہیں اس نے ایک شیر کا شکار کیا جس پر شیر خاں خطاب ملا اور شیر شاہ مشہور ہوا۔ شیر شاہ ۱۴۷۲ء میں پیدا ہوا۔ اور ۲۲ رمئی ۱۵۴۵ء کو انتقال کیا۔ اس نے ہندوستان پر تقریباً پانچ سال حکومت کی اور نہایت لائق و کامیاب حکمران ثابت ہوا۔ اس کا دورِ حکومت گو قلیل عرصہ رہا تاہم اس نے بہت کچھ کیا۔ شیر شاہ سوری نظام سلطنت میں اکبر کا پیشرو ہے کہ اکبر نے بہت سی اصلاحات شیر شاہ ہی کے نظام سلطنت سے لے کر اور ان میں ضروریات زمانے کے مطابق تبدیلی کر کے قبول کیں۔[2]

---

(1) THE CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA,
VOL. iii PP 41-48

DR. SYED MOINUL HAQ, A SHORT HISTORY OF THE DELHI SULTANATE PP 65-74

(2) DR. R.C. MAJUMDAR, AN ADVANCED HISTORY OF INDIA PP. 434-443.

جاوید نامہ

(طبع دوم ۱۹۴۷ء)

ضرب قلندری بیار سد سکندری شکن رسم کلیم تازہ کن رونق ساحری شکن

(صفحہ ۲۵)

"سد سکندری"؛ سد سکندری سکندر اعظم نے نہیں بلکہ ذوالقرنین نے بنوائی تھی۔ محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حملۂ اسکندر سے پہلے کا عہد دوسرا طوائف الملوکی کا عہد اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس (سائرس) کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کو یہودی خورس یونانی سائرس (CYRUS) فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔

قرآن میں ذوالقرنین کا واقعہ (۱۸/۸۳-۹۹) تفصیل سے درج ہے۔ قرآن نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے اس کا اطلاق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے ذوالقرنین کو حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کئے پھر مشرقی پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

تمام عرب مورخین کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے یہ دیوار تعمیر کی تھی۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔

جوزیفس اور پروکوپیس (PROCOPIUS) دونوں یہ روایت نقل کرتے

ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

اصل یہ ہے کہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کئے تھے اور درہ داریال کی سد وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔

سائرس ۵۵۰ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ ق م فوت ہوا۔ مذہباً زردشتی تھا اور زردشت کا ہم عصر بھی۔[۱]

از جمال زہرۂ بگداختی   دل بہ چاد بابلے انداختی

(صفحہ ۳۶)

مشہور ہے کہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے۔ اور فعل بد کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش میں دونوں فرشتے چاہ بابل میں آج تک الٹے لٹک رہے ہیں اور زہرہ ان فرشتوں سے اسم اعظم سیکھ کر اس کی برکت سے آسمان پر چڑھ گئی اور ستارہ کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔

ہر چند کہ ہاروت و ماروت اور زہرہ کا یہ قصہ بعض احادیث میں مروی ہے مگر باتفاق محدثین وہ احادیث شاذ و ضعیف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ قصہ یہود کی کتابوں میں سے ہے۔ اور ان کے بہتانات میں ہے۔[۲]

---

۱ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن ج ۲ صفہ ۳۹۹۔۴۳۰

مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۳ صفہ ۱۳۲۔۲۷۴

HERODOTUS—VOL. I BOOK I PP. 352; XENOPHON — THE PERSIAN EXPEDITION, BOOK I PP. 17-59; THE HISTORIANS' HISTORY OF THE WORLD, VOL. II PP. 587-600

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۶ صفہ ۹۳۹۔۹۴۰

جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۴ صفہ ۴۰۲۔۴۰۵

۲ مولانا محمد نذیر عرشی۔ مفتاح العلوم ج ۱ صفہ ۲۳۴۔۲۳۵

(صف ۵۱) آزمائش کردن اہرمن زرتشت را

"زرتشت": نواح مشرق کے اس حصہ میں جو اب سرزمین افغانستان میں شامل ہے غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشت (زراتشترا) ایک اصلاح شدہ مزدائیت کا پیغمبر بن کر آیا۔ زرتشت کا مذہب ایک ناکامل توحید ہے ربانی ہستیوں کی وہاں کثرت ہے اس طرح پر کہ مزدا گویا ذات ہے اور وہ سب اس کی تجلیات یا صفات ہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی مشیت کو کہ وہی مشیت ایزدی ہے نافذ کرنے والی ہیں۔ مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت کا عقیدہ محض ظاہری ہے کیونکہ دو عالمگیر روحوں (یعنی روح خیر اور روح شر) کے درمیان جو جنگ جاری ہے وہ بالآخر روح خیر کی فتح پر منتہی ہوگی۔

زرتشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصل محور ہے۔ پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں "اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا۔" زرتشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا رد عمل ہے۔

چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زرتشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ زرتشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ ق م سے لے کر ۵۸۳ ق م تک ہونا چاہیئے۔[۱]

---

[۱] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۳۲-۴۳
PROFESSOR GRUNDY, UNIVERSAL HISTORY OF THE WORLD VOL II P. 1130

آن فلاطوس آن صلیب آن روئے زرد — زیر گردوں تو چہ کردی او چہ کرد!

(صفحہ ۵۶)

"فلاطوس" فلاطوس (PONTIUS PILATE) پانچواں رومی حاکم تھا۔ جس نے ۲۶ء سے ۳۶ء تک حکومت کی۔ حضرت عیسیٰ کو مصلوب اسی کے زمانے میں کیا گیا۔ لوقا کی انجیل میں اسی کا ذکر موجود ہے۔ فلاطوس کے بارے میں بڑے قصے مشہور ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بلکہ بعض تو افسانوی حیثیت رکھتے ہیں جو اس کی زندگی اور خودکشی کے متعلق ہیں[1]

عجمی را اصل عدنانی کجاست — گنگ را گفتار سبحانی کجاست

(صفحہ ۵۹)

"عدنانی"۔ مراد عدنان سے ہے۔

حضرت اسمٰعیل نے بارہ لڑکے چھوڑے تھے جن میں ایک کا نام قیدار تھا۔ قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان نامے ہوئے۔ عرب کے وہ قبائل جو بنی اسمٰعیل کہلاتے ہیں زیادہ تر عدنان ہی کی اولاد ہیں اس لئے بنی اسمٰعیل کو عدنانی بھی کہا جاتا ہے آگے چل کر انہی بنی عدنان کی ایک شاخ بنو قریش کہلائی عدنان کی کنیت ابو معد تھی۔ رسول کریم کا نسب نامہ ان تک مسلسل پہنچتا ہے[2]

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر — رم خن و لات و منات و عسر و غسر

(صفحہ ۹۹)

"بعل"۔ شامی قوم کا معبود تھا۔ قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔

---

(1) JAMES HASTINGS, DICTIONARY OF THE BIBLE PP. 729-730

[2] شیخ عبداللہ بستانی۔ البستان ج ۲ صفحہ ۱۵۳۵ بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

ابن بغدادی۔ سبائک الذہب صفحہ ۱۹

بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔ اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا اسی بعل کی تحریف ہے۔

"مردوخ" اس کی پرستش اہل بابل کرتے تھے۔ اس کا ذکر توریت میں بھی ہے۔

"یعوق" عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے۔ اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا۔ یعوق کے معنی روکنا ہے یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے۔ اس کی ہمدان میں بھی پرستش ہوتی تھی۔

"نسر" نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں۔ اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔ نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا۔ اس کے متعلق تو بہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے۔ ایک پرندہ کی شکل پر تھا نسر حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا بھی معبود تھا۔

"عسر"۔ عسر (OSIRIS) مصریوں کا معبود اعظم تھا۔

"غسر"۔ رمخن اور غسر یہ تینوں فرضی نام ہیں۔[۵۱]

اے فواد اے فیصل اے ابن سعود — تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود!

(صفحہ ۱۱۰)

فواد کا اشارہ شاہ فاروق کے والد اسمٰعیل فواد کی طرف ہے۔ فیصل سے مراد موجودہ شاہ عراق کے والد فیصل الحسین اور ابن سعود سے مرحوم ابن سعود مراد ہیں۔

"فواد": اسمٰعیل فواد ۱۹۱۷ء میں تخت نشین ہوا۔ ۱۹ جولائی ۱۹۲۸ء کو اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی۔ اور خود حکومت کرنے کا عزم کر لیا۔ جمہوریت اور وفد پارٹی کا دشمن تھا۔ انگریزوں کے اشاروں پر کام کرتا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔[۵۲]

---

۵۱ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۸۲-۸۳ ج ۱۹ صفحہ ۱۲۱ ج ۸ صفحہ ۵۸-۶۷

۵۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۸ صفحہ ۹۶-۱۰۰ الف طبع ۱۹۵۰ء

"فیصل"۔ فیصل الحسین (۱۸۸۵-۱۹۳۳ء) عراق کا بادشاہ طائف میں پیدا ہوا۔ شریف حسین کا تیسرا لڑکا تھا۔ اس کا شجرۂ نسب حضرت فاطمہ سے جا ملتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں جدہ کا حاکم مقرر ہوا اور عربوں کی قومی تحریک میں آگے بڑھ کر خود کو پیش کیا۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے اپنے باپ کی فوج کی مکہ کے قریب قیادت کی۔ ۱۹۱۵ء میں شام کے ترکی گورنر کے دوش بدوش لڑتا رہا۔ لیکن دفعتہً سال نو کے آغاز میں حجاز کی طرف چلا آیا۔ جہاں اس نے عربوں کی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہ عرب فوج کا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے شام کی ریاست کا نظم ونسق سنبھالا اور پیرس کی امن کانفرنس میں شرکت کے بعد اپریل ۱۹۱۹ء میں شام واپس ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں شام کا بادشاہ مقرر ہوا لیکن فرانس سے اختلاف پر اس نے جولائی ۱۹۲ ء میں شام کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں عراق پہنچا۔ جہاں کثرت رائے سے جون ۱۹۲۱ء میں بادشاہ بنا۔ فیصل پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے ساتھ رہا۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا۔[۵]

"ابن سعود" عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن ابن فیصل ابن سعود شاہ حجاز نجد کے دار الخلافہ ریاض میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا انتقال ۱۹۲۸ء میں ہوگیا تھا۔ عبدالرحمٰن سلطان نجد امیر فیصل کے چار لڑکوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کے دو بڑے لڑکے تخت نشینی کے لئے باہم جنگ کرنے لگے۔ اور اس جنگ نے ایسی نازک صورت اختیار کرلی کہ بدنظمی تمام وسط ایشیا میں پھیل گئی۔ ابن رشید کا حریف خاندان شمالی نجد سے جنوب کی طرف بڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ ۱۸۹۱ء میں وہاب خاندان کو نکال باہر کیا اور خود ریاض پر قابض ہوگیا۔

۱۹۰۰ء میں ابن سعود کے باپ عبدالرحمٰن نے اپنے والد کے تخت کو حاصل کرنے

۵؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ صفحہ ۵۸۷-۵۹۱

کے لئے عزم صمیم کیا۔ اس کو شکست ہوئی۔ وہ اپنے لڑکے کے حق میں دست بردار ہو گیا چنانچہ عبدالعزیز نے دوسرے ہی سال دو سو آدمیوں کے ہمراہ حملہ کر دیا اور نجد پر قبضہ کر لیا۔ یہ ابن سعود کی بہادری کا غیر معمولی کارنامہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نجد کی حکومت کو فروغ دینا شروع کیا اور اس طرح عربوں میں اتحاد پیدا کر کے عرب سلطنت قائم کی۔

ابن سعود کو استحکام سلطنت کی خاطر ترکوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا۔ ترک مشرقی عرب پر قابض تھے۔ جب لڑائی ہوئی تو ان کو ابن سعود کے حق میں وہاں سے ہٹنا پڑا۔ ترکوں کے بعد ابن سعود نے اپنے دو قدیم حریفوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ ایک تو ان میں ابن رشید کا خاندان تھا اور دوسرا حجاز کا شاہ حسین۔ ابن سعود نے ان دونوں کو زیر کیا۔ ۸ر جنوری ۱۹۲۶ء کو ابن سعود نے حجاز کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ ایک سال کے بعد ان کو نجد اور اس کے متعلقات کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ جنگ عظیم میں ان کی ہمدردی انگریزوں کے ساتھ تھی۔ انہوں نے حکومت بڑے انصاف اور مستعدی سے کی۔ ان کے عہد حکومت میں سعودی عرب نے ہر طرح کی ترقی کی۔ وہ شدت سے قرون اولیٰ کے اسلام پر عامل تھے اور اپنے کو خدا کا خادم کہتے تھے۔ ابن سعود نے ۹ر نومبر ۱۹۵۳ء کو ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا اور طائف کے قریب دفن کئے گئے۔[1]

جعفر از بنگال و صادق از دکن   ننگ آدم ننگ دین ننگ وطن!

(صفحہ ۱۶۶)

"جعفر"۔ جعفر علی خاں تاریخ میں میر جعفر کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر میر جعفر کو ۱۷۵۷ء میں بنگال کا نواب

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ صفحہ ۳۴
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۴۱۴-۴۱۸

بنا دیا تھا۔ مگر وہ انتظام سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا اس وجہ سے معزول کردیا گیا۔ اور انگریزوں نے اس کی معقول پنشن مقرر کردی۔ اس کے بعد اس کا داماد میر قاسم علی خاں مسند نشین ہوا۔ میر قاسم نے اس کے بعد انگریزوں کی مخالفت کی اس لئے انگریزی فوج کو اس سے لڑنا پڑا آخر کار میر قاسم نے ۱۷۶۲ء میں شکست کھائی۔ اس واقعہ کے بعد انگریزوں نے پھر میر جعفر کو گدی پر بٹھایا۔ میر جعفر اپنے ولی نعمت نواب سراج الدولہ سے غداری کر کے انگریزوں سے مل گیا تھا چنانچہ اس نے نواب کے تمام بھید انگریزوں کو بتا دیئے اس طرح نواب کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور بنگال کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ میر جعفر کا ۵ فروری ۱۷۶۵ء کو انتقال ہوا۔[1]

"صادق" ۔ میر صادق، حیدر علی کا معتمد خاص اور وزیر تھا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ سلطان حیدر علی سے صادق کی دشمنی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سلطان نے اس کو معزول کر دیا تھا۔ اور بعد میں بحال بھی کر دیا تھا۔ لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا درپردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے اصلاحات جاری کیں اور ملک میں مجلس شوریٰ قائم کی اور اس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا۔ اس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ رعایا میں سلطنت کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو لیکن صادق نے اپنے رسوخ سے اس مجلس شوریٰ کو بے کار بنا دیا۔ میر صادق کے اثر و رسوخ کا عالم یہ تھا کہ یہ سلطان تک کوئی خبر نہ پہنچنے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے سلطان کو میسور کی تیسری اور چوتھی لڑائی میں پے در پے شکست اٹھانی پڑی۔ سرنگا پٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان

---

(1) THE CANBRIDGE HISTORY OF INDIA VOL. V P. 174

ڈوڈی دروازے سے باہر نکلا تو میر صادق نے دروازے کو اندر سے بند کرا دیا تھا۔ اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آ کر انگریزوں سے صلح نہ کر لے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اسی غدار نے فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دے دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج نے سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کر دیں اور سلطان شہید ہو گیا۔ اس طرح میر صادق کی غداری سے میسور کی اسلامی سلطنت ختم ہوئی۔[1]

گفت "ایں کاشانہ شرف النساست   مرغ بامش با ملائک ہم نواست!

(صفحہ ۱۸۱)

"شرف النسا"۔ شرف النسا نواب خاں بہادر خاں کی بیٹی اور نواب عبدالصمد خاں کی پوتی تھیں یہ دونوں باپ بیٹے بہادر شاہ اور شاہ عالم کے زمانے میں یکے بعد دیگرے پنجاب کے گورنر تھے۔

شرف النسا کا مقبرہ اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں بنایا گیا۔ مقبرہ کی عمارت اپنے عہد کے فن تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ یہ مقبرہ لاہور میں سرو والا مقبرہ کے نام سے مشہور ہے۔[2]

آں فروغ دودۂ عبدالصمد   فقر او نقشے کہ ماند تا ابد

(صفحہ ۱۸۲)

"عبدالصمد"۔ عبدالصمد خان الملقب بہ نواب شمس الدولہ بہادر جنگ دلد خواجہ عبدالکریم خواجہ عبیداللہ احرار کی اولاد سے تھے۔ ان کے والد سمرقندی تھے۔ مگر یہ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کے ساتھ سمرقند جا کر تحصیل علم کی۔ اورنگ

---

[1] محمود خاں محمود بنگلوری۔ تاریخ سلطنت خداداد (میسور) صفحہ ۳۸۰-۳۸۲

(2) S.M.LATIF-ITS HISTORY, ARCHITECTURAL REMAINS AND ANTIQUITIES, LAHORE, 1892 PP 135-136

زیب کے عہد میں واپس آئے شش صدی کا منصب ملا اور چند ہی روز میں پانزدہ صدی پر ترقی ہوئی۔ خان کا خطاب عطا ہوا۔ جہاندار شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب اور عالی جنگ کا خطاب ملا۔ فرخ سیر کے عہد میں لاہور کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ سکھوں کے مقابلے کے لئے فوج لے کر گئے ان کو شکست دی اور ان کے سردار بندہ کو گرفتار کیا۔ محمد شاہ نے ملتان کا صوبہ دار بنایا اور شمس الدولہ کا خطاب دیا۔ ۱۷۳۹ء میں انتقال ہوا۔[۱]

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد　　　خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد

(صفحہ ۱۸۸)

"شہاب الدین"۔ سلطان شہاب الدین اپنے باپ کے بعد کشمیر کے تخت کا مالک ہوا شجاعت اور اخلاق پسندیدہ رکھتا تھا۔ فاتح اور اولوالعزم تھا۔ جس روز کہیں سے فتح کی خوشخبری نہ آتی اس دن رنجیدہ رہتا اور سمجھتا کہ ایک دن عمر کی مدت سے کم ہو گیا۔ ۱۳۵۶ء میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور دس سال کی مدت میں تبت کا شغر بدخشاں اور کابل کو فتح کیا اس کے بعد ہندوستان پر فوج کشی کی۔ فیروز سلطان دہلی سے مقابلہ ہوا دریائے ستلج پر اس کو شکست دی اس کے بعد کشمیر واپس چلا آیا۔ ۱۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳۷۶ء میں انتقال کیا۔[۲]

خسروان مشرق اندر انجمن　　　سطوت ایران و افغان و دکن

(صفحہ ۲۰۱)

---

[۱] مآثر الامراء ج ۲ صفحہ ۵۱۴ - ۵۱۷

THOMAS WILLIAM BEALE—AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY P. 14

[۲] تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۳۳۹ مطبوعہ نولکشور

طبقات اکبری ج ۳ صفحہ ۴۲۸ - ۴۲۹۔

اس شعر میں مشرق کے علی الترتیب تین حکمرانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نادر شاہ احمد شاہ ابدالی المعروف بہ احمد شاہ درانی اور ٹیپو سلطان۔

"نادر شاہ"۔ نادر قلی نام تھا۔ خراسان میں ۱۶۸۷ء میں پیدا ہوا۔ جوانی میں یہ ڈاکوؤں کا سردار تھا اور لوٹ مار کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی قوت بڑھتی گئی۔ ادھر ایران کی صفوی حکومت زوال کی طرف مائل اور ابدالی قبائل کے حملوں کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ ۱۷۳۰ء میں طہماسپ دوم نے اپنے دشمن کی سرکوبی کے لئے اس کی مدد چاہی اس نے طہماسپ شاہ ایران کو دشمن سے نجات دلائی اور قندھار تک افغانوں کا پیچھا کیا۔ اس اثنا میں شاہ ایران نے نادر کی مرضی کے خلاف ترکوں سے معاہدہ کر لیا اس پر نادر نے بادشاہ کو معزول کر دیا اور شیر خوار شہزادہ کو ۱۶۔ اگست ۱۷۳۲ء کو عباس سوم کے لقب سے تخت نشین کیا اور انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ۱۷۳۶ء میں خود مختار ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ بعض افغان سردار ہندوستان بھاگ آئے تھے، نادر شاہ نے محمد شاہ سے ان کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ پر کچھ توجہ نہ کی گئی نادر شاہ نے کابل کو جو مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ تھا حملہ کر کے فتح کر لیا۔ پھر ۱۷۳۹ء میں سندھ کو پار کر کے لاہور پر قبضہ کرتا ہوا دلی پہنچا اور وہاں قتل عام کیا۔ دہلی کی بادشاہت اس حملے سے بہت کمزور ہو گئی۔ دور و دراز کے صوبے خود مختار ہو گئے دلی سے ایران واپس ہونے کے بعد نادر شاہ کے مزاج میں ظلم و تکبر بہت بڑھ گیا تھا۔ اس سے نادری دربار کے اراکین بددل ہوئے اور اس کے خلاف سازش کر کے اسے ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کو قتل کر دیا۔ نادری حکومت ۲۰ سال رہی۔[1]

احمد شاہ درانی ہرات کے قرب و جوار میں فرقۂ ابدال کا سردار زادہ تھا۔ نادر شاہ نے بچپن میں اس کو قید کر لیا اور گرز برداری پر مامور کیا۔ رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدہ

---

(1) SIR PERCY SYKES - A HISTORY OF PERSIA VOL II PP 247-274-

پر پہنچ گیا۔ ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کی رات کو بادشاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ نے ایران کی فوج پر ازبکوں کی مدد سے حملہ کیا لیکن پسپا ہو گیا۔ پسپائی کے بعد احمد شاہ نے فوج کو چھوڑ دیا اور قندھار کی طرف بڑھ کر شہر پر قبضہ کر لیا اور وہ خزانہ جو کابل اور سندھ سے فارس کی فوج کو جا رہا تھا چھین لیا۔ ان ذرائع کی مدد سے اس نے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جو بہت جلد طاقتور ہو کر گرد و نواح کی سلطنتوں کے لئے ایک خطرہ بن گئی۔ احمد شاہ نے کابل اور قندھار کے علاوہ پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اس فتح سے دلیر ہو کر اور مغلیہ سلطنت کی کمزوری دیکھکر اس نے ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۷۴۸ء میں لاہور سے کوچ کیا اور شہزادہ احمد سے مقابلہ ہوا۔ شہزادہ کے ہمراہ وزیر قمر الدین کے مارے جانے سے مغل فوج منتشر ہو گئی اور فریقین کا بہت نقصان ہوا۔ ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں کی طاقت ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں میں پھیل گئی تھی۔ نجیب الدولہ شجاع الدولہ بلکہ ہندو بھی متفق ہو گئے اور احمد شاہ کو دلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور خود مدد کا وعدہ کیا۔ احمد شاہ اس دعوت پر بہت خوش ہوا اور دہلی کے قریب پہنچ کر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی۔ یہ مشہور لڑائی ۶ جون ۱۷۶۱ء کو ہوئی۔ اس کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس ہوا۔ احمد شاہ درانی نے ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۷۳ء میں وفات پائی۔[۱] "ٹیپو سلطان"۔ ابو الفتح فتح علی ٹیپو سلطان ۱۷۵۲ء میں بمقام دیون ہلی پیدا ہوا۔ سلطان حیدر علی کو ارکاٹ کے مشہور درویش ٹیپو مستان سے بڑی عقیدت تھی چونکہ سلطان حیدر علی کے کوئی اولاد نہ تھی اور یہ لڑکا درویش کی دعا سے سلطان کے ہاں پیدا ہوا تھا اس لئے سلطان حیدر علی نے درویش کے نام پر ہی اس کا نام ابو الفتح

---

(1) SIR PERCY SYKES - A HISTORY OF PERSIA VOL II PP 275 - 276

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۴۳۲

فتح علی ٹیپو سلطان رکھا۔ ٹیپو کے معنی کناری زبان میں چیتے کے ہیں۔ ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں اپنے باپ کی جگہ میسور کا والی ہوا۔ وہ انگریزوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے انگریزوں سے کئی مرتبہ جنگ کی اور ان کو ملک سے نکالنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا۔ لیکن بعض مقامی عناصر کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ناکام رہا۔ ٹیپو سلطان ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم کے محاصرہ میں شہید ہوا۔ اور بمقام لال باغ اپنے باپ کے مقبرہ میں دفن ہوا۔

ٹیپو سلطان علوم و فنون کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس میں سنسکرت کی کتابیں، قرآن کی تفسیریں شاہان مغلیہ کی فتوحات کی تاریخ کے مسودے اور ہندوستان کے تاریخی وقائع موجود تھے۔ یہ سارا ذخیرہ بعد کو کلکتہ کے کتب خانہ میں منتقل کر دیا گیا۔

ٹیپو سلطان کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ غیر جانبدارانہ تھا۔ اس نے مندروں کے لئے بڑے بڑے عطیہ دیئے۔[۱]

درمیاں بنشستہ براورنگ زر خسروان جسم جستم بہرام فر!

(صفحہ ۲۰۲)

"بہرام"۔ بہرام اول ساسانی خاندان کا چوتھا بادشاہ اور ہرمز کا لڑکا تھا۔ ۲۷۳ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا۔ رحمدل اور فیاض تھا۔ رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ مصور مانی کا قتل ہے جو فرقہ مانویہ کا بانی تھا۔ بہرام نے صرف تین سال تین مہینے حکومت کی اس کے بعد اس کا لڑکا بہرام ثانی ۲۷۶ء میں تخت نشین ہوا۔[۲]

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۲ صفحہ ۲۴۰

محمود خاں محمود بنگلوری۔ تاریخ سلطنت خداداد (میسور)

L. B. BOWRING - HAIDER AND TIPU SULTAN

(2) SIR PERCY SYKES - A HISTORY OF PERSIA VOL. I PP 405-40

کار آں دا رفتہ ملک ونسب ذکر شاپور است و تحقیر عرب!

(صفحہ ۲۰۳)

"شاپور"۔ شاپور اول خاندان ساسانیان کا بادشاہ اردشیر بابکان کا لڑکا ۲۴۰ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے ۲۴۰ء ہی میں رومی سلطنت پر حملہ کیا اور کئی فتوحات حاصل کیں۔ ایرانی مورخین کے بیان کے مطابق شاپور نے ۳۰ سال حکومت کی۔ شاپور ایک اچھا سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ ایک عقلمند اور فیاض حکمراں بھی تھا۔ اس نے ۲۷۳ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا لڑکا ہرمز اول اس کا جانشین ہوا۔[۱]

با وطن پیوست و از خود در گذشت دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت!

(صفحہ ۲۰۴)

"رستم"۔ ایران کا مشہور پہلوان تھا۔ اس کا نام فارسی ادب میں بکثرت آیا ہے۔ شاہنامۂ فردوسی اس کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے جس میں اس کو رستم دستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کو رستم زابلی بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ زابلستان کا حاکم بھی تھا۔ اس کے باپ کا نام زال بتایا جاتا ہے اور دادا کا نام نریمان۔ رستم بہمن کے مقابلہ جو کیانی خاندان کا ساتواں بادشاہ تھا لڑا اور مارا گیا۔[۲]

بایزید و شبلی و بوذر از وست امتان را طغرل و سنجر از وست

(صفحہ ۲۲۶)

"طغرل" طغرل بیگ میکائیل بن سلجوق کا لڑکا تھا اور خاندان سلجوق کا پہلا بادشاہ۔ اس نے ۱۰۳۸ء میں سلطان مسعود اول بن سلطان محمود کو شکست

---

(1) SIR PERCY SYKES-A HISTORY OF PERSIA. VOL. I PP 412-426-

(2) SIR PERCY SYKES-A HISTORY OF PERSIA, VOL. I PP. 136-137 AND 495-496.

دی اور نیشاپور کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے عراق اور بغداد کو فتح کیا اور سنجر بغداد کے بعد خلیفہ قائم باللہ کو بھی شکست دی جس نے طغرل کو خراسان کا بادشاہ بنا دیا۔ سلجوق خاندان تین شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ جو ہمدان، کرمان اور روم میں آباد تھا۔ طغرل بیگ نے ۲۶ سال حکومت کی اور ستر سال کی عمر میں ۱۰۶۳ء میں انتقال کیا۔ الپ ارسلان اس کا بھتیجا جانشین ہوا۔

طغرل بیگ کے کمالات اور اوصاف جہاں بانی خود اس کی زندگی سے ظاہر ہیں۔ اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اس کو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر عظیم الشان سلجوقی سلطنت قائم کی۔

طغرل ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان اور پاکباز متقی فرماں روا تھا۔ مسجدوں کی تعمیر سے شغف تھا۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو۔[۵]

سلطان سنجر ملک شاہ سلجوقی کا تیسرا لڑکا تھا۔ ۱۰۹۲ء میں خراسان پر قابض ہوا۔ بعد ازاں فارس کا بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ اس نے غزنوی خاندان کے بادشاہ بہرام شاہ کو اپنا خراج گذار بنایا۔ علاءالدین بادشاہ غور نے بہرام شاہ کو شکست دی اور غزنی کو لے لیا۔ بعد میں علاءالدین بھی سنجر کا مطیع ہوا۔ ۱۱۵۷ء میں سلطان سنجر کا انتقال ہوا۔ اس کو مرو میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد خراسان میں سلجوقی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان سنجر سلجوقی خاندان کی عظمت و ناموس کا محافظ تھا اور تمام خاندان اس کو اپنا سرپرست اور مربی مانتا تھا۔ اس کی حکومت خراسان، غزنہ، خوارزم اور ماوراءالنہر

۵۔ عماد الدین اصفہانی۔ دولت آل سلجوق صفحہ ۶۲
شاہ معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۹۵

تک پھیلی ہوئی تھی اور اران، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل دیار ربیعہ، دیار بکر اور حرین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور "سلطان اعظم" کے لقب سے مشہور تھا۔ سلطان سنجر کی شان و شوکت اور عظمت و سطوت اس کے عہد میں ضرب المثل تھی۔[۱]

سرّے از اسرار دین برگویمت داستانے از مظفر گویمت

(صفحہ ۲۴۰)

"مظفر"۔ نواب ہدایت محی الدین خاں نام، مظفر جنگ سعد اللہ خاں خطاب تھا۔ آصف جاہ اول کا نواسا متوصل خاں کا بیٹا اور بیجاپور کا صوبیدار تھا۔ اس کو اپنے نانا کی وراثت کا دعویٰ تھا۔ اس لئے اس نے نظام کے ملک پر قبضہ کرنے کی غرض سے اپنے ماموں ناصر جنگ کے خلاف چڑھائی کردی۔ چندا صاحب جو دوست علی نواب ارکاٹ کا داماد اور رفیق تھا ۲۳ جولائی ۱۷۴۹ء کو فرانسیسیوں کی مدد سے ارکاٹ پر حملہ آور ہوا نواب انورالدین کو قتل کیا۔ ناصر جنگ اس لڑائی کی خبر سن کر آگے بڑھا مگر مظفر جنگ بھاگ گیا اور بالآخر قید ہوا۔ ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ شہید ہوا اس کے بعد مظفر جنگ مسند نشیں ہوا اور صرف دو ماہ حکومت کی۔ ۱۷۵۱ء میں اسی ہمت خاں بندوقچی نے جس نے ناصر جنگ کو شہید کیا تھا اس کو بھی شہید کردیا۔ صلابت جنگ اس کی جگہ بیٹھا۔ مظفر جنگ ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان حکمران تھا۔[۲]

---

[۱] عماد الدین اصفہانی۔ دولت آل سلجوقی صفحہ ۱۱۰
ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۱۷۔ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۱۶۳
AMEER ALI - SHORT HISTORY OF THE SARACENS. P.384.

[۲] تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۲۰۵ - ۲۱۲ مطبوعہ نولکشور
طبقات اکبری ج ۳ صفحہ ۱۷۳ - ۱۹۵۔

بالِ جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی
فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی

(صفحہ ۱۶)

"پرویز" خسرو دوم پرویز، ہرمزد بادشاہ ایران کا لڑکا تھا۔ ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا۔ روما کے بادشاہوں سے اس کی جنگ رہی۔ دراڈیسا وغیرہ کو اس نے فتح کیا۔ شام، فلسطین اور بیت المقدس پر بھی قبضہ کیا۔ ۳۸ سال تک حکومت کی۔ اس کے پیش روؤں کو ایسی کامیابی کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پرویز کے عہد کے اختتام کے قریب ہرقلس بادشاہ روم نے ایران پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی۔ اس کے تمام شاندار محلات برباد کر دیئے اور خزانہ لوٹ لیا۔ اس واقعہ سے خسرو پرویز کی رعایا میں اس کی طرف سے بددلی پیدا ہو گئی۔ ان کا خیال تھا کہ اس تباہی و بربادی کا سبب پرویز ہے۔ رعایا نے اس کے خلاف سازش کی جس میں اس کا لڑکا شیرویہ بھی شریک تھا۔ خسرو پرویز کا انتقال ۶۲۸ء میں ہوا۔

خسرو دوم کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت حرص اور زر پرستی تھی۔ اپنی ۳۸ سال کی حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاہ کے کاموں سے بچا کر اپنے خزانوں میں بھرا۔ اس کی حکومت کے تیسویں سال میں اس کے خزانے کی مقدار ایک ارب ساٹھ کروڑ مثقال تک پہنچ گئی جو ایک ارب تیس کروڑ طلائی فرانک کے برابر ہوتی ہے۔ لڑائیوں کا مال غنیمت اس کے علاوہ تھا۔ فردوسی نے خسرو کی دولت کا حال شاعرانہ تفصیل کے ساتھ الگ الگ بیان کیا ہے، اور اس کے سات "خزانوں" کی ایک فہرست بھی دی ہے۔[۵۱]

---

۵۱ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیان۔ صفحہ ۵۹۸-۶۶۸۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں — غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن — کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

(صفحہ ۱۶)

"جمشید"۔ حضرت عیسیٰ سے ۸۰۰ سال پہلے خاندان پیش دادیان سے فارس کا بادشاہ تھا۔ اس کا جام جمشید جسے جام جم بھی کہتے ہیں اور تخت جمشید بہت مشہور ہیں۔ جام جمشید کا شمار دنیا کے عجائبات میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شراب جمشید ہی نے ایجاد کی تھی۔ مختلف علوم و فنون کی ایجاد کا سہرا جو آگے چل کر تہذیب و تمدن کا جزو بنے جمشید ہی کے سر ہے۔ ضحاک نے اس کو قتل کیا۔[۱]

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق — کبھی شاہ شہان نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش — کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

(صفحہ ۲۰)

"نوشیروان"۔ نوشیروان عادل فارس کے بادشاہ کیقباد کا لڑکا تھا۔ ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا۔ روم کے بادشاہ کو شکست دی بغداد کو دار السلطنت بنایا۔ نہایت منصف اور عدل پسند بادشاہ تھا۔ اس کا انصاف اب تک ضرب المثل ہے۔ ۴۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۷۹ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہرمز جانشین ہوا۔[۲]

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے — کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی — اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

(صفحہ ۲۶)

بوالحسن یا ابوالحسن حضرت علی کی کنیت ہے۔ اقبال کے شعر یہ نکتہ الخ

---

(1) SIR PERCY SYES-A HISTORY OF PERSIA, VOL. II P. 489

۲۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۴۰۲ اور ۵۹۲

ہیں آپ ہی کی ذات مراد ہے۔ حضرت علی کا ایک قول نہج البلاغۃ میں منقول ہے۔ انہ یموت من مات منا ولیس بمیت[۵۱] (جو مرجاتا ہے وہ انسانوں کے نزدیک مرجاتا ہے لیکن اس کی روح نہیں مرتی۔)

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند!

(صفہ ۳۳)

"پازند": متن اوستا کی پہلوی "تشریح" "زند کہلاتی ہے۔ اسی طرح پہلوی زند کی "تشریح مکرر" پازند کہلاتی ہے۔ تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم ہے اور اس کے الفاظ ہزوارش کی بجائے مناسب فارسی الفاظ ہیں۔ اس نقل وتفسیر کے لئے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے ہیں تو نتیجہ پازند کہلاتا ہے اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے ہیں تو پارسی کہلاتا ہے۔ پہلوی کی نقل خواہ پازند ہو خواہ فارسی دونوں سے جدید یا بعد الاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما شکل پیدا ہوجائے گی اور آرامی عنصر بالکل معدوم۔ متعدد کتابیں مثلاً مینوئے خرد (روح فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پازند دونوں قبیل کے نسخے ملتے ہیں۔ لیکن پازند میں جس قدر تحریریں ہیں وہ اصل تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں۔) نقل ہیں۔ اس لئے کہ تفسیر مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں تک متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اہمیت کو بھولنے لگے اور کاتبان پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ہونے لگے[۵۲]

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

(صفہ ۱۰۷)

"غوری": مراد سلطان شہاب الدین غوری ہے۔

---

۵۱ نہج البلاغۃ۔ حصہ اول صفہ ۱۸۵ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر

۵۲ پروفیسر ایڈورڈ براؤن۔ مترجم سید سجاد حسین۔ تاریخ ادبیات ایران صفہ ۱۴۴-۱۴۵

سلطان غوری کا نام معزالدین محمد سام تھا۔ غوری ۱۱۷۴ء میں غزنی کا حاکم مقرر ہوا اس نے غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو شکست دے کر قید کر لیا اور خراسان اور ہندوستان کے بڑے حصہ کو فتح کیا۔ اجمیر اور قنوج کے ہندو راجاؤں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی اور ۱۱۹۴ء میں ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی۔ غوری نے غزنی غور اور ہندوستان پر تین سال حکومت کی۔ ۱۴ مارچ ۱۲۰۶ء کو قوم گھکر نے جب وہ غزنی واپس جا رہا تھا دریا کے کنارے لڑتے ہوئے قتل کر دیا۔ نعش غزنی پہنچی اور وہیں دفن کی گئی۔[1]

دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں　　　جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشان

(صفحہ ۱۳۴)

"اصلاح دین"۔ مراد سولھویں صدی کا مذہبی انقلاب یعنی ریفارمیشن (REFORMATION) جس نے مغرب کی عیسائیت کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ اس انقلاب کے اسباب مختلف تھے مثلاً اخلاقی، اقتصادی سیاسی اور عقائد سے متعلق۔ ان میں اخلاقی وجوہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ جرمنی میں مارٹن لوتھر نے اس تحریک میں سب سے نمایاں حصہ لیا۔ اس نے کہا کہ گرجا پادریوں کی مداخلت سے الگ ہونا چاہیئے اور یہ بھی کہا کہ عبادت خانوں کا معائنہ متبرک دن اور زیارت کے ایام کا تعین اور پادریوں کی شادی کا انتظام بھی ہو تاکہ وہ کسی برے فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ تحریک تقریباً تمام یورپی ممالک میں پھیلی۔ جرمنی اس تحریک سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ جرمنی کے علاوہ جن ممالک میں اس تحریک کو فروغ حاصل ہوا ان میں برطانیہ عظمیٰ، سوئٹزرلینڈ، فرانس، انیدرلینڈ، ڈنمارک، اٹلی، اسپین، آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ شامل ہیں۔ گو لوتھر کو اس تحریک کی بنا پر کلیسا سے خارج کر دیا گیا لیکن اس نے نصف عیسائی دنیا کو کلیسا کی غلامی سے نجات دلا دی۔[2]

---

(1) DR. ISHWARI PRASAD - MEDIAVAL INDIA PP 126-149.

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا 1970 صفحہ ۳۲-۳۴

چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
(صفحہ ۱۳۵)

"انقلاب" مراد انقلاب فرانس (FRENCH REVOLUTION) ہے۔

انقلاب فرانس ۱۴ر جولائی ۱۷۸۹ء کو رونما ہوا۔ اس انقلاب کے بعد فرانس میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر سال اہل فرانس ۱۴ر جولائی کا دن اپنی قومی آزادی کا دن خیال کرتے اور بڑی شان و شوکت سے مناتے ہیں۔ یہ انقلاب نہ صرف فرانس کے لئے بلکہ تمام یورپ کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس انقلاب نے یورپی اقوام میں جمہوریت، قومیت اور اجتماعیت کی روح پھونک دی۔ اس انقلاب کے بعد فرانس ملوکیت کی لعنت سے پاک ہوگیا۔ انقلاب کو کامیاب بنانے میں فرانس کے اہل قلم کا بڑا ہاتھ تھا۔ جن مصنفین نے انقلاب کے لئے ذہنوں کو تیار کیا ان میں روسو کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔[1]

قید خانہ میں معتمد کی فریاد
(صفحہ ۱۳۷)

"معتمد"۔ ہشام کی معزولی کے بعد اندلس کی وسیع سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں منقسم ہوگئی تھی چنانچہ بنی عباد نے اشبیلیہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی۔ المعتمد باللہ ۴۶۱ھ (۱۰۶۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ معتمد بلا شبہ بڑا بہادر بادشاہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں مسلمان حکمران آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے اور عیسائی بادشاہوں سے امداد کے طالب ہوتے تھے چنانچہ معتمد نے بھی ایک عیسائی سردار الفانسو نامے سے دوستی کی اور اسے خراج دینا منظور کیا۔ ۴۷۵ھ (۱۰۸۲ء) میں معتمد نے الفانسو کے سفیر کو جو خراج لینے آیا تھا قتل کرادیا۔ اس بات پر ناراض ہو کر الفانسو نے اشبیلیہ پر حملہ کردیا۔ معتمد کی فوجی طاقت الفانسو کے مقابلہ میں کم تھی۔ اس لئے معتمد نے یوسف ابن تاشفین سے کمک طلب کی چنانچہ یوسف نے معتمد کی امداد کی اور الفانسو کو شکست دے کر واپس چلا گیا۔ ساتھ ہی یوسف نے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۹ صفحہ ۸۰۴-۸۰۵

معتمد کی کمزوری کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا دوسرے سال یوسف نے معتمد پر حملہ کیا اور اس کو قید کر کے افریقہ لے گیا اور اشبیلیہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ یوسف نے قید خانہ میں معتمد کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا لیکن جب ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں معتمد کا لڑکا جو اس کے ساتھ قید تھا قید خانہ سے فرار ہو گیا اور یوسف کے دشمنوں سے مل گیا جو اس کو معزول کرنا چاہتے تھے۔ تو یوسف نے برانگیختہ ہو کر معتمد کو سر سے پاؤں تک فولادی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ معتمد سے یہ تکلیف برداشت نہ ہو سکی اور رنج و غم کی حالت میں اس کی زبان سے چند اشعار نکلے۔ معتمد عربی زبان کا صاحب دیوان شاعر تھا۔[1]

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں (صفہ ۱۳۸)

"عبدالرحمٰن اول": عبدالرحمٰن اول خاندان بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کا پوتا تھا۔ عباسیوں کے ہاتھوں تنگ آ کر ہسپانیہ چلا گیا تھا۔ اہل یمن جو حکمران خاندان کے مظالم کا شکار تھے اس کے گرد جمع ہو گئے اور حاکم ہسپانیہ کو جو برائے نام خلفائے عباسیہ کا ماتحت تھا زیر کر کے خود خلیفہ بن گیا اور خلفائے عباسیہ کی ماتحتی سے قطع تعلق کر کے خود مختار بادشاہ بن کر شاہ قرطبہ کا لقب اختیار کیا۔ ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۲ھ (۷۹۰ء) میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن اول ہی سلطنت اندلس کا بانی ہے۔[2]

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب!

(صفہ ۱۵۴)

"سلیم": سلطان بایزید دوم کا دوسرا لڑکا سلطان سلیم اول دولت عثمانیہ کے

---

(1) REINHART DOZY-SPANISH ISLAM PP 637-736.

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفہ ۷۷۹-۷۸۱

(2) REINHART DOZY-SPANISH ISLAM PP 161-229

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفہ ۵۴-۵۵

نامور ترین سلاطین میں ہوا ہے۔ اس کی بہادری کے کارنامے تاریخ میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہیں۔ سلطان سلیم اپنے باپ کے بعد ۶ اپریل ۱۵۱۲ء کو تخت نشین ہوا اور آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۵۲۰ء کو وفات پائی۔ ۱۵۱۷ء میں سلیم کے عہد حکومت میں مصر فتح ہوا اور مصر کے بعد شام فلسطین اور حجاز بھی اس کے زیر نگیں آ گئے۔ فارس پر حملہ کیا آرمینیا کو ترکی کا ایک صوبہ بنایا۔ ہنگری کی فوج کو شکست دی۔ سلطان سلیم کو حجاز کی فتح کے بعد "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب ملا۔ یہ پہلا عثمانی سلطان تھا جو اس لقب سے نوازا گیا۔[۱]

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی ۔۔۔ کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

(صفحہ ۱۶۰)

"اردشیری"۔ منسوب بہ اردشیر۔ اردشیر (ARTAXERXES OR ARDASHIR) ساسانی خاندان کا بانی تھا۔ اس کے عہد حکومت کے بارے میں بہت کم معلومات بہم پہنچی ہیں۔ یونانی اور رومی مصنفین اردشیر کی پارتھیں قوم پر فتح اور رومیوں سے اس کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔ اردشیر بابک کا دوسرا لڑکا تھا۔ بابک اور اس کے بڑے لڑکے شاپور کی وفات کے بعد اردشیر تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کا سال تقریباً ۲۱۲ء بتایا جاتا ہے۔ وہ ساسانی خاندان کا بڑا اولوالعزم بادشاہ تھا۔ اس کا انتقال ۲۴۱ء میں ہوا۔[۲] اقبال کے ہاں محض بادشاہ کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

پنولین کے مزار پر ۔۔۔ (صفحہ ۲۰۱)

"پنولین"۔ پنولین بونا پارٹ (NAPOLEON BONAPARTE) کا شمار دنیا کے مشہور ترین فاتحین میں ہے۔ وہ ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ ۱۷۷۹ء میں پیرس کے فوجی اسکول میں داخل ہوا اور ۱۷۸۵ء میں سیکنڈ لفٹیننٹ کی حیثیت سے اس کی فوجی

---

[۱] ڈاکٹر محمد عزیر۔ دولت عثمانیہ ج ۱ صفحہ ۱۵۸-۱۶۴۔

[۲] پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۱۰۶-۱۲۳
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ صفحہ ۳۰۷-۳۰۸

زندگی کا آغاز ہوا۔ فوج میں اس نے غیر معمولی لیاقت کا ثبوت دیا چنانچہ جلد ہی اس کو جنرل کا عہدہ دے دیا گیا۔ ۱۸۰۵ء میں نپولین نے روس، آسٹریا اور انگلستان کے خلاف نبرد آزمائی شروع کی۔ ۱۸ مئی ۱۸۰۴ء کو اس نے "شہنشاہ" کا لقب اختیار کیا۔ اس نے قلیل مدت میں یورپ کے بیشتر حصہ کو فتح کر لیا لیکن روس پر حملہ اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ بالآخر نپولین کو اپنے لڑکے کے حق میں ۱۱ اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت چھوڑنا پڑا۔ نپولین حکومت سے کنارہ کشی کرنے کے بعد ایلبا میں اقامت گزین ہو گیا تھا۔ لیکن دوسری مرتبہ پھر اس نے یکم مارچ ۱۸۱۵ء کو فرانس پر قبضہ کر لیا جس پر یورپ کے تقریباً تمام ممالک نے جن میں انگلستان اور جرمنی پیش پیش تھے۔ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ چنانچہ واٹرلو کے میدان میں اس کو شکست فاش ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ انگریزوں نے اس کو ایک جزیرہ میں نظر بند کر دیا اور اسی قید و بند کی حالت میں اس نے ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو انتقال کیا۔[۱]

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے | جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

(صفحہ ۲۱۱)

"جہانگیر"۔ جہانگیر مغل شہنشاہ دہلی ۱۶۰۵ء میں اپنے باپ اکبر کے بعد جانشین ہوا۔ اس کا نام سلیم تھا لیکن تخت نشینی کے بعد اس نے جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔ ۹۹-۱۵۹۸ء جب اکبر دکن پر حملہ آور ہوا تو اس نے کئی بغاوتوں کو تقویت پہنچائی۔ ۱۶۰۴ء میں باپ بیٹے میں مصالحت ہو گئی اور جہانگیر کو جنوبی اور مغربی ہند کا وائسرائے بنا دیا گیا۔ اور آگرہ میں ولی عہد کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دی گئی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو تخت نشین ہونے کے بعد جہانگیر نے اس طرح ہر دلعزیزی حاصل کی کہ دفعتہً اپنے کٹر مسلمان ہونے کا دعوی کیا لیکن اس کا یہ جوش ایمانی رفتہ رفتہ کم ہونے لگا اور وہ

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفحہ ۸۰-۹۶۔

عیسائیوں اور ہندوؤں کو مراعات دینے لگا۔ اکتوبر ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے اس نے انتقال کیا اور لاہور کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوا۔ اس کو فنون لطیفہ سے بڑا شغف تھا۔ فارسی کا بہترین انشا پرداز تھا۔ اس کی تزک اس کی شاہد ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں نورجہاں کا بہت عمل دخل رہا۔ نورالدین محمد جہانگیر مذہب کے معاملہ میں خاصا آزاد تھا اس کی تصدیق اس کی خود نوشت تزک سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی شراب نوشی کا ذکر بڑی بیباکی سے کرتا ہے۔ ؎

---

(1) THE CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA, VOl. IV PP 156-182, CAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS 1937

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ صفحہ ۸۶۷ طبع ۱۹۵۰ء

مسافر

(طبع سوم، ۱۹۴۷ء)

خوشا نصیب کہ خاک تو آرمید اینجا　　که این زمین ز طلسم فرنگ آزاد است

اس شعر میں اشارہ شہنشاہ بابر کی طرف ہے۔

مشہور فاتح ہند اور ہند میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ یہ تیموری خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے باپ کا نام عمر شیخ تھا جو فرغانہ کا حاکم تھا۔ ۱۴۹۵ء میں بابر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ۱۵۲۱ء میں دہلی کے سلطان ابراہیم سے وہاں کے امرانے بدظن ہو کر بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس نے فوراً اس طرف توجہ کی اور بارہ ہزار کی جمعیت سے ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ شکست دی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں بابر کا مقابلہ میواڑ کے رانا سانگا سے ہوا۔ ۱۰ مارچ ۱۵۲۷ء کو بابر نے بڑی مشکل سے رانا سانگا کو شکست دی اور تمام شمالی ہندوستان کا مالک بن بیٹھا۔ باقی سال اس نے اپنی حکومت کے استحکام میں صرف کئے اور اپنے پایۂ تخت آگرہ کو آباد کرنے میں ۴۸ سال کی عمر میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو بابر نے انتقال کیا۔ اس کی خود نوشت سوانح تزک بابری بڑی اہم تصنیف ہے۔[1]

تربت آن خسرو روشن ضمیر　　از ضمیرش ملتے صورت پذیر

(صفحہ ۳۴)

"خسرو روشن ضمیر" احمد شاہ بابا سے مراد احمد شاہ ابدالی ہے۔

مثل فاتح آن امیر صف شکن　　سکۂ زد هم باقلیم سخن

(صفحہ ۳۴)

---

(1) THE CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA, VOL. IV P. 1-20

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ صفحہ ۸۳۷ - ۸۳۸

"فاتح" اشارہ سلطان محمد، فاتح قسطنطنیہ کی طرف ہے۔

محمد ثانی الملقب بہ سلطان محمد فاتح دولت عثمانیہ کا ساتواں فرمانروا ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک حکمران رہا۔ اس کا سال پیدائش رجب ۸۳۲ھ (اپریل ۱۴۲۹ء) ہے۔ ۱۴۴۴ء میں اپنے بھائی کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ باقاعدہ تخت نشینی سے پہلے دو مرتبہ ادرنہ کا گورنر رہ چکا تھا۔ یوں تو اس کی تمام عمر فتوحات ہی میں صرف ہوئی۔ لیکن اس کی اصل فتح قسطنطنیہ کی فتح ہے جو ۱۴۵۳ء میں واقع ہوئی۔ ۳ مئی ۱۴۸۱ء کو اس کا انتقال ہوا۔ وہ علوم و فنون کا بڑا قدر دان تھا اس کے دربار سے متعدد ترکی شعراء کو وظیفے ملتے تھے۔[۵۱]

فاش گو با پور نادر فاش گوے　　　باطن خود را بہ ظاہر فاش گوے

(صفحہ ۳۵)

یہاں اشارہ محمد ظاہر شاہ والیٔ افغانستان کی طرف ہے۔

محمد ظاہر شاہ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اپنے والد کے قتل کے بعد ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو تخت نشین ہوا۔

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر　　　تخت احمد شاہ را شانے دگر

(صفحہ ۳۶)

پہلے مصرع میں اشارہ محمد نادر شاہ غازی کی طرف ہے اور دوسرے مصرع میں احمد شاہ سے احمد شاہ ابدالی مراد ہے۔

محمد نادر شاہ غازی ۱۰ اپریل ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خاں کے تخت چھوڑنے کے بعد نادر شاہ نے بچہ سقہ کو شکست دی اور تخت نشین ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا محمد ظاہر شاہ تخت نشین ہوا۔[۵۲]

۵۱۔ ڈاکٹر محمد عزیز، دولت عثمانیہ ج ۱ صفحہ ۱۰۳ - ۱۴۵

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۶۵۸ - ۶۵۹

۵۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ صفحہ ۵۵ طبع ۱۹۵۰ء

ضربِ کلیم

(طبع ششم مئی ۱۹۴۶ء)

میخانۂ حافظ ہو کہ بتخانۂ بہزاد خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر

(صفحہ ۱۳۱)

"بتخانۂ بہزاد" کمال الدین بہزاد ایران کے مشہور ترین مصوروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ مختصر تصاویر بنانے میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ اس نے تیمور نامہ اور بوستان سعدی میں تصاویر بنائی تھیں۔ شاہ ایران اسمٰعیل صفوی اس کا قدردان تھا۔ بہزاد ۱۵۲۴ء میں زندہ تھا۔ بہزاد کے شاگردوں میں شیخ زادہ خراسانی اور مظفر علی کو شہرت نصیب ہوئی۔ ۵۱

وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو

(صفحہ ۱۴۶)

"ابوالہول" مصری دیومالا کی رو سے ابوالہول (SPHINX) ایک دیو ہیکل بت ہے۔ اس کی مختلف شکلیں بتائی گئی ہیں۔ جن میں ایک سب سے زیادہ مشہور ہے اور جس کا حلیہ یہ ہے۔ جسم شیر کا اور چہرہ انسان کا۔ یہ شکل قوت اور ذہانت کا مظہر خیال کی جاتی ہے۔ عرب سیاح اور مورخ عبداللطیف نے اہرام مصر اور ابوالہول کے بارے میں نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات باتیں فراہم کی ہیں۔ لیکن جدید تحقیقات نے عبداللطیف کے بیانات میں بہت کچھ ترمیم کر دی ہے۔ ابوالہول کا بت اہرام مصر سے ۱۸۰۰ فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بت تقریباً ۳۵۰۰ ق م میں بنایا گیا تھا۔ ۵۲

---

۵۱ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا صفحہ ۷۱۔

۵۲ انسائیکلوپیڈیا امریکانا ج ۲۵ صفحہ ۴۰۳-۴۰۴ مطبوعہ ۱۹۴۷ء

ارمغان حجاز (طبع سوم نومبر ۴۶ ۱۹ء)

تو اے بادِ بیابان از عرب خیز
زِ نیلِ مصریان موجے برانگیز
بگو فاروق را پیغامِ فاروق
کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز

(صفحہ ۱۰۹)

"فاروق" شاہ فاروق اول ۱۱۔ فروری ۱۹ء کو پیدا ہوا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنے باپ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ حکومت کے انتظام کے لئے جتنی توجہ درکار تھی فاروق نے اتنی توجہ نہیں دی تعیش پسندانہ زندگی گذارنے کا خوگر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور عوام اس سے بیزار ہوئے اور انہوں نے بغاوت کی اور اس کو ۲۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو مصر ایک جمہوریہ قرار دیدیا گیا۔[1]

زشام ما برون آور سحر را
بہ قرآں باز خوان اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قراءتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

(صفحہ ۱۲۳)

"دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را" یہاں اشارہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی طرف کیا گیا ہے۔

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس لئے رسول کریم صلعم نے خصوصیت کے ساتھ انہیں دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی لیکن یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔ تاریخ وسیر

---

(1) THE INTERNATIONAL WHO'S WHO P. XIII

کی کتابوں میں حضرت عمر کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب حضرت عمر اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کرسکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اکرم کی طرف چلے۔ راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے۔ بولے محمد صلعم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں۔ اور قرآن کے اجزا چھپا لئے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑچکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہوگئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہوگئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کو بھی مارا یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہوگیا لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا تم لوگ کچھ پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا سامنے لاکر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی۔

سبح للہ مافی السموٰت والارض وھو العزیز الحکیم ۱/۵۷ — جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پڑھ کر دل مرعوب ہوجاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

آمنوا باللہ ورسولہ ۷/۵۷ — (تو) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول کریم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ کو تردد ہوا

لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول کریم خود آگے بڑھے اور اس کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادہ سے آئے ہو؟" نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع سے عرض کی کہ "ایمان لانے کے لئے" رسول کریم اور صحابہ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دار قطنی، حاکم، ابو لعلی اور بیہقی میں حضرت انس سے مروی ہے۔[1]

ہو مبارک اس شہنشاہ نکو فرجام کو — جس کی قربانی سے اسرار ملوکیت ہیں فاش

(صفحہ ۲۴۰)

"شہنشاہ نکو فرجام" اشارہ ایڈورڈ ہشتم کی طرف ہے۔

ایڈورڈ ہشتم جارج پنجم کا سب سے بڑا لڑکا ۲۳ رجون ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوا۔ تعلیم آکسفورڈ میں پائی۔ ۱۹۱۰ء میں اس کو پرنس آف ویلز بنایا گیا۔ شاہ ایڈورڈ ہشتم کی مختصر حکومت میں بڑے بڑے کام انجام پذیر ہوئے۔ حکومت سنبھالنے کے کچھ دن بعد سے یہ خبر امریکی پریس میں اڑنے لگی کہ شاہ برطانیہ مسز سمپسن سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مسز سمپسن امریکہ کے عوامی طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ انگلستان کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ایڈورڈ نے محبت کو بادشاہت پر ترجیح دی اور تاج و تخت سے دستبردار ہو گیا۔ ۳ رجون ۱۹۳۷ء کو اس نے اپنی محبوبہ سے شادی کی۔ یہ عورت (مسز سمپسن) اس سے قبل دو شوہروں کو طلاق دے چکی تھی۔ اسی لئے حکومت برطانیہ کو اعتراض تھا لیکن شاہ کہتا تھا کہ جس عورت کو میں چاہتا ہوں اس کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا۔[2]

---

[1] معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین صفحہ ۴۴ - ۵۳

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۸ صفحہ ۱۲ - ۱۸ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

باقیات اقبال (طبع اول ۱۹۵۲ء)

ہاں سلام اے مولد بوذاسف گوتم تجھے
اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے

(صفحہ ۱۵۰)

"بوذاسف" بعض اہل علم کے نزدیک بوذاسف گوتم بدھ کا نام ہے۔ دوسروں کے خیال میں یہ مذہب صابی کا بانی تھا۔ لفظ بوذاسف بت کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا صف ۷۶۹-۷۷۰

باب ششم

سیاسی تلمیحات

رموزِ بیخودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

آں فلارنساوئی باطل پرست　　سرمۂ او دیدۂ مردم شکست

(صفحہ ۱۳۴)

"فلارنساوئی باطل پرست" اشارہ میکیاولی کی طرف ہے۔

نکولو میکیاولی (NICCOLO MACHIAVELLI) مشہور اطالوی سیاست داں اور مصنف ۳ مئی ۱۴۶۹ء کو بمقام فلارنس پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کی بابت بہت کم معلوم ہے۔

میکیاولی نے ارسٹوفنیز (ARISTOPHANES) کے نمونہ پر ایک طربیہ نظم (LE MASCHERE) لکھی۔ اس نے ایک اور کتاب تاریخ فلارنس کے نام سے مرتب کی۔ وہ صاحب طرز ادیب تھا۔ اس کی تصانیف متعدد ہیں۔ ان میں سب سے مشہور کتاب (II PRINCIPE) (کتاب الملوک) ہے۔ اس میں میکیاولی نے چند بنیادی مسائل پر اظہار خیال ــــ ہے۔ اس نے اخلاقیات کے مقابلہ میں سیاسیات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اسی کتاب میں میکیاولی نے اہل اطالیہ کی زبوں حالی کا صرف ایک حل تجویز کیا ہے اور وہ یہ کہ اطالیہ متحد ہو اور اس میں کوئی طاقتور جابر پیدا ہو۔ میکیاولی نے فطرت انسانی کا مطالعہ بڑی دقت نظر سے کیا ہے۔ یا وہ تمام اشیاء کے قدرتی اسباب پر زیادہ غور و خوض کرتا تھا یا پھر ان اسباب کو وہ قسمت سے متعلق کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے ارسطو کے طریق فکر کو زندہ کیا۔ اس کے نزدیک صحت مند سیاست کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اپنے طور پر راستباز ہو۔ میکیاولی کا

عقیدہ تھا کہ مذہب سیاست سے الگ کوئی اور چیز ہے۔ وہ علوم کو قوم کی روح خیال کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ عوام سیاست داں کے ہاتھ میں کھلونا ہوں۔ ان کی تمام ضروریات سیاست داں کے قبضہ قدرت میں ہوں اور اور سیاست داں بھی کوئی جابر ہو میکیاولی کا انتقال ۲۰ جون ۱۵۲۷ء کو ہوا

میکیاولی کی تعلیم کا خلاصہ اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مذہب اور اخلاق کو سیاست سے خارج کر دیا وطن کی پرستش انسانوں کی زندگی کا جزو قرار دیا۔ اور ارباب سیاست کو مذہب سے بے تعلق کر دیا۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۴ صف ۵۷۵-۷-۵

اقبال میکیاولی کے اس عقیدہ سے سخت اختلاف کرتے ہیں کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ انہوں نے تو صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا جائے تو پھر وہ صرف غارتگری کا ایک آلہ بن کر رہ جاتا ہے۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

پیام مشرق

(طبع پنجم ۱۹۴۶ء)

خطاب بہ مصطفٰے کمال پاشا ایدہ اللہ (صفحہ ۱۶۱)

"مصطفٰے کمال پاشا" مصطفٰے اتاترک ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ دمشق میں فوجی خدمات انجام دینے کے بعد اتاترک کو مقدونیہ بھیج دیا گیا۔ وہ انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم کارکن رہے۔ ۱۹۱۱ء میں طرابلس پہنچ کر عربوں کی ایک باقاعدہ فوج تیار کی۔ ترکی کے پے درپے انقلابات کے بعد اتاترک نے ۱۹۲۰ء سے انگورا کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ متعدد لڑائیوں میں بہ حیثیت سپہ سالار اعظم حصہ لیا اور خاص کامیابی اور نیک نامی حاصل کی۔ اتاترک نے ۱۹۲۴ء میں خلافت کو ختم کیا اور سلطان عبدالحمید خاں کو جلاوطن کر دیا۔ سلطان کے بعد اتاترک کو ترکی جمہوریہ کا پہلا صدر تسلیم کیا گیا۔ مصطفٰے کمال کے فوجی کارناموں میں قسطنطنیہ کو اتحادی فوجوں سے آزاد کرانا اور فتح سمرنا کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اتاترک کا انتقال استنبول میں ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوا۔[۱]

جمعیت الاقوام

(صفحہ ۲۳۳)

"جمعیت الاقوام"۔ جمعیت الاقوام (LEAGUE OF NATIONS) پہلی جنگ عظیم کے بعد معرض وجود میں آئی۔ اس غرض سے کہ دنیا کی تمام اقوام مل جل کر اپنے اختلافات بغیر جنگ کے طے کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی جمعیت الاقوام کا اثر ہونے لگا۔ کیونکہ اس میں جو طاقتور اقوام تھیں وہ کمزور قوموں سے پوری طرح [تعاو]ن نہیں کرتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں جمعیت الاقوام بصدر مقام جینوا ختم ہوا۔ اس کی جانشینی کا حق تنظیم اقوام متحدہ (U.N.O.) انجام دے رہی ہے۔[۲]

۱۔ انسائیکلوپیڈیا۔ یکتا ج ۱۶ صفحہ ۳۴۶ - ۳۴۷
شروع شروع میں اقبال کو مصطفٰے کمال سے بڑی عقیدت رہی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مصطفٰے کمال کی لادینی اور مغربیت سے بیزار ہوتے گئے۔

۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۸۲۹ - ۸۴۴ طبع ۱۹۵۰ء

بانگ درا

(طبع یازدہم مارچ ۱۹۴۷ء)

ہرے رہو وطن مازنی کے میدانو! جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

(صفحہ ۱۴۹)

"مازنی" اشارہ اطالیہ کے مشہور محب وطن گسپ مزنی کی طرف ہے۔

گی سپ مزینی (GIUSEPPE MAZZINI) جنیوا میں ۲۲ جون ۱۸۰۵ء کو پیدا ہوا۔ ابتدا ہی سے بڑا ہونہار تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں وکالت شروع کر دی تھی۔ ۱۸۲۱ء میں اس نے اپنے ہم وطنوں کا حال زار دیکھ کر یہ تہیہ کر لیا کہ اپنے عزیز ملک اطالیہ کو آزاد کرانا چاہیے اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسے ادبی مشاغل ترک کرنے پڑے۔ ۱۸۲۹ء میں اس نے ملک کی ایک سیاسی جماعت میں شرکت کی گو اس جماعت کی پُرفریب چالوں کا یہ شکار ہوا اور اس کو قید برداشت کرنی پڑی۔ جوں ہی یہ قید سے رہا ہوا اس نے اطالیہ کے نوجوانوں کی ایک جماعت بنائی جس کا واحد مقصد اپنے ملک کو آزاد کرانا تھا۔ اس نے ملک کی آزادی کی خاطر بڑے بڑے مصائب برداشت کئے۔ بالآخر اطالیہ کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو انتقال کیا۔ مزنی کا نام اطالیہ کی جنگ آزادی کے سلسلہ میں سنہرے حروف میں لکھا جاتا ہے۔[1]

اسیری

(صفحہ ۲۸۶)

یہ نظم علامہ اقبال نے اس وقت سپرد قلم کی جب کہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں علی برادران (مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی) قید فرنگ سے آزاد ہو کر امرتسر پہنچے اور ان کی آوری کے موقع پر خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔

دریوزۂ خلافت

(صفحہ ۲۸۶)

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی وجہ سے شکست فاش اٹھانی

---

1. CHAMBERSS' ENCYCLOPAEDIA VOL. VII PP 102-103

چنانچہ انہوں نے غیر مشروط طور پر اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ انگریزوں نے ہندی مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ترکی سالمیت بہر طور برقرار رکھی جائے گی۔ اگرچہ عمل اس کے برعکس ہوا۔ ترکی کی اس تباہی پر تمام ہندوستان میں صف ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں نے تمام ملک میں احتجاجی جلسے کئے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان جلسوں کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا اور یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۲۰ء میں انگلستان کو ایک وفد روانہ کیا جائے چنانچہ وفد روانہ کیا گیا۔ لیکن آٹھ ماہ کے بعد وفد ناکام واپس ہوا۔[لہ] علامہ اقبال نے اپنی دوررس نگاہوں سے بھانپ لیا تھا کہ حکومت برطانیہ جو خود زوال خلافت کی سب سے زیادہ آرزومند ہے وہ بھلا کب وفد کے مطالبات پر توجہ کرے گی۔ اس لئے انہوں نے یہ بلیغ نظم تحریر کی۔

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر　　　گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

(صفحہ ۳۳۳)

۱۹۲۲ء میں گاندھی جی نے جیل سے ایک مضمون اشاعت کی غرض سے اپنے اخبار کے لئے تحریر کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور گیتا کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں کتابوں کی تعلیم یکساں ہے اس لئے اسلام اور ہندو مذہب دونوں سچے ہیں۔ گویا گاندھی جی نے "وحدت ادیان عالم" کا سبق دہرا کر اسلام کی برتری پر ایک کاری ضرب لگائی۔ اس کے بعد ملک میں کئی اور حضرات نے اسی قسم کی کتابیں لکھیں۔ اقبال نے اس کے مضر اثرات کو محسوس کیا اور یہ اشعار لکھے۔

لہ سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ بار سوم ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۷۵ - ۴۹۹

جاوید نامہ

(طبع دوم، ۱۹۴۷ء)

سید السادات مولانا جمال زندہ از گفتار او سنگ و سفال

(صف ۶۵)

"جمال" اشارہ جمال الدین الحسینی کی طرف ہے۔

مولانا سید جمال الدین افغان شعبان ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید صفدر اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ افغانی کے مولد کے بارے میں دو مختلف رائیں ہیں۔ کچھ لوگ ان کو ایرانی نژاد مانتے ہیں۔ بعض کی رائے میں وہ افغانستان میں پیدا ہوئے تھے۔ انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی ابتری سے ان کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کے جمود و تعطل کو دور کرنے میں صرف کی اور اتحاد اسلام (PAN ISLAMISM) میں مسلمانوں کی فلاح کا راز پایا۔ ۱۸ برس کی عمر میں وہ ہندوستان آئے۔ پھر حج کو چلے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں افغانستان حکومت سے متعلق ہو گئے۔ ۱۸۶۹ء میں دوسری بار ہندوستان آئے۔ یہاں سے مصر گئے۔ ۱۸۷۰ء میں استنبول پہنچے۔ وہاں علی شاہ نے ان کا استقبال کیا اور "انجمن دانش" کا رکن بنایا۔ وہاں سے وہ مصر چلے گئے جہاں ریاض پاشا نے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہاں انہوں نے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۷۹ء تک فلسفہ اور دینیات کا درس دیا۔ وہ جس ملک میں جاتے وہاں کا حکمران طبقہ شروع میں ان کا خیر مقدم کرتا بعد کو مخالف ہو جاتا۔ علما ان کے اجتہادی رجحانات سے خائف تھے۔ ان مخالفتوں کی بنا پر وہ کسی ایک ملک میں جم کر نہ بیٹھ سکے۔ انہوں نے انگلستان، فرانس، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ کی سیر کی تھی اور مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا تھا۔ پیرس سے انہوں نے اپنا رسالہ "عروۃ الوثقیٰ" جاری کیا۔ ان کی شاگردوں میں مفتی محمد عبدہ کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو استنبول میں انتقال کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کے جسد خاکی کو ترکی سے

افغانستان منتقل کر دیا گیا۔[۵]

ترک سالار آں حلیم دردمند   فکر او مثل مقام او بلند

(صفحہ ۶۵)

"حلیم" مراد سعید حلیم پاشا سے ہے۔

سعید ترکی سیاستداں حلیم پاشا کا لڑکا اور محمد علی کا پوتا موجودہ مصری حکومت کا بانی قاہرہ میں پیدا ہوا۔ ترکی اور جنیوا میں تعلیم حاصل کی۔ چونکہ اسے نوجوان ترک تحریک سے ہمدردی تھی اس لئے جلاوطن کیا گیا۔ بعد ازاں اس نے اپنا رابطہ پیرس کی (COMMITTEE OF UNION AND PROGRESS) سے پیدا کر لیا۔ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد استنبول واپس ہوا اور سینیٹ کا رکن بنایا گیا۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۸ء تک مختلف عہدوں پر مامور رہا۔ ۱۷ر جون ۱۹۱۳ء کو وزیراعظم بنایا گیا۔ اپنے عہد وزارت میں سعید حلیم نے رفاہ عام کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس نے یونانیوں سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کی۔ سعید حلیم پاشا ترک جرمن اتحاد کا علمبردار تھا باایں ہمہ ترکی کو پہلی جنگ عظیم میں غیر جانبدار رکھنا چاہتا تھا۔ جنگ عظیم میں ترکی کی شرکت کی بنا پر استعفی دے دیا، استعفی منظور نہیں کیا گیا۔ بالآخر فروری ۱۹۱۷ء تک وزارت کا کام چلایا۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو سعید حلیم کو انگریزوں نے مالٹا میں قید کیا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کو رہا کیا گیا۔ بعد ازاں ۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو روم میں قتل کیا گیا۔[۶]

۵؎ قاضی محمد عبدالغفار۔ آثار جمال الدین افغانی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند۔
رضا ہمدانی۔ حیات جمال الدین افغانی۔ مطبوعہ لاہور۔
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۱۰۰۸ — ۱۰۱۱

۶؎ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۹ صفحہ ۸۱۸

E.F KNIGHT-THE AWAKENING OF TURKEY pp. 251-252.

پہلوی آن وارث تخت قباد ناخن او عقدۂ ایران کشاد

(صفحہ ۲۱۱)

"پہلوی": اشارہ رضا شاہ پہلوی کی طرف ہے۔

رضا خاں نام تھا۔ ۱۸۷۷ء میں ایک فوجی افسر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں تہران پہنچا۔ ۱۹۲۱ء میں چار ہزار فوج کے ساتھ تہران پر قبضہ کیا۔ بعد ازاں ایران کی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز ہوا اور ۱۹۲۵ء میں ایران کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا۔ اس طرح ایران کی شہنشاہیت پہلوی خاندان میں منتقل ہوئی۔ اگست ۱۹۴۱ء میں برطانیہ اور روس نے ایران میں فوجیں داخل کر دیں کہ کہیں ایران پر جرمنی کا قبضہ نہ ہو جائے، چنانچہ رضا خاں کو تخت چھوڑنا پڑا۔ رضا کے بعد اس کا لڑکا محمد رضا پہلوی تخت نشین ہوا۔ رضا خاں کا انتقال ۲۶ر جولائی ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ لے

بالِ جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

(صفحہ ۱۰۲)

"رشی"۔ رشی کا اشارہ مہاتما گاندھی کی طرف ہے۔

موہن داس کرم چند گاندھی ۲؍اکتوبر ۱۸۶۹ء کو کاٹھیاواڑ کے ایک مقام پوربندر میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا پوربندر کی ریاست کے دیوان تھے۔ گاندھی جی ۱۷ سال کی عمر میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ولایت گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے راج کوٹ واپس آئے جہاں ان کے والدین رہتے تھے۔ ۱۸۹۳ء میں ایک مقدمہ کی پیروی میں ان کو جنوبی افریقہ جانا پڑا اور اس طرح ان کی افریقہ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ افریقہ میں انہوں نے ہندوستانیوں کے حقوق کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ اور اپنے مقدور بھر ان کی خدمت کی۔ افریقہ سے واپسی پر انہوں نے ہند کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ تحریک عدم تعاون' تحریک خلافت' انڈین نیشنل کانگریس وغیرہ میں نمایاں کام کیا۔ گاندھی جی کی حکمت عملی کا بنیادی تصور عدم تشدد تھا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ اپنی اس حکمت عملی سے کرتے تھے۔ انھوں نے ملک کی آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ گاندھی جی سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ متعدد بار گرفتار ہوئے۔ ان کی زندگی کا بڑا قیمتی وقت جیلوں میں گذرا۔ ملک کی تقسیم کے بعد ایک کٹر ہندو نے ان کو دلی میں ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہلاک کر دیا۔ مہاتما گاندھی بلاشبہ ہندو قوم کے مسلم لیڈر تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اچھوتوں کے لئے بھی بڑا کام کیا۔ وہ تمام عمر اچھوتوں کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے اور اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ انہوں نے ذات پات کی تفریق کو مٹانے کے لئے برت رکھا مگر اس کے باوجود برہمنوں نے یہ تفریق بدستور

قائم رکھی اور گاندھی جی کے برت کا کوئی اثر نہ ہوا[۱]

مسولینی

(صف ۲۰۲)

بینٹو مسولینی (BENITO MUSSOLINI) اطالیہ کے صوبہ فارلی کے ایک قصبہ میں ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا۔ مسولینی اطالیہ کا وزیر اعظم اور آمر مطلق تھا۔ اس نے اپنی تعلیم کا زمانہ بڑی دشواریوں کے ساتھ پورا کیا۔ اس نے کچھ عرصہ اونتی (AVANTI) نامی رسالہ کی ادارت کی اس رسالہ کا مقصد صرف حکومت کی خرابیاں بیان کرنا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں مسولینی اتحادیوں کے ساتھ رہا۔ جنگ ختم ہونے پر اطالیہ میں اشتراکیت کی تحریک بڑے زوروں پر پھیل گئی۔ مسولینی نے سختی کے ساتھ اس تحریک کو ختم کیا اور ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جسے فاشزم (FASCISM) کہتے ہیں۔ جس طرح اشتراکیت ایک عوامی تحریک تھی۔ اسی طرح فاشزم ایک غیر عوامی تحریک تھی فاشزم کی تحریک مارچ ۱۹۱۹ء میں عالم وجود میں آئی۔ اور اس تحریک کا مرکز ملان (MILAN) تھا۔ مسولینی نے ملک کی حالت کو سدھارا اور آخرکار اہل اطالیہ کا سردار بن گیا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وزارت سنبھالتے ہی اس نے ملک کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بعد اصلاحات شروع کیں۔ اس دوران میں ایک بڑی تعداد اس کی مخالف بن گئی۔ اس مخالفت کے باوجود مسولینی ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء تک وزارت کے عہدہ پر فائز رہا۔ بالآخر دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح نے اس کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا کیونکہ وہ محوری طاقتوں کے ساتھ تھا اور محوری طاقتیں شکست کھا چکی تھیں۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی گرفتار ہوا اور دو روز کے بعد معہ اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔[۲]

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا J. 10 صف ۱۵

C. F. ANDREWS- MAHATMA GANDHI'S IDEAS

ROMAIN ROLLAND- MAHATMA GANDHI.

[۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا J. 16 صف ۲۸-۳۱

ضربِ کلیم

(طبع ششم مئی ۴۶ ۱۹ء)

ابی سینیا

(صفحہ ۱۴۷)

جب ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء کو اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اٹلی نے بلا وجہ ابی سینیا پر حملہ کر دیا ہے تو علامہ اقبال کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے تاثراتِ قلبی کا اظہار اس نظم (ابی سینیا) کی صورت میں کیا۔

رخت سفر (نقش اول جنوری ۱۹۵۲ء)

گاندھی سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی
کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا (صفحہ ۱۳۷)

"مالوی" اشارہ پنڈت مدن موہن مالوی کی طرف ہے۔

پنڈت مدن موہن مالوی نے ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہیں گاندھی جی کی حکمت عملی سے اتفاق تھا۔ وہ آزادی عدم تشدد کے ذریعہ حاصل کرنے کے قائل تھے۔ پنڈت مالوی ہندوستان کے ماہرین تعلیم میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی تعلیمی خدمات بھی ہندو قوم کے لئے کسی سے کم نہیں۔ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ انتقال نومبر ۱۹۴۶ء میں کیا۔

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر — اترے مسیح بن کے محمد علی جناح

(صفحہ ۱۴۲)

"محمد علی جناح" محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ یہ کراچی کی خوجہ جماعت کے ایک متمول تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مشن ہائی اسکول کراچی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۸۹۲ء میں لندن پہنچے جہاں آپ نے لنکن ان (LINCON INN) سے چار سال کی مدت میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۶ء میں امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ بیرسٹری کا ابتدائی زمانہ بڑی تنگ دستی میں بسر کیا لیکن اپنے بلند عزائم پر قائم رہے اور کبھی جد وجہد سے منہ نہ موڑا۔ بالآخر مقدمات میں کامیاب ہونے لگے۔ اسی طرح وہ دس سال تک ایک معمولی بیرسٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا شمار ملک کے ممتاز بیرسٹروں میں ہونے لگا۔ ان کا سیاسی شعور اسی زمانے میں بیدار ہو چکا تھا۔ جب وہ لندن میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے تھے۔ شادی بمبئی کے ایک

متوّل ٹھہرانے میں کی۔ بیگم جناح کے بعد ان کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نے امورِ خانہ داری کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ان کی سیاسی زندگی ایک قوم پرست کی حیثیت سے شروع ہوئی۔ بعد ازاں ۱۹۱۳ء میں انہوں نے مولانا محمد علی مرحوم اور سید وزیر حسین کی استدعا پر مسلم لیگ میں شرکت قبول کر لی اور اس کے باقاعدہ ممبر بن گئے۔ مسلم لیگ کو زندگی آپ ہی کی شبانہ روز کوششوں سے حاصل ہوئی۔ دس سال مسلم لیگ کے صدر رہے۔ مسلم قوم نے ان کی خدمات کے پیشِ نظر ان کو قائدِ اعظم کہا۔ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے ایک اجلاس میں لیگ نے پاکستان کی قرارداد منظور کی۔ کانگریس نے اس قرارداد کی مخالفت پوری شدومد کے ساتھ کی۔ آخر کار مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور ملک کی تقسیم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آئی اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح اس ملک کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ ابھی وہ گورنر جنرل ہی تھے کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا اور کراچی میں مدفون ہوئے۔[۱]

---

[۱] صفیہ سلطانہ انور۔ قائدِ اعظم میری نظر میں۔

بابِ ہفتم

اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق و مغرب کا ذکر

اسرارِ خودی

طبع سوم ۱۹۴۸ء

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم دفترِ سربستۂ اسرارِ علوم (صفحہ ۷)

"پیرِ روم"۔ آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا۔ والد کا نام بہاء الدین تھا جو سلطان العلماء کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا مولد بلخ تھا۔ ربیع الاول ۶۰۴ھ (۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء) آپ کا سال ولادت ہے۔ رومی نے ابتدا میں تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر دیگر اساتذہ کی طرف رجوع ہوئے آپ نے حصول علم کے لئے مختلف مقامات کے سفر کئے، ۱۸ سال کی عمر میں تکمیل کا درجہ حاصل کیا۔ جب شمس تبریزی جو بابا کمال الدین کے خلیفہ تھے اپنے پیر کے ایما سے قونیہ جاکر مولانائے رومی سے ملے تو مولانا نے ان سے فیض حاصل کیا اس سے پہلے مولانا پر علوم ظاہری کا جو رنگ غالب تھا اس کے بعد ان اشغال میں کمی آگئی اور شمس تبریز کی صحبت کے سوا کوئی شے ان کو بھلی نہ معلوم ہوتی تھی اب محویت اور استغراق کا غلبہ ہوگیا کبھی کبھی دن بلا خورد نوش سماع کی کیفیت میں گذر جاتے۔ بالآخرہ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء) بمقام قونیہ انتقال کیا۔ رومی کا دیوان، خطوط کا مجموعہ اور مثنوی ان کی زندہ جاوید تصانیف ہیں۔ مثنوی کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو ع ہست قرآن در زبانِ پہلوی کہا گیا ہے۔ مثنوی کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ملتے ہیں جو اس کے قول عام کا بین ثبوت ہیں۔ اقبال کو رومی سے والہانہ عقیدت تھی۔ اسی لئے وہ کہیں ان کو پیر رومی اور کسی جگہ مرشد رومی

کہتے ہیں۔ ؎۱

ذرہ گشت و آفتاب انبار کرد   خرمن از صد رومی و عطار کرد (صفی)

"عطار": اصلی نام محمد لقب فرید الدین اور عطار تخلص تھا جو دوا سازی کے پیشے کی نسبت سے اختیار کیا تھا۔ آپ بمقام شاد باغ جو نیشاپور کا ایک گاؤں ہے ۵۱۳ ھ (۱۱۱۹ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار اکابر صوفیہ میں ہے۔ معرفت اور تصوف میں بہت سی تصانیف ہیں۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ نیشاپور کے قتل عام میں جو چنگیز خاں کے حکم سے ہوا تھا ۲۶ اپریل ۱۲۳۰ء کو شہید ہوئے۔ عطار کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ پند نامہ، الہی نامہ اور منطق الطیر ان کے علاوہ نثر میں تذکرۃ الاولیا بھی عطار کی تصنیف ہے۔ عطار فارسی کے ممتاز شعرا میں سے ہیں۔ رومی جیسا شاعر و صوفی ان کے کمال شاعری کا معترف ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ع۔ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم ؎۲

کشتۂ انداز ملا جامیم   نظر و نثر او علاج خامیم (صفی ۲۲)

"جامی" نور الدین عبد الرحمن جامی فارسی کے مشہور صوفی اور شاعر تھے۔ ولادت ۲۲ شعبان ۸۱۷ ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) کو ہرات کے قریب موضع جام میں واقع ہوئی۔ اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص جامی رکھا۔ جامی نہایت خوش خلق اور

؎۱ شبلی۔ سوانح مولوی ردم

آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفہ ۱۲۱-۱۳۷

E.G. BROWNE- A LITERY HISTORY OF PERSIA,

VOL. II PP. 515-525

؎۲ شبلی۔ شعر العجم ج ۲ صفہ ۸-۱۶

E.G. BROWNE-A LITERARY HISTORY OF PERSI[A]

VOL. II PP. 507-514

شریف الطبع انسان تھے۔ ان کی وسعت معلومات کا حال یہ تھا کہ اس زمانہ میں کوئی دوسرا عالم ان کا مدمقابل نہ تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے جو اس کے مرتے دم تک قائم رہے۔ جامی کثیر التصانیف تھے۔ ان کو بیک وقت فارسی نظم و نثر پر بڑی قدرت تھی اور اس کے ساتھ وہ عربی کے ایک جید عالم تھے۔ جامی کی بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ہفت اورنگ (سات مثنویاں) اور کلیات قصائد و غزلیات۔ ان کے علاوہ نفحات الانس بہارستان، لوائح جامی، شواہد النبوۃ اور شرح ملا جامی مقبول عام ہیں۔ سال وفات ۱۸ محرم ۸۹۱ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے۔[۱]

خسرو شیریں زبان رنگیں بیان نغمہ ہا کش از ضمیر کن فکان

(صفحہ ۲۸)

"خسرو"۔ خواجہ ابوالحسن امیر خسرو ہندوستان کے نہایت مشہور صوفی شاعر تھے۔ ان کا لقب طوطی ہند تھا۔ انھوں نے بہت سے سلاطین دہلی کے ہاں ملازمت کی اور درباری شاعر رہے۔ ان کے والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ترک تھے جو بلخ سے ہندوستان آئے تھے۔ امیر خسرو پٹیالی ضلع ایٹہ میں ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا۔ تربیت و تعلیم ان کے نانا عماد الملک نے کی۔ ۹ سال کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی۔ ان کے کلام میں ایک خاص قسم کا سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے پیر محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کی دعا کا اثر تھا۔ امیر خسرو کو اپنے پیر سے بڑی عقیدت تھی اور پیر بھی بدرجۂ نہایت ان سے محبت کرتے تھے۔ امیر خسرو کا انتقال ستمبر ۱۳۲۵ء میں ہوا اور محبوب

---

[۱] آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۳۲۰-۳۲۸

E.G. BROWNE—A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. III PP. 507-548

الٰہی کے مزار کے قریب دلی میں دفن ہوئے۔ ان کی بعض مشہور تصانیف یہ ہیں۔ غرۃ الکمال ہشت بہشت، آئینۂ سکندری، اعجاز خسروی، خزائن الفتوح، لیلیٰ مجنوں، مطلع الانوار، قرآن السعدین، نہ سپہر، شیریں خسرو اور تغلق نامہ۔ امیر خسرو کی بعض تصانیف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جاچکا ہے۔ وہ اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے فارسی شاعری میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔[۱]

"خوشتر آن باشد کہ سر دلبران — گفتہ آید در حدیث دیگران"

(صفحہ ۶۰)

یہ شعر رومی کا ہے۔

"درد رونم سنگ و اندر سنگ نار — آب را بر نار من نبود گذار"

(صفحہ ۶۸)

رومی کا اصل شعر یوں ہے۔

سنگ و آہن در دروں دارند نار — آب را بر نار شان نبود گذار

چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما — رخ سوئے میخانہ دارد پیر ما

(صفحہ ۷۹)

یہ شعر خواجہ حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما — چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

"ہر کسے از ظن خود شد یار من — از دروں من نجست اسرار من"

(صفحہ ۸۸)

یہ شعر رومی کا ہے۔

۱۔ شبلی۔ بیان خسرو
شبلی۔ شعر العجم ج۲ صفحہ ۱۰۷-۱۹۵
آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۲۸۹-۲۹۲
PROFFSSOR MOHAMMAD HABIB- HAZRAT AMIR KHUSRAN

رموزِ بیخودی

(طبع سوم ۱۹۴۴ء)

باز خوانم قصۂ پارینہ ات   تازہ سازم داغہائے سینہ ات

(صفحہ ۹۵)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے۔

"تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را   گاہ گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز   گر نمی فہمی زپیشش ما گریز"

(صفحہ ۱۰۰)

یہ شعر رومی کے ہاں اس طرح ہے۔

نکتہ ہا چوں تیغ فولاد است تیز   گر نداری تو سپر واپس گریز
امتش در حرز دیوار حرم   نعرہ زن مانند شیراں در اجم

(صفحہ ۱۱۶)

یہ شعر قصیدۂ بردہ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

حلّ امّتہ فی حرز ملّتہ   کاللیث حلّ مع الاشبال فی اجم

یعنی یہ کہ رسول کریم نے اپنی قوم کو اپنے دین کے مضبوط قلعے میں اتارا جیسے شیر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر اپنی کچھار میں فروکش ہوتا ہے۔

رونق از ما محفل ایام را   او رسل را ختم و ما اقوام را

(صفحہ ۱۱۸)

یہ شعر قصیدۂ بردہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

لمّا دعا اللہ داعینا لطاعتہ   باکرم الرسل کنّا اکرم الامم

مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو جو ہمیں اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں سب رسولوں کا سردار کہہ کر پکارا تو ہم (قدرتی طور پر) سب قوموں کے سردار ہو گئے۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است | پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است

(صفحہ ۱۲۷)

"لاالٰہ" اشارہ اس مشہور رباعی کی طرف ہے۔

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین | دیں است حسین و دیں پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید | حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین

پیش پیغمبر چو کعب پاک زاد | ہدیۂ آورد از بانت سعاد
در ثنایش گوہر شب تاب سفت | سیف مسلول از سیوف الہند گفت

(صفحہ ۱۲۹)

"کعب" کعب بن زہیر عرب کے مشہور شاعر رسول اکرم کو بہت ایذا دیا کرتے تھے فتح مکہ کے بعد مکہ سے بھاگ کر طائف چلے گئے تھے۔ وہاں سے قصیدۂ بانت سعاد لکھ کر رسول کریم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی پچھلی غلطیوں کی معافی مانگی آپ نے کعب کو معاف کر دیا۔ اور قصیدے کے صلے میں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔ اس قصیدے میں کعب بن زہیر نے رسول اکرم کو ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار سے تشبیہ دی چونکہ رسول اکریم اپنی ذات کو کسی خاص ملک سے والبستہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپ ساری دنیا کے ہادی ہیں اس لئے آپ نے کعب سے ارشاد فرمایا کہ سیف من سیوف الھند کے بجائے "سیف من سیوف اللہ" کہو۔ قصیدۂ بانت سعاد حضور اکرم کے روبرو اور صحابہ کی موجودگی میں پڑھا گیا تھا۔ یہ قصیدہ رسول کریم کو بہت پسند آیا۔ اس قصیدے میں ۵۷ اشعار ہیں۔ اس کی مختلف زبانوں میں شرحیں بھی موجود ہیں۔ کعب بن زہیر صاحب دیوان اور بڑے پرگو شاعر تھے۔ عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں کعب کی پرگوئی کا ذکر کیا ہے۔ قصیدۂ بانت سعاد اس طرح شروع ہوتا ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول | متیم اثرہا لم یفد مکبول[1]

---

[1] یوسف الیان سرکیس معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ صفحہ ۱۵۶۲
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۵۸۲

میری محبوبہ (سعاد) مجھ سے جدا ہو گئی، اس لئے میرا دل آج ہر قسم کی خوشی سے محروم ہے اس کی جدائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس غلام کی مانند ہوں جو ذلیل و خوار ہو اور اس کا فدیہ کسی نے ادا نہ کیا ہو۔

آتش از شعر عراقی در دلش   در نمی سازد بقرآں محفلش

(صفحہ ۱۴۲)

"عراقی"، پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے۔ ہمدان کے نواح میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں قرآن حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر فریفتہ تھے، ۱۷ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہوئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا اور ان کے پاس برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر وہ شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیض صحبت سے روحانی اور باطنی دولت حاصل کی۔ وفات کے وقت عمر ۸۸ سال کی تھی۔ میخانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) درج ہے۔ عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے۔ مثنوی کا نام عشاق نامہ ہے۔ ان کا شمار فارسی کے مشہور شعرا میں ہے۔[1]

حرف چوں طائر بہ پرواز آورد   نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد

(صفحہ ۱۶۸)

---

[1] شبلی۔ شعر العجم ج ۵ صفحہ ۱۲۸

سید صباح الدین عبد الرحمٰن۔ بزم صوفیہ صفحہ ۱۵۲-۱۷۰

E.G. BROWNE - A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. III PP. 124-139.

غالب کا اصل شعر اس طرح ہے جو اس نے انگریزوں کی تعریف میں کہا ہے۔[1]

نغمہ ہائے زخمہ از ساز آورند ۔۔۔ حرف چوں طائر بہ پرواز آورند

"نور حق را کس نجوید زاد بود ۔۔۔ خلعت حق را چہ حاجت تار و پود"

(صفہ ۱۹۰)

یہ شعر رومی کا ہے۔

اے بصیری را ردا بخشندہؑ ۔۔۔ بربط سلما مرا بخشندہؑ

(صفہ ۱۹۵)

"بصیری" بصیری کا پورا نام شرف الدین ابو عبد اللہ ابن سعید الصنہاجی المعروف بہ البوصیری ہے۔ بوصیر مصر میں ایک بستی ہے وہاں پیدا ہوئے اس لئے بوصیری یا بصیری کہلاتے ہیں، بعض ان کا وطن دلاص بتلاتے ہیں اس لئے ان کو دلاصی بھی کہا جاتا ہے۔ بصیری نے مرض فالج کی حالت میں ایک قصیدہ الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے لکھا جو رسول کریم کی مدح میں تھا۔ آنحضرت صلعم بصیری کے پاس عالم رویا میں تشریف لائے اور ان کو اپنی چادر سے ڈھاپ لیا جس کی برکت سے بصیری نے فالج کے مرض سے شفا پائی اور اسی لئے اس قصیدے کا نام بردہ پڑا کہ چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں، قصیدہؑ بردہ ۱۶۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ بصیری نے کئی اور قصیدے بھی لکھے۔ لیکن سب سے زیادہ شہرت قصیدہؑ بردہ ہی کو ملی اس قصیدے کی ۹۰ سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں قصیدہؑ مذکور کا پہلا شعر یہ ہے۔

امن تذکر جیران بذی سلم ۔۔۔ مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم

کیا ذی سلم کے پڑوسیوں کی یاد میں تیرے گوشۂ چشم سے خون کے آنسو بہ رہے ہیں۔

---

[1] کلیات غالب فارسی مطبوعہ نولکشور صفہ ۱۰۰

بصیری کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ صوفی ابوالعباس احمد المصری کے درس میں بصیری شریک ہوا کرتے ہیں۔ علم حدیث میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بصیری یکم شوال ۶۰۸ھ (۷ مارچ ۱۲۱۳ء) کو بمقام بوصیر پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔ سیوطی ۶۹۵ھ (۹۶-۱۲۹۵ء) بتاتے ہیں۔ مقریزی اور ابن شاکر ۶۹۶ھ (۹۷-۱۲۹۶ء) کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ۶۹۴ھ (۹۵-۱۲۹۴ء) ہے۔[۱]

---

۱ یوسف الیان سرکیس۔ معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ صفحہ ۶۰۴-۶۰۵
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۸۰۴
PHILIP K. HITTI - HISTORY OF THE ARABS
PP. 689-690

پیام مشرق

(طبع پنجم ۱۹۳۶ء)

او چو بلبل در چمن "فردوس گوش" | من بصحرا چون جرس گرم خروش

(صفحہ ۲)

"فردوس گوش"۔ یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل شعر سے لی گئی ہے۔

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ | یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

تو اے کودک منش خود را ادب کن | مسلماں زادۂ؟ ترک نسب کن

برنگ احمر و خون و رگ و پوست | عرب نازد اگر ترک عرب کن

(صفحہ ۵۲)

"ترک نسب کن"۔ یہ ترکیب جامی کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی | کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست[1]

عجم از نغمہ ام آتش بجان است | صدائے من درائے کاروان است

حدی را تیز تر خوانم چو عرفی | کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است

(صفحہ ۸۱)

عرفی کا شعر یہ ہے۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی | حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

"عرفی" جمال الدین نام، عرفی تخلص، وطن شیراز۔ فارسی کا مشہور شاعر تھا۔ وہ وطن سے آگرہ آیا جہاں کئی سال تک حکیم ابوالفتح گیلانی کا مصاحب رہا۔ ۱۵۸۹ء میں عبدالرحیم خاں خاناں نے اس کو شہنشاہ اکبر کے دربار میں پیش کیا۔ دو سال

---

[1] اسی مضمون کو کبیر نے یوں ادا کیا ہے۔

جات پات پوچھے نا کوئے | ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

کے بعد ۵۹۱ھ میں ۳۶ سال کی عمر پا کر لاہور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ بعد ازاں اس کی ہڈیاں صابر اصفہانی نے نجف کو بھیج دیں کیونکہ عرفی وہیں دفن ہونا چاہتا تھا۔ اور اس کی یہ خواہش اس کے ایک قصیدے کے ایک شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی چند تصانیف ہیں مگر قصائد اور دیوان بہت مشہور ہیں۔ عرفی کے ہاں خیالات میں بلندی اور طرز بیان میں بڑا زور پایا جاتا ہے۔[۱]

باوراق سینا نشیمن گرفتم　　　　بسے دیدم از نسخۂ فاریابی

(صفحہ ۱۱۹)

"فاریابی"۔ ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین فاریابی بلخ کے ایک قصبہ فاریاب میں پیدا ہوا۔ وہ جوانی ہی سے شعر و ادب اور تحصیل علم کا شائق تھا۔ اس نے نجوم میں بڑی مہارت پیدا کی نیشاپور، مازندراں اور آذربائیجان کی سیاحت کی۔ اپنے زمانے کے امرا و سلاطین کی مدح سرائی کیا کرتا تھا۔ اس کے قصائد استادانہ ہیں۔ لیکن وہ انوری اور خاقانی کے ہم پلہ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے بعض قطعات خوب ہیں۔ وہ صاحب دیوان شاعر تھا۔ ظہیر نے آخر عمر میں قصیدہ گوئی ترک کر دی تھی۔ اس کا انتقال تبریز میں ۵۹۸ھ (۱۲۰۱ء) میں ہوا۔[۲]

"یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید　　　　خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم　　　　گر او ہست حقا کہ من نیستم"

(صفحہ ۱۳۰)

---

[۱] شبلی۔ شعر العجم ج ۳ صفحہ ۸۳ - ۱۳۳
آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۳۴۶ - ۳۴۷
E.G. BROWNE = A LITERARY HISTORY OF PERSIA
VOL. IV PP 241-249

[۲] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال زلت قلم سے یہاں فارابی کی جگہ فاریابی لکھ گئے ہیں۔
آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۹۷ - ۹۸

یہ اشعار سعدی کے ہیں۔

زندگی و عمل

صفہ ۱۵

(در جواب نظم ہائنا موسوم بہ سوالات)

گیٹے اور شلر کے بعد جرمن ادبیات کی مشہور ترین شخصیت ہائنرش ہائنے (HEINRICH HEINE) ۱۳ دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے نپولین اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بڑی دلچسپی تھی۔ ۱۸۱۵ء میں اس کو فرینک فرٹ بنکنگ کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا لیکن اس نے اس کو فوراً ہی ترک کر دیا کیونکہ اسے تعلیم سے دلچسپی نہ تھی۔ بعد ازاں اس نے تجارت شروع کی اس میں بھی ناکام رہا اسی اثنا میں اس کو اپنے مالدار چچا کی لڑکی سے عشق ہوگیا۔ اس لڑکی کے تغافل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہائنے شعری تخلیق کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ۱۸۱۹ء میں اس کے چچا نے اس کو بون یونیورسٹی میں تعلیم کے لئے بھیجا۔ وہاں اور اس کے بعد برلن اور گوٹنجن میں اس نے قانون کا مطالعہ کیا اور ۱۸۲۵ء میں گوٹنجن سے قانون میں ڈاکٹریٹ حاصل کی لیکن اس کی طبیعت شاعری کی طرف زیادہ مائل تھی۔ ہائنے کے بہت سے نغمے جرمن قوم کو بڑے عزیز ہیں DAS BUCH DER LIEDER اور (REISCBILDER) ہائنے کے شاہکار ہیں تقریباً اس کی تمام تصنیفات ہنگامی ہیں لیکن ان دو نظموں میں دوامی اقدار بھی پائے جاتے ہیں جنھیں مدت العمر بھلایا نہیں جاسکتا۔ اس کو نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ گو وہ مذہب سے تمسخر کرتا تھا تاہم اس کے دل میں بائبل کی بڑی قدر تھی۔ اس کے تعلقات پیرس کے چوٹی کے ادیبوں سے تھے۔ ۱۷ فروری ۱۸۵۶ء کو اس نے انتقال کیا۔[1]

---

(1) CHAMBERS' ENCYCLOPAEDIA, VOL V PP 622-52

غنی آن سخن گوئے بلبل صفیر نواسنج کشمیر مینو نظیر

(صف ۱۶۰)

"غنی"۔ مرزا محمد طاہر نام، غنی تخلص تھا، اس کا وطن کشمیر تھا۔ فارسی ادب میں غنی کشمیری کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ محسن فانی کے ارشد تلامذہ میں تھا۔ غنی کی شہرت اس کے دیوان سے ہے۔ ۱۶۶۸ء میں غنی کا انتقال ہوا۔ اس وقت اس کے استاد محسن فانی زندہ تھے۔ غنی انتقال کے وقت جوان تھا۔ اور اس کی شاعری عروج پر تھی۔ کبھی کبھی طاہر بھی تخلص کرتا تھا۔

غنی کے ہاں تکلف و تصنیع کا رنگ نمایاں ہے۔ یہ ایک خاص طرز کا ترجمان تھا۔ اس کے اشعار سمجھنے کے لئے ذہن پر بڑا زور ڈالنا پڑتا ہے۔ غنی کی دوسری خصوصیت "مثالیہ نگاری" ہے۔ شبلی لکھتے ہیں۔ "مثالیہ مضمون پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے۔ لیکن کلیم مرزا صائب اور غنی نے گویا اس کو ایک خاص فن بنا دیا۔ چونکہ یہ تینوں شاعر کشمیر میں مدت تک ساتھ ہم قدم و ہم قلم رہے تھے اور باہم مشعرے رہتے تھے۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا۔ علی قلی سلیم بھی مثالیہ میں کمال رکھتا ہے اور اس کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہیں مدفون ہے! غنی کے ہاں مثالیہ میں سب سے زیادہ غلو ملتا ہے۔

غنی اور صائب کی ملاقات ہوئی تو غنی نے اپنا حسب ذیل شعر پڑھا۔ صائب اس شعر پر اپنا دیوان قربان کرنے کو تیار تھا۔

لہ مولانا آزاد: بلگرامی۔ سرو آزاد صف ۱۰۳

شیخ محمد اکرام۔ ارمغان پاک صف ۲

DR. G. M. D. SHFI, KASHIR-DUNG, THE CULTURAL HISTORY OF KASHMIR AS INFLUENCE BY SLAM PP 210-220

حسن سبزے بہ خطا سبز مرا کرد اسیر | دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم
بملک جم ندہم مصرع نظیری را | "کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"

(صفحہ ۱۸۸)

"نظیری" ۔ محمد حسین نام نظیری تخلص اور نیشاپور وطن تھا۔ فارسی کا مسلم الثبوت شاعر مانا جاتا ہے۔ اپنے وطن سے ہندوستان چلا آیا تھا۔ عبدالرحیم خاں خاناں اس کا مربی تھا۔ نظیری ۱۶۰۲ء میں حج کو گیا اور واپس ہونے پر پھر خان خاناں کی سرکار سے منسلک ہو کر احمد آباد میں رہنے لگا۔ وہیں ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ اس نے فارسی دیوان یادگار چھوڑا۔

نظیری کا اصل میدان غزل ہے۔ اس کے کلام میں حافظ یا خسرو کا سوز و گداز اور جذبات کی فراوانی نہیں، اس کی توجہ لفظوں کے انتخاب اور ترکیبوں کی تراش خراش پر زیادہ رہتی تھی۔ نظیری اس طرز تغزل کا امام ہے۔ نازک خیالات اور واردات عشق کا لطیف بیان اس کی خصوصیات میں ہیں۔[۱]

بملک جم ندہم مصرع نظیری را | "کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

(صفحہ ۱۸۸)

نظیری کا پورا شعر یوں ہے۔

گریزد از صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست | کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست
بر دشت جنوں من جبریل زبوں صیدے | یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

(صفحہ ۱۹۸)

یہ شعر ادی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

---

[۱] شبلی ۔ شعر العجم ج ۳ صفحہ ۱۳۴-۱۶۲
سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۔ بزم تیموریہ صفحہ ۱۰۲-۱۰۳
شیخ محمد اکرام ۔ ارمغان پاک صفحہ ع

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند　　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

شعلۂ درگیر زد بر خس و خاشاک من　　　مرشد رومی کہ گفت "منزل ما کبریاست"

(صفحہ ۲۰۴)

"منزل ما کبریاست"۔ یہ ٹکڑا رومی کے مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے۔

ما ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم　　　زین دو چرا نگذریم منزل ما کبریاست

بیا بمجلس اقبال و یک دو ساغر کش　　　اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

(صفحہ ۲۱۱)

مصرع ثانی حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

"مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند　　　شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند"

(صفحہ ۲۳۳)

یہ شعر غالب کا ہے۔

خیال او چہ پریخانہ بنا کرد است　　　شباب غش کند از جلوۂ لب بامش

(صفحہ ۲۴۰)

اس شعر میں انگریزی کے مشہور شاعر بائرن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جارج گارڈن بائرن (GEORGE GORDON BYRON) انگلستان کا مشہور شاعر ۲۲ جنوری ۱۷۸۸ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ وہ ایک دولتمند خاندان کا فرد تھا۔ اس نے ہیرو اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ بائرن نے کثرت سے اشعار لکھے اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ انگریز نقادوں نے اس کو صف اول کا شاعر مانا ہے۔ اس کے ہاں زور بیان کی فراوانی ہے۔ بائرن کا انتقال ۱۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو ہوا۔ اس کی چند مشہور نظموں کے نام یہ ہیں۔ DARKNESS اور THE DREAM۔ اس نے اپنی ایک نظم سے تمام یورپ کو ترکی کے خلاف یونانیوں کی حمایت کے لئے جنگ پر آمادہ کر دیا تھا۔[۱]

۱؎ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۴ صفحہ ۴۷۸ - ۴۸۴ طبع چہاردہم

بنوائے خود گم استی سخن تو مرقد تو	بہ زمیں نہ بازرفتی کہ تو از ہمیں نبودی

(صفحہ ۲۴۳)

اس شعر میں پٹوفی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سینڈر پٹوفی (SANDOR PETOFI) ہنگری کا جوان مرگ شاعر یکم جنوری ۱۸۲۳ء کو پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں مختلف پیشے اختیار کیے۔ پہلے وہ ایکٹر بنا اس کے بعد سپاہی اور سب سے آخر میں ادبی کام میں منہمک ہوا۔ ۱۸۴۴ء میں بہ حیثیت شاعر کے اس کی خاصی شہرت ہو چکی تھی۔ ۱۸۴۸ء میں پٹوفی نے انقلابی مہم میں حصہ لیا اور بڑی تعداد میں رزمیہ اشعار لکھے۔ اس کی شاعری قومی جذبات سے مملو ہے۔ ہنگری کی شاعری میں پٹوفی سے قبل پند و نصیحت بہت تھی۔ اس نے ہنگری کی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ۳۱ر جولائی ۱۸۴۹ء کو جنگ میں کام آیا۔[۱]

"بنی آدم اعضائے یکدیگر اند"	ہماں نخل را شاخ و برگ و بر اند

(صفحہ ۲۴۴)

پہلا مصرع سعدی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
طائر عقل فلک پرواز او دانی کہ چیست؟	"ماکیاں کز زور مستی خایہ گیرد بے خروس"

(صفحہ ۲۴۵)

مصرع ثانی دھقان علی شطرنجی کے قطعہ ذیل سے لیا گیا ہے۔

اے برادر گر عروس خوبت آبستن شدہ است	اندریں مدت کہ بودی غایب از نزد عروس
بر عروست بدگماں گشتن نباید بہر آنک	ماکیاں چوں نیک باشد خایہ گیرد بے خروس[۲]

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۷ صفحہ ۶۵۸

[۲] محمد عوفی۔ لباب الالباب ج ۲ صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ بریل لیڈن ۱۹۰۳ء

بے پشت بود بادۂ سر جوش زندگی   آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

(صفحہ ۲۵۲)

اقبال نے اس شعر میں براؤننگ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رابرٹ براؤننگ (ROBERT BROWNING) انگلستان کا مشہور شاعر ۷ مئی ۱۸۱۲ء کو بمقام کیمبرویل پیدا ہوا۔ اس نے ۱۹ سال کی عمر میں ایک ڈرامائی نظم PAULING لکھی جو ۱۸۳۳ء میں شائع ہوئی براؤننگ نے ایک اور نظم PARACELSUS لکھی جس سے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کی مقبول عام دو نظموں کے نام یہ ہیں THE PIED PIPER OF HAMELIN اور HOW THEY BROUGHT THE GOOD NEWS FROM GHENT TO AIX۔ ۱۸۵۵ء میں براؤننگ نے اپنے بہترین کارنامے پیش کئے جن کے نام یہ ہیں۔

(1) FRA LIPPO (2) CHILDE ROLAND (3) ANDREA DEL SARTO (4) EVELYN HOPE (5) HOLY CROSS DAY (6) UP AT A VILLA.

۱۸۶۹ء میں اس نے اپنا شاہکار THE RING AND THE BOOK پیش کیا اس نے ایک نظم RABBI BEN EZRA بھی لکھی جس میں موسیقی فلسفہ اور ابدی زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ براؤننگ کے ہاں یہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ ڈرامائی اسلوب کا نباہنا فطرت انسانی کی بوقلمونیوں پر روشنی ڈالنا اور حیات انسانی کا بالغ نظر مبصر ہونا ۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ء کو طویل عمر پاکر اس نے وینس میں انتقال کیا[1]

کہ تواند گفت شرح کارزار زندگی   "می برد رنگش حباب چون بدریا بشکند"

(صفحہ ۳۶۲)

مصرع ثانی سرخوش کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

کہ تواند دید زاہد جام صہبا بشکند   می برد رنگش حباب گر بدریا بشکند[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۴ صفحہ ۲۷۵-۲۷۹

[2] محمد افضل سرخوش۔ کلمات الشعرا صفحہ ۲ (مطبوعہ مبارک علی لاہور ۱۹۴۲ء)

بانگ درا

(طبع یازدہم مارچ ۱۹۴۷ء)

مرزا غالب

(صفحہ ۹)

مرزا اسد اللہ غالب ۱۷۹۷ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ اقبال نے غالب کی خصوصیات شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے وہ مختصر سہی لیکن غالب کی اہم خصوصیات شاعری کا حامل ضرور ہے۔ اقبال کے نزدیک غالب کی خصوصیات شاعری مختصراً یہ ہیں۔ غیر معمولی رفعت تخئیل، قوت فکر، حسن مطلق کا عشق، کلام کی شوخی، اسلوب بیان کی دلکشی، ذہانت اور جدت پسندی۔

غالب اردو شعر و ادب میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے خطوط اردو نثر کا نادر نمونہ ہیں۔ غالب کو فارسی شعر و ادب میں بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ وفات ۱۸۶۹ء میں دلی میں پائی اور وہیں مدفون ہیں۔[۱]

آہ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے　　گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(صفحہ ۱۰)

"گلشن ویمر" مراد گئٹے کی ابدی خواب گاہ۔ اقبال کے نزدیک انیسویں صدی میں اگر دنیا میں کوئی شاعر غالب کا ہمسر تھا تو صرف گیٹے ہی تھا اس لئے کہ ان دونوں میں بعض مشترک خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

جوہان ولف گانگ گیٹے (JOHNN WORFGANG GOETHE) جرمنی کے عظیم ترین ادیبوں میں سے تھا۔ اس کو بیک وقت مختلف علوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ گیٹے نہ صرف اپنے عہد ہی کا ممتاز شاعر و ادیب تھا بلکہ موجودہ زمانے میں بھی اس کی عظمت مسلم ہے۔ اس کا ڈراما فاؤسٹ دنیائے ادب میں بڑی شہرت

---

[۱] حالی۔ یادگار غالب۔
شیخ محمد اکرام۔ آثار غالب۔

رکھتا ہے۔ اس کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے جس سے گیٹے کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے وہ ڈرامانگاری، شاعری، اور مضمون نگاری کا امام تھا۔ اس نے اپنے مشہور و معروف ڈرامے فاؤسٹ میں حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہد پیمان کی قدیم روایات کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتلائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمال فن خیال میں نہیں آسکتا۔ گیٹے کا سال پیدائش و وفات ۲۸ر اگست ۱۷۴۹ء اور ۲۲ر مارچ ۱۸۳۲ء ہے [۱]

ایک پہاڑی اور گلہری (ماخوذ از ایمرسن) (صفحہ ۱۵)

اس نظم میں اقبال نے بچوں کو جو نصیحت کی ہے وہ مشہور امریکی شاعر ایمرسن کے کلام سے ماخوذ ہے۔ رالف والڈو ایمرسن (RALPH WALDO EMERSON) مشہور امریکی شاعر اور انشا پرداز ۲۵ر مئی ۱۸۰۳ء کو بمقام بوسٹن پیدا ہوا۔ اس نے کئی مرتبہ یورپ کی سیاحت بھی کی۔ ۱۸۳۶ء میں ایمرسن نے اپنے خطبات کو شائع کیا جنہیں اس کی ابتدائی نظموں کی طرح کم لوگوں نے پڑھا اور بہت کم لوگوں نے سمجھا لیکن اس مجموعے سے جس کا نام NATURE تھا اس کی آئندہ تصانیف پر کافی روشنی پڑتی تھی۔ کہ وہ کس معیار کی ہوں گی۔ اس کے بعد ایمرسن کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ اس نے طویل عمر پاکر ۲۷ر اپریل ۱۸۸۲ء کو انتقال کیا [۲]

ہمدردی (ماخوذ از ولیم کوپر) (صفحہ ۲۰)

ولیم کوپر (WILLIAM COWPER) مشہور انگریز شاعر ۲۶ر اپریل ۱۷۳۱ء کو

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ج ۱۰ صفحہ ۲۶۱ - ۲۷۵ طبع چہاردہم

[۲] " " ج ۸ صفحہ ۳۹۱ - ۳۹۴ "

پیدا ہوا اور ۲۵ ر اپریل ۱۸۰۰ء کو فوت ہوا۔ کوپر کے احباب میں شاعر چرچل اور وارن ہیسٹنگز قابل ذکر ہیں۔ اٹھارویں صدی میں انگلستان میں اس کی نظمیں بہت مقبول تھیں۔ کوپر کی نظموں میں TO MY MOTHERS PICTURE اور MY MARY شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس نے دوسری زبانوں کے شہ پارے بھی انگریزی میں منتقل کیے[۱]

بشنو اے گل! از جدائیہا شکایت می کنم !   ہمچو نے از نیستان خود حکایت می کنم

(صفحہ ۴۱)

یہ شعر رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

وز جدائیہا شکایت می کند   بشنو از نے چوں حکایت می کند

پیام صبح (ماخوذ از لانگ فیلو) (صفحہ ۴۷)

ہنری وڈسورتھ لانگ فیلو (HENRY WODSWORTH LONGFELLOW) مشہور امریکی شاعر جس نے انگلستان میں بھی خاص شہرت حاصل کی۔ ۲۷ ر فروری ۱۸۰۷ء بمقام پورٹ لینڈ پیدا ہوا۔ ۱۸۳۶ء میں اس کو ہرورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ جہاں وہ تقریباً ۱۸ سال تک پروفیسری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس نے تحصیل علم کی غرض سے یورپ کا سفر کیا اور فرانس اسپین اٹلی اور جرمنی میں تین سال تک مقیم رہا۔ لانگ فیلو کا انتقال ۲۴ ر مارچ ۱۸۸۲ء کو ہوا۔[۲]

عشق اور موت (ماخوذ از ٹینی سن) (صفحہ ۴۸)

الفریڈ ٹینی سن (ALFRED TENNYSON) انگلستان کا مشہور شاعر ۶ ر اگست ۱۸۰۹ء

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۶ صفحہ ۲۶۳ - ۲۶۴ طبع چہاردہم

[۲] " " ج ۱۴ صفحہ ۳۲۸ - ۳۲۹

کو پیدا ہوا۔ ورڈسورتھ کی وفات کے بعد ۱۸۵۰ء میں انگلستان کی ملکہ نے اس کو ملک الشعراء کے ممتاز عہدہ پر فائز کیا۔ اسی سال اس کی مشہور نظم (IN MEMORIAM) شائع ہوئی جس کی وجہ سے ٹینی سن کا شمار صف اول کے شعرا میں ہونے لگا۔ IDYLLS OF THE KING غالباً اس کا شاہکار ہے جس میں اس کی بھرپور شخصیت جھلکتی ہے۔ اس کا انتقال ۶ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو ہوا۔[1]

پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا ۔۔۔ گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی

(صفحہ ۵۱)

"کلیم ہمدانی": ابو طالب کلیم ہمدان میں پیدا ہوا اور ۱۶۵۱ء میں وفات پائی۔ قدسی کے بعد شاہ جہاں نے اس کو ملک الشعراء کے عہدہ پر فائز کیا۔ کلیم نے بادشاہ کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے۔ اس نے اپنے عہد کے دوسرے شعراء کی طرح مضمون آفرینی اور خیال بندی پر بڑا زور صرف کیا لیکن اس کے باوجود اس کے اشعار میں ایک خاص شخصی رنگ جھلکتا ہے۔ مایوسی، غم، شکایات ابنائے روزگار کے مضامین کثرت سے بیان کرتا ہے۔ اور یہی اس کا رنگ طبیعت معلوم ہوتا ہے۔ اس کی یادگار ایک کلیات ہے جو غزلیات قصائد اور دوسری اصناف شعر پر مشتمل ہے۔[2]

"نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم ۔۔۔ حکایت بود بے پایان بخاموشی ادا کردم"

(صفحہ ۷۳)

یہ شعر نظیری کا ہے۔

"تا ز آغوش وداعش داغ حیرت چیدہ است ۔۔۔ ہمچو شمع کشتہ در چشم نگہ خوابیدہ است"

(صفحہ ۷۴)

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۱ صفحہ ۹۳۸ - ۹۴۲ طبع چہاردہم

[2] شبلی۔ شعر العجم ج ۳ صفحہ ۲۰۵ - ۲۳۰

شیخ محمد اکرام۔ ارمغان پاک صفحہ ۲ - ۳

E.G. BROWNE - A LITERARY HISTORY OF PERSIA VOL. IV PP 258-263.

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے۔

"تاب گویائی نہیں رکھتا دھن تصویر کا — خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا"

(صفحہ ۷۵)

یہ شعر امیر مینائی کا ہے۔

عظمت غالب ہے اک مدت سے پیوند زمیں — مہدی مجروح ہے شہر خموشاں کا مکیں

(صفحہ ۸۹)

"مہدی مجروح": میری مجروح غالب کے محبوب اور عزیز شاگرد دلی کے رہنے والے تھے۔ مجروح کو ابتدا ہی سے شعر وشاعری کا ذوق تھا اور شروع ہی سے انہوں نے اپنا کلام غالب کو دکھایا۔ میر مجروح کی زبان نہایت صاف وسادہ اور شیریں ہے۔ چھوٹی بحروں میں ان کا کمال بوجہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ خیالات میں ندرت اور مضامین میں جدت ان کے کلام میں نہیں ہے۔ مگر طرز استادانہ ہے اور اشعار عیوب شاعری سے پاک ہیں۔ حالی ان کے بڑے مداح تھے۔ انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔[۱]

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر — چشم محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے امیر

(صفحہ ۸۹)

"امیر": امیر احمد مینائی نام، امیر تخلص ۱۸۲۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مخدوم شاہ مینا کے جن کا مزار لکھنؤ میں مرجع خاص وعام ہے۔ خاندان میں تھے اسی سلسلے سے مینائی کہلاتے تھے۔ شعر وسخن کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ آپ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی اور طبیعت کی روانی سے اپنے استاد سے بھی بڑھ گئے۔ ۷۲ برس کی عمر میں حیدر آباد دکن میں انتقال کیا۔ داغ کے ہم عصر تھے۔ ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں نور تجلی۔ ابر کرم۔

---

[۱] عسکری، تاریخ ادب اردو، صفحہ ۴۴۳۔۴۴۴ مطبوعہ نولکشور

صبح ازل ۔ مراۃ الغیب ۔ سرمۂ بصیرت ۔ لیلۃ القدر اور امیر اللغات ۔ امیر اللغات مرحوم کا شاہکار ہے مگر افسوس کہ نامکمل رہا ۔ صرف دو جلدیں شائع ہوئیں ردیف الف مکمل ہے ۔[۱]

چل بسا داغ آہ! میت اس کی زیب دوش ہے!

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

(صفحہ ۸۹)

" داغ " نواب مرزا خاں نام داغ تخلص ۱۸۳۱ء میں دلی میں پیدا ہوئے وفات ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد دکن میں پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔ قلعۂ دہلی میں شعر و سخن کا چرچا بہت تھا ۔ داغ کی منچلی طبیعت پر اپنے گرد و پیش کا بڑا اثر ہوا اور یہ بھی شاعری کی مقناطیسی قوت سے متاثر ہو گئے ۔ ابتدا میں فارسی اور عربی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی ۔ شعر کا شوق ان کو جبلی تھا اور طبیعت چونکہ مناسب پائی تھی اسی لئے تھوڑے ہی دنوں کی مشق سے پختہ کار شاعر ہو گئے ۔

داغ اپنے عہد کے بڑے مشہور شاعر تھے ۔ ان کی زبان میں فصاحت و سادگی اور بیان میں ایک خاص قسم کی شوخی اور بانکپن ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین امیر ، جلال ، تسلیم وغیرہ سے زیادہ مشہور ہوئے ۔ چار دیوان ان سے یادگار ہیں ۔ گلزار داغ ۔ آفتاب داغ مہتاب داغ اور یادگار داغ ۔[۲]

اٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا

یادگار بزم دہلی ایک حالی رہ گیا

(صفحہ ۹۱)

---

[۱] عسکری ۔ تاریخ ادب اردو صفحہ ۳۵۸ ۔ ۳۶۱ مطبوعہ نولکشور

[۲] " " " " صفحہ ۲۶۹

جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے   آہ اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہے

(بانگ درا صفحہ ۳۸)

اس شعر میں بھی اقبال نے داغ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

"حالی": خواجہ الطاف حسین نام، حالی تخلص ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ وفات ۱۹۱۴ء میں پائی۔ حالی کی شاعری کی ابتدا دہلی میں ہوئی۔ دلی میں وہ مرزا غالب کی صحبت میں اکثر آتے جاتے تھے اور انہی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔ مرزا غالب کو حالی پر بڑا ناز تھا۔ حالی اردو کے بہترین نقاد، کامیاب شاعر اور سلیس نثر کے ماہر تھے۔ ان کی زیادہ مشہور نثری تصانیف مقدمہ شعرو شاعری، یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید ہیں۔ منظومات میں ان کی زندہ جاوید نظم مسدس ہے مسدس کے علاوہ چپ کی داد، مناجات بیوہ، برکھا رت اور نشاط امید بھی قابل ذکر ہیں۔[۵]

"ہر چہ در دل گذرد وقف زبان دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع"

(صفحہ ۱۴۱)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے۔

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر — داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر
آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی — ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

(صفحہ ۱۴۲)

بلبل شیراز سے مراد شیخ سعدی ہیں جنہوں نے خلافت عباسیہ کی تباہی وبربادی پر ایک دل ہلا دینے والا دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس کو انہوں نے اس شعر سے شروع کیا ہے۔

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمین — بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

اس کے بعد اقبال نے مرزا داغ دہلوی کے "شہر آشوب" کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فلک زمین وملائک جناب تھی دلی — بہشت وخلد میں بھی انتخاب تھی دلی

---

[۵] عسکری۔ تاریخ ادب اردو صفحہ ۵۵ اور ۴۰۷

جواب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلّی مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلّی

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی

خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہاں تک تو ان مرثیوں کے ادبی حوالے جات سے انکار نہیں مگر اس کے بعد غرناطہ کی بربادی پر جس عربی شاعر نے خون کے آنسو بہائے ہیں وہ افسوس کہ ابن بدروں نہیں بلکہ ابو محمد عبدالمجید ابن عبد الفہری ہے۔ اس کی پیدائش بمقام یابر (EVORA) ہوئی۔ مزاج میں شعریت بچپن ہی سے تھی۔ جب جوان ہوئے تو شعرا کی صف میں ایک ممتاز جگہ دی گئی اوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے خود یابر کا صوبیدار عمر المتوکل ابن الافطس اس کے کلام کا عاشق تھا۔ اسی جوش عقیدت کا نتیجہ تھا کہ جب متوکل بطلیوس کا خود مختار حکمراں بن بیٹھا تو اس نے ابن عبدون کو اپنا مشیر خاص بنایا۔ یہ واقعہ ۴۷۳ھ (۱۰۸۰ء) کا ہے۔ بنو افطس کی تباہی کے بعد ابن عبدون نے ابی بکر کے یہاں جو اس وقت ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) سپہ سالار تھا ملازمت اختیار کرلی۔ اس کے پندرہ برس بعد پھر ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کو "مشیر خاص" کی حیثیت سے دربار "مرابطین" میں اسی آن بان سے جلوہ گر پاتے ہیں۔

ابن عبدون نے یوں تو سینکڑوں نظمیں لکھیں مگر جس نظم نے اس کو دنیائے شاعری میں ایک لازوال جگہ دی ہے وہ اس کا معرکتہ الآرا مرثیہ "البشامہ" ہے جس میں افطس کی تباہی پر عربی خون کے بیتاب وگرم قطروں کو غرناطہ کی وادیوں میں رو کر بہا لیا ہے۔ "البشامہ" کا صوتی زیروبم، الفاظ کی موزونیت، سلاست زبان، جوش اور درد نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اس مرثیہ کے ۷۰ شعر ہیں اور اسے ڈوزی نے ۱۸۴۸ء میں تصحیح کے بعد لیڈن سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

الدھر یفجع بعد العین بالاثر وما البکاء علی الاشباح والصور

(زمانہ افراد کو نہیں ان کے کارناموں کو (یاد کرکے) روتا ہے۔

اور آخری یہ شعر ہے۔

قرطت آذان من فیہا بفا صمہ　　علی المحان حصا الیا قوت والدرر

(میں نے حسینان شہر کے کانوں میں ٹوٹی ہوئی بالیاں اس طرح پہنا دی ہیں جس طرح کہ یاقوت اور موتی پہنائے جاتے ہیں۔)

ابن عبدون کے اس غیر فانی مرثیہ کی متعدد شرحیں مشرقی اور مغربی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں اس کا بہترین شارح عبدالملک بن عبداللہ الحضرمی ہے جو عربی ادب میں ابن بدرون کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ اقبال کو یہاں سہو ہوا ہے۔ غرناطہ کے مرثیہ میں اشارہ شارح کی طرف ہے اور ہونا چاہیئے۔ شاعر کی طرف[۵۱]

تضمین بر شعر انیسؔ شاملو (صفحہ ۱۶۷)

"انیس شاملو" انیس علی قلی بیگ شاملو اگرچہ ترکی الاصل تھا لیکن ایران میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ ایران ہی میں بسر کیا۔ جوانی میں دوسرے ایرانی شعرا کی طرح ہندوستان آیا اور نظیری کے توسط سے عبدالرحیم خاں خاناں والیٔ گجرات کے ہاں ملازم ہو گیا۔ خان خاناں نے انیس شاملو کی بڑی قدر و منزلت کی اور قصۂ محمود و ایاز کو نظم کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ اس نے قصہ مذکور کو نظم کرنا شروع کیا لیکن موت نے اس کو مکمل نہ ہونے دیا۔ اس نے ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶) میں بمقام برہان پور وفات پائی۔ انیس کے ہاں صائب اور غنی کا رنگ پایا جاتا ہے۔[۵۲]

۵۱۔ دہخدا۔ لغت نامہ ج ۱ صفحہ ۳۲۸ طبع ایران
علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء

۵۲۔ آذر اصفہانی۔ آتشکدۂ آذر صفحہ ۱۹-۲۰
نواب سید محمد صدیق حسن۔ شمع انجمن صفحہ ۲۵-۲۶

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر　　　اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

(صفحہ ۱۸۳)

مصرع ثانی ذوق کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں　　　گرچہ ڈھونڈوگے چراغ رخ زیبا لے کر

"عاقبت منزل ما وادی خاموشان است　　　حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز"

(صفحہ ۱۹۵)

یہ شعر حافظ کا ہے۔

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں　　　"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

(صفحہ ۱۹۸)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست　　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

کہہ گئے ہیں شاعری جزو یست از پیغمبری　　　ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش!

(صفحہ ۲۰۹)

پہلا مصرع اس شعر سے ماخوذ ہے۔

شاعری جزویست از پیغمبری　　　جاہلانش کفر خوانند از خری

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو　　　عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

(صفحہ ۲۱۱)

یہ شعر اقبال ہی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

چوں حباب از غیرت مردانہ زی باش　　　ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

(صفحہ ۲۳۳)

تضمین بر شعر ملا عرشی

ملا عرشی یزدی کا اصلی نام طہماسپ قلی بیگ تھا۔ ملا عرشی کا وطن تبریز تھا۔ وہ ابتدا میں عہدی تخلص کرتا تھا۔ بعد ازاں عرشی تخلص اختیار کیا۔ اس کی طبیعت

دشوار گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی۔ اس دیوان کی ضخامت خاصی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں دس ہزار شعر سے زائد اشعار ہیں۔ ملا عرشی نے اپنی تمام عمر شاہ طہماسپ صفوی کی خدمت میں بسر کی۔[1]

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسماں رہیئے ہزار گونہ سخن در دہاں ولب، خاموش"

(صف ۲۳۴)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

شد آنکہ اہل نظر بر کنارہ میرفتند ہزار گونہ دہن بر دہاں ولب خاموش

یہی اصول ہے سرمایۂ سکون حیات "گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"

(صف ۲۳۴)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

رموز مملکت خویش خسروان دانند گدای گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

پیام مرشد شیراز بھی مگر سن لے کہ ہے یہ سر نہاں خانۂ ضمیر سروش

(صف ۲۳۵)

"مرشد شیراز"۔ مراد حافظ شیرازی سے ہے۔

خواجہ حافظ کا نام محمد لقب شمس الدین اور حافظ تخلص تھا۔ وہ ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں بمقام شیراز پیدا ہوئے۔ گو ان کا ابتدائی زمانہ شیخ حسین حاکم شیراز کے عہد میں گذرا۔ مگر ان کی زندگی میں کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمراں ہوئے۔ حافظ اپنے زمانے میں بڑے ہر دلعزیز تھے، وہ سلاطین کے درباروں میں بھی آتے جاتے تھے۔ ان کی علمی و ادبی قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی وہ حافظ قرآن بھی تھے۔ خواجہ حافظ کا تمام کلام حسن ادا اور لطافت شعری سے مملو ہے۔ وہ فارسی شاعری میں غزل گوئی کی حیثیت سے منفرد ہیں۔ حافظ کو "لسان الغیب" کہا جاتا ہے۔ لوگ

---

[1] نواب سید محمد صدیق حسن۔ شمع انجمن صفحہ ۳۰۲

ان کے دیوان سے فال نکالتے ہیں۔ سال وفات ۷۹۱ھ (۱۳۸۸ء) ہے۔ مزار شیراز میں ہے۔ تاریخ وفات کسی نے خوب کہی ہے۔

چو در خاک مصلیٰ یافت مسکن | بجو تاریخش از خاک مصلیٰ[۱]

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں | حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

(صفہ ۲۴۸)

"شبلی" ـــــ محمد شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں وفات پائی۔ شبلی کا مسلم قوم پر بڑا احسان ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے مشاہیر اسلام کو دنیا سے روشناس کیا ندوہ کی بنیاد[۲] ڈالی جو آج تک بدلتے ہوئے حالات میں ملک و ملت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ شبلی کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں ۔ سیرت النبی۔ شعر العجم۔ النعمان۔ الفاروق۔ الغزالی۔ اور موازنہ انیس و دبیر۔ شعر العجم فارس کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اہل ایران نے اس کو اپنی زبان میں منتقل کیا۔

شبلی بیک وقت ایک شاعر، فلسفی، مورخ، ناقد، ماہر تعلیم، واعظ، مصلح، جریدہ نگار، فقیہ اور محدث تھے۔ یہ ان کی وہ خصوصیات ہیں، جو ایک شخص میں بمشکل پائی جاتی ہیں۔[۳]

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز | چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

صفہ ۲۴۹

ادیں چمن گل بیخار کس نچید آرے | چراغ مصطفوی باشرار بولہبی ست

"مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند | ستارہ می شکنند آفتاب می سازند[۴]

(صفہ ۲۴۹)

---

[۱] شبلی۔ شعر العجم ج ۲ صفہ ۲۱۲ - ۲۹۷
E.C. BROWNE-A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. III PP 271-319

[۲] مولانا سید سلیمان ندوی۔ حیات شبلی۔ شیخ محمد اکرام۔ شبلی نامہ۔

[۳] نواب سید محمد صدیق حسین شمع انجمن صفہ ۲۷۴ مطبع رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ

یہ شعر فرج اللہ شوشتری کا ہے۔

تضمین بر شعر فیضی (صفحہ ۲۵۱)

"فیضی"۔ فیضی کا پورا نام ابوالفیض تھا۔ شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا اور ابوالفضل وزیر شہنشاہ اکبر کا بڑا بھائی تھا۔ ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا۔ ملک الشعرا غزالی مشہدی کے انتقال کے بعد اکبر کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر فائز ہوا اور شہزادوں کی اتالیقی کا کام بھی اس کے سپرد ہوا۔ تاریخ، فلسفہ، طب اور انشا پردازی میں کمال رکھتا تھا۔ سنسکرت زبان کا بھی جید عالم تھا۔ مختلف مذاہب کی تعلیم پر بھی عبور رکھتا تھا۔ یہ فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا۔ عربی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ مشہور خمسۂ نظامی کے نمونے پر اس نے پانچ کتابوں کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ جس میں صرف مرکز ادوار اور نل دمن پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اس نے کئی سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ قرآن کی تفسیر بے نقط جسے سواطع الالہام کہا جاتا ہے اسی کی لکھی ہوئی ہے۔ فیضی کی انشائے فیضی بھی مشہور ہے۔ ۱۵۹۵ء میں آگرہ میں انتقال کیا۔[1]

تضمین بر شعر میر رضی دانش (صفحہ ۲۷۱)

میر رضی دانش مشہدی شاہ جہاں کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آیا اور بادشاہ کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ بادشاہ نے دو ہزار روپیہ انعام میں دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد شاہ جہاں کو چھوڑ کر دارا شکوہ کی ملازمت اختیار کی۔ دارا شکوہ نے میر رضی دانش کو ذیل کے شعر پر ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

---

[1] شبلی۔ شعر العجم ج ۳ صفحہ ۷۲۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ دربار اکبری۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۴۳-۴۴۔

تاک را سرسبز کن اے ابرنیساں در بہار   قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود[۱]

تضمین بر شعر ملک قمی (صفحہ ۲۷۳)

ملک قمی ایران کے شہر قم کا رہنے والا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کاشان آیا۔ اس کے بعد چار سال تک قزوین میں رہا ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں دکن کا رخ کیا۔ کیونکہ ابراہیم عادل شاہ والئی بیجاپور شعرا کا بہت قدردان تھا۔ چنانچہ ابراہیم عادل شاہ نے اس کو اپنا درباری شاعر بنایا اور بہت عزت افزائی کی۔ ملا ظہوری اس کی قابلیت کا بڑا مداح تھا۔ خود فیضی جیسا باکمال بھی اس کی بڑی تعریف کرتا تھا۔ ملک قمی نے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) میں انتقال کیا۔[۲]

تضمین بر شعر صائب (صفحہ ۲۷۵)

"صائب" صائب کا پورا نام مرزا محمد علی تھا۔ وہ تبریز میں پیدا ہوا اور اصفہان میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ظفرخاں صوبیدار کابل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ ظفرخاں نے صائب کی بہت قدر کی اور فکر معاش سے بے نیاز کر دیا۔ صائب آخر میں اصفہان واپس چلا گیا اور ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) میں وفات پائی۔ ایک ضخیم کلیات اس سے یادگار ہے جس میں تمثیلی اور اخلاقی شاعری کا عنصر نمایاں ہے۔[۳]

---

[۱] محمد یوسف علی۔ روز روشن صفحہ ۲۲۸ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۷ھ

[۲] نواب سید محمد صدیق حسن۔ شمع انجمن صفحہ ۴۲۰-۴۲۱

[۳] شبلی۔ شعر العجم ج ۳ صفحہ ۱۸۹۔ رضا قلی ہدایت۔ مجمع الفصحا ج ۲ صفحہ ۲۳-۲۴

آقای دکتر رضازادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۳۴۷-۳۴۹

E. G. BROWNE - PERSIAN LITERATURE IN MODERN TIMES PP 164-165

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدیٔ شیراز

(صفحہ ۲۷۶)

"سعدی شیراز" آپ کا نام شرف الدین، لقب مصلح اور سعدی تخلص، وطن شیراز تھا۔ سال ولادت ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) اور سال وفات ۶۹۱ھ (۱۲۹۱ء) ہے۔ وہ سعد زنگی بادشاہ فارس کے عہد میں تھے۔ شیخ سعدی کے والد عبداللہ شیرازی اتابک سعد زنگی کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھے۔ غالباً اسی لئے آپ نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ علامہ ابو الفضل عبدالرحمٰن ابن جوزی آپ کے اساتذہ میں تھے۔ باطنی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر پائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے ایشیا کی سیاحت کی اور عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا۔ فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی زیادہ تر دینیات علم سلوک اور علم ادب کی طرف متوجہ رہے۔ شیخ سعدی فارسی غزل کے پیغمبر مانے جاتے ہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت کا شہرہ ان کی زندگی ہی میں ممالک دور و دراز میں پھیل گیا تھا۔ سعدی کی تصانیف میں گلستان اور بوستان کو بڑا قبول عام حاصل ہوا۔ ان کی گلستان فارسی نثر کا بے مثل نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب بھی لکھا لیکن وہ گلستان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ گلستان کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ جس سے اس کی مقبولیت پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔[1]

تضمین بر شعر میرزا بیدل (صفحہ ۲۷۷)

"بیدل" نام عبدالقادر اور تخلص بیدل تھا۔ اس کا اصلی وطن توران تھا لیکن پیدا بخارا میں ہوا۔ بیدل نو عمر ہی تھا کہ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اس کی تعلیم

---

[1] حالی۔ حیات سعدی۔

تربیت ہندوستان میں ہوئی۔ اس لئے اس کا شمار اہل زبان شعرا میں نہیں ہے بیدل شہزادہ محمد اعظم پسر اورنگ زیب کی سرکار میں ملازم ہوا شہزادہ نے اپنی مدح میں قصیدہ کی قصیدہ کی فرمائش کی۔ وہ خفا ہو کر دہلی چلا آیا۔ بیدل فارسی زبان وادب کا ماہر، نہایت نازک خیال اور قانع شخص تھا۔ اس کی تصانیف میں چہار عنصر بیدل، نکات بیدل، رقعات بیدل اور دیوان فارسی شامل ہیں۔ بیدل کے کلام میں تصوف کا رنگ کثرت سے ملتا ہے۔ اس کا انتقال ۱۷۲۰ء میں ہوا۔[۱]

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۱۷۔ خواجہ عباداللہ اختر۔ بیدل
شیخ محمد اکرام۔ ارمغان پاک صفحہ ۲۰۷

شیکسپیر

(صفحہ ۲۸۳)

ولیم شیکسپیر (WILLIAM SHAKESPEARE) ۲۶ اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا۔ اور ۱۶۱۶ء میں فوت ہوا۔ شیکسپیر انگریزی زبان کا مشہور ترین ڈرامانگار اور شاعر تھا۔ اس کے ڈرامے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں جن سے ان کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شیکسپیر کے ڈراموں کے سینکڑوں جملے زبان زد ہو گئے ہیں۔ شیکسپیر بڑا نباض فطرت تھا۔ اس کے ڈراموں میں بڑی زندگی اور بڑی بصیرت ملتی ہے۔ اس کے بعض ڈراموں کے نام یہ ہیں۔ ہیملٹ (HAMLET) رومیو جولیٹ (ROMEO AND JULIET) میکبتھ (MACBETH) کنگ ہنری چہارم (KING HENRY IV) اور ڈی ٹمپسٹ (THE TEMPEST) شیکسپیر کے ڈرامے طربیہ بھی ہیں اور المیہ بھی اس کے ڈراموں کے بعض کردار بہت مشہور ہو چکے ہیں۔ مثلاً فال اسٹاف اور شائی لاک۔[۱]

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

(صفحہ ۱۸۶)

یہ شعر حافظ کا ہے۔

"مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

(صفحہ ۲۸۷)

عمادی کا اصل شعر یوں ہے۔

مرا از شکستن چناں درد ناید
کہ از ناکساں خواستن مومیائی[۲]

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۰ صفحہ ۴۳۳ - ۴۵۲۔

۲۔ علی اکبر دہخدا۔ کتاب امثال و حکم صفحہ ۱۵۰۷ مطبع مجلس طہران ۱۳۱۰ھ ش۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند　　　می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند؟

(صفحہ ۳۰۰)

رومی کا اصل شعر یوں ہے۔

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند　　　نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش　　　اے گرفتار ابوبکر و علی ہشیار باش

(صفحہ ۳۰۲)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

سرِ حق کے بر تو گردد منجلی　　　اے گرفتار ابوبکر و علی

اگر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل

"نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"

(صفحہ ۳۰۴)

مصرع ثانی عرفی کا ہے اور شعر یوں ہے۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی

ربود آں ترک شیرازی دلِ تبریز و کابل را

صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا!

(صفحہ ۳۰۵)

پہلا مصرع حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را　　　بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

بیا پیدا خریدار است جانِ ناتوانے را　　　"پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"

(صفحہ ۳۱۴)

مصرع ثانی نظیری کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

بہر جنسی کہ میگیرند اخلاص و وفا خوب است　　　پس از عمری گذار افتاد بر ما کاروانے را

"بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم"

(صفحہ ۳۱۵)

یہ شعر حافظ کا ہے۔

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا

ترا دل، تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

(صفحہ ۳۲۱)

یہ شعر عراقی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

"اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے" — غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکر غیر کیا

(صفحہ ۳۲۸)

غالب کا پورا شعر یوں ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے — "ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟"

(صفحہ ۳۳۰)

پورا شعر اس طرح ہے۔

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد — ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا

زبور عجم

(طبع چہارم ۱۹۴۸ء)

چہ عجب اگر دو سلطان بہ ولایتے نہ گنجند
عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے!

(صفحہ ۱۳)

یہاں اس شعر کا مضمون سعدی کے اس مقولے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو گلستان میں اس طرح ہے

دہ درویش دو گلیمے بہ خسپند و دو بادشاہ دو اقلیمے نگنجند

بامید اینکہ روزے بشکار خواہی آمد
زکمند شہریاراں رم آہوانہ دارم

(صفحہ ۲۹)

اس شعر کا پہلا مصرع امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

ہمہ آہواں صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد

دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش
خرد نالاں کہ ماعندی بتریاق ولاراقی

(صفحہ ۳۹)

یہ شعر یزید ابن معاویہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

انا المسموم ماعندی بتریاق ولاراقی
ادر کا ساونا ولہا الا یا ایہا الساقی

عشق کا زہر میرے اندر سرایت کر چکا ہے اور میرے پاس نہ تو اس زہر کا کوئی تریاق ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ اس لئے اے ساقی شراب کا دور شروع کر اور ہاتھ بڑھا کر پیالہ مجھے دے تاکہ اس کے زہر کا اثر زائل ہو۔

"تو در زیر درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی"
بہ پرواز آکہ صید مہر و ماہے می تواں کردن

(صفحہ ۵۱)

پہلا مصرعہ عرفی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

بدام اندر کشیدند اہل معنی طائر دولت
تو در زیر درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی

بطرز دیگر از مقصود گفتم — جواب نامۂ محمود گفتم

(صفحہ ۲۰۳)

"محمود" نام شیخ محمود والد کا نام عبدالکریم بن یحییٰ یہ علم و زہد میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ تبریز سے ۸ فرسنگ کے فاصلے پر ایک مقام شبستر کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ محمود یہیں پیدا ہوئے۔ اور اسی نسبت سے شبستری کہلائے لقب سعد الدین یا نجم الدین تھا ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ جوان ہو کر تبریز آئے اور ایک بزرگ شیخ امین الدولہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے بیعت بھی انہیں سے کی۔

آغا باقر سلمانی نے لکھا ہے کہ شبستری کی پیدائش ہلاکو خاں کے عہد میں ہوئی۔ تاریخ وفات ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) ہے۔ آل چنگیز کے آخری فرمانروا سلطان ابوسعید کے زمانہ میں تھے۔ محمود شبستری کا سال پیدائش ۱۲۵۰ء ہے۔

مختلف تذکروں سے محمود شبستری کی چار تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ گلشن راز، حق الیقین فی معرفۃ رب العالمین، سعادت نامہ اور رسالہ شاہد۔

گلشن راز کی تصنیف کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رکن الدین حسین بن ابی الحسن الحسینی غوری ہراتی الملقب بہ فخر السادات و مشہور بہ سید حسینی کی طرف سے ایک قاصد آیا اور ۱۵ سوال منظوم لایا۔ شیخ نے وہیں اس کا مختصر جواب نظم کر دیا۔ جس سے ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے بعد میں کسی قدر اضافے کے ساتھ گلشن راز مکمل کی۔

پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات عجم ج ۳ صفحہ ۱۴۷ پر گلشن راز کا سنہ تصنیف ۷۱۰ھ (۱۳۱۱ء) لکھا ہے۔ براؤن کی اس تاریخ میں کلام ہے کیونکہ ہندستان ایران اور یورپ کے مطبوعہ نسخوں نیز بمبئی کے قلمی نسخے صفحہ ۳ پر یہ مصرع صاف لکھا ہے۔

ع۔ گذشتہ ہفت وده از ہفتصد سال۔

ہم نہیں پروفیسر براؤن نے کہاں سے اور کس بنا پر وہ تاریخ لکھی ہے۔

گلشن راز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مشرق و مغرب کے نکتہ دانوں اور

صاحب ذوق ارباب علم نے اپنی بیشتر توجہ اسی کتاب کی جانب مبذول کی ہے اور نہایت جانفشانی سے متنوں اور شرحوں کو شائع کیا ہے۔

محمود شبستری بڑے زبردست صوفی اور عالم تھے۔ انہوں نے پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً نہایت جامعیت سے ان سوالات کا جواب لکھا ہے اور اس زمانے کے عقائد و خیالات کی ترجمانی کی ہے۔

پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات عجم میں شبستری کو خوب سراہا ہے اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے کہ "گلشن راز تصوف کے بہترین مقالوں میں سے ایک مقالہ ہے۔" شبلی نے بھی گلشن راز کو اہم مانا ہے۔

گلشن راز کی کئی شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا جامی نے لکھا ہے کہ کم و بیش ۲۰ شرحیں ان کی نظر سے گذری ہیں۔ سب سے مشہور شرح محمد بن یحییٰ بن علی لاہجی کی ہے۔

یورپ کا وہ طبقہ جو فارسی اور تصوف سے دلچسپی رکھتا ہے گلشن راز کی سیر سے محروم نہیں ہے۔ سب سے پہلے جس نے اس کتاب کو یورپ سے روشناس کرایا وہ تولک ہے۔ یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں ان میں ہامر پرگس ٹال اور وین فیلڈ کے جرمنی اور انگریزی ترجمے قابل ذکر ہیں۔

مثنوی گلشن راز اس شعر سے شروع ہوتی ہے۔

بنام آنکہ جان را فکرت آموخت | چراغ دل بنور جان برافروخت

باقر سلمانی نے گلشن راز کے سوالات کی تعداد ۱۷ بتائی ہے جو صحیح نہیں کیونکہ اصلی کتاب میں صرف ۱۵ سوال پائے جاتے ہیں۔(۱)

"مرا زین شاعری خود عار ناید | کہ در صد قرن یک عطار ناید"
(صفحہ ۲۰۵)

یہ شعر محمود شبستری کا ہے۔

(1) E.G. BROWNE, A LITER YHISTORY OF PERSIA, VOL. III PP 146-150

F. LEDERER - THE SECRET ROSE GARDEN.

جاوید نامہ (طبع دوم ۱۹۴۷ء)

ہر کجا از ذوق و شوق خود گری نعرۂ من دیگرم تو دیگری (صفہ ۷)

"من دیگرم تو دیگری" امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"ہر کہ عاشق شد جمال ذات را اوست سید جملہ موجودات را" (صفہ ۱۰)

یہ شعر رومی کا ہے۔

بے درد جہانگیری آن قرب میسر نیست گلشن بگریباں کش چوں بو بگلاب اندر
(صفہ ۴۴)

"بو بگلاب اندر" اشارہ ہے خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے اس شعر کی طرف۔

اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی او در من و من در وے چون بو بگلاب اندر

چشم خاصان عرب گردیدہ کور بر نیائی اے زہیر از خاک گور؟ (صفہ ۶۰)

"زہیر" زہیر بن ابی سلمیٰ اصلی نام زہیر ابن ربیعہ ابن قرحا ہے۔ زہیر مزینہ قبیلہ کا ایک فرد اور دور جاہلیت کا اخلاقی شاعر تھا۔ بعض نقادوں کے نزدیک عرب کا سب سے بڑا جاہلی شاعر ہے۔ گو زہیر مزینہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے اپنی تمام عمر قبیلۂ غطفان میں بسر کی۔ زہیر کے موجودہ دیوان میں مزینہ قبیلہ کی تعریف میں اشعار نہیں ملتے بلکہ جو اشعار ہیں۔ وہ بیشتر قبیلۂ غطفان ہی کی تعریف میں ہیں۔ اس کے دیوان میں ایسے اشعار بھی ہیں جو اس کی آپ بیتی کی غمازی کرتے ہیں۔ نقادان سخن نے زہیر کو امرُالقیس اور نابغہ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ معلقات میں اس کا قصیدہ بھی شامل ہے۔(۱)

---

(۱) ابن قتیبہ۔ کتاب الشعر والشعرا صفہ ۵۷-۸۲
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفہ ۱۲۳۶-۱۲۳۷

اے ترا اندر دو چشم ما وثاق　　بہلتے ان کنت ازمعت الفراق (صفحہ ۶)

اس شعر میں امرٔ القیس کے ایک مصرع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ مصرع مختلف نسخوں میں اس طرح ہے "وان کنت قد ازمعت صرمی فاجملی" (اور اگر تونے جدائی کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اس کو خوش اسلوبی سے عمل میں لانا)

امرٔ القیس بن حجر الکندی اہل نجد سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ فاطمہ کی شان میں بہت اشعار لکھے ہیں۔ اس پر اس کے باپ نے امرٔ القیس کو گھر سے باہر نکال دیا۔ عربی میں پہلی مرتبہ امرٔ القیس نے نازک اور لطیف مضامین شعر میں باندھے یہ ان سات مشہور شعرا میں سے ایک ہے جو دور جاہلیت میں شعر و سخن میں ممتاز تھے۔ اس کا ایک قصیدہ اپنے محاسن کی وجہ سے سبع معلقہ میں شامل ہے اور اس کو خانۂ کعبہ پہ آویزاں کیا گیا۔ امرٔ القیس کا انتقال ۵۳۰ء اور ۵۴۰ء کے درمیان ہوا۔ وہ عہد جاہلی کے مشہور ترین شعرا میں تھا۔[۱]

آدمی را دید و چوں گل بر شگفت　　در زباں طوسی و خیام گفت (صفحہ ۱۱)

"خیام" خیام کا نام عمر تھا، کنیت ابوالفتح اور ابو حفص لقب غیاث الدین باپ کا نام ابراہیم تھا۔ عمر خیام فارسی کا مشہور شاعر اصلاً خیمہ دوز تھا جیسا کہ اس کے تخلص "خیام" سے ظاہر ہے۔ اس کی رباعیات اپنی طرز خاص میں مشہور ہیں جن کا یورپ تک میں شہرہ ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ اور اصل کئی مرتبہ چھپ،

---

[۱] ابن قتیبہ۔ کتاب الشعر والشعراء صفحہ ۳۷-۵۶

حسن السدوبی۔ شرح دیوان امرٔ القیس صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ قاہرہ

مصطفےٰ الغلایینی رجال المعلقات العشر صفحہ ۹۷ مطبوعہ بیروت

نواب محمد یار جنگ بہادر۔ احسن السبک صفحہ ۵۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۴۷۷

PHILIP K. HITTI - HISTORY OF THE ARABS, PP 93-94.

پڑھ چکی ہیں۔ عمر خیام صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ حکیم اور عالم ہیئت بھی تھا۔ نیشاپور میں تقریباً ۱۰۵۰ء میں پیدا ہوا حسن بن صباح کا ہم عصر تھا۔ علوم فلسفہ میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ رباعیات کے علاوہ علوم حکمت و ہندسہ میں کئی تصانیف اس سے یادگار ہیں۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۱۲۳ء اور بعض نے ۱۱۲۱ء لکھی ہے۔ [لہ]

غالب و حلاج و خاتون عجم　　　شورہا افگندہ در جان حرم! (صفحہ ۱۳۵)

"خاتون عجم" اشارہ قرۃ العین کی طرف ہے۔

قرۃ العین ایران کی وہ مشہور خاتون جس نے بانی فرقہ بابیہ کی بڑی سرگرمی سے پیروی کی اور اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ شاعرہ بھی تھی۔ جناب طاہرہ اور زرین تاج کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بڑی حسین و جمیل تھی۔ ۱۸۵۲ء میں قرۃ العین طاہرہ کو کچھ اور بابیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس کی غزلوں میں جوش بیان سرمستی اور زور اس قدر ملتا ہے کہ کم شعرا کو نصیب ہوا ہوگا۔ [۲]

"قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ　　　اے نالہ نشان جگر سوختہ چیست"

(صفحہ ۱۴۸)

یہ شعر غالب کا ہے اقبال نے اس کے مصرع میں خفیف سا تصرف کر دیا ہے اصل شعر غالب کا یوں ہے۔

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ　　　اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

لہ شبلی۔ شعر العجم ج ۱ صفحہ ۱۸۸۔ ۲۲۱

آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۵۷۔ ۱۶۳

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۹۸۵۔ ۹۸۶

(2) ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION & ETHICS - VOL. II PP 300-302

E. G. BROWNE - MATERIALS FOR THE STUDY OF THE BABI RELIGION PP 343-351

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست   رحمة للعالمینی انتہاست!

(صفحہ ۱۴۸)

اقبال نے یہ شعر غالب کے اس شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود   رحمة للعالمینے ہم بود[۱]

بالنسیم آوارہ بودم در نشاط   بشنواز نَے می سرودم در نشاط (صفحہ ۱۸۸)

بشنواز نے الخ دیکھیے صفحہ ۲۲۷

نکتہ آرائے کہ نامش برتری است   فطرت او چوں سحاب آذری است!

(صفحہ ۱۹۷)

"بھرتری" ۔ راجہ بھرتری ہری راجہ بکرماجیت کے بھائی تھے، یہ عالم اور شاعر تھے، انہوں نے راج چھوڑ دیا تھا، یہ چھٹی صدی عیسوی کے بعد ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب بھرتری ہری شتک ہے جس میں سیاست عشق اور زہد کے مضامین ہیں۔ جوڈ کے بیان کے مطابق بھرتری ہری ہرش وردھن کے درباری شعرا میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے[۲]

۱؎ نیرنگ خیال ۔ اقبال نمبر صفحہ ۲۲۵۔

(2) J. M. KENNEDY - WISE SAYINGS OF BHARTRIHARI

C. E. M. JOAD - STORY OF INDIAN CIVILIZATION P. 98

ناصر خسرو علوی

(صفحہ ۲۰۵)

ابومعین ناصر بن خسرو علوی گیارھویں صدی کے مشہور ترین فارسی شعرا میں سے تھا۔ وہ بلخ کے قریب ۳۹۴ھ (۱۰۰۳ء) میں پیدا ہوا۔ ایرانی مورخ عام طور پر اس کو علوی کہتے ہیں۔ اس نے مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کی اور مروجہ علوم میں کمال پیدا کیا۔ ۱۰۴۵ء میں دفعتاً اس کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا جس کے صحیح اسباب معلوم نہیں لیکن ناصر نے خود انہیں الہامی طور پر بیان کیا ہے۔ اس نے خواب کے بعد دنیاوی وجاہت کو چھوڑ کر حج کا ارادہ کیا۔ اور چار مرتبہ کعبہ کا طواف کیا۔ یہ سفر ناصر کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے ایران اس وقت چھوڑا جب کہ ایران میں مختلف سلاطین تخت کے لئے برسرپیکار تھے اور یہ ایران کی تاریخ میں ایک نازک وقت تھا۔ اس نے دوران سفر میں تقریباً تمام اسلامی ممالک میں یہی حالت دیکھی۔ البتہ مصر میں یہ کشمکش نہ تھی۔ مصر میں اس وقت اسمٰعیلی خاندان حکمراں تھا، ناصر نے سوچا کہ اس کی بدولت اسلام کی محافظت ہو سکتی ہے اور یہی خاندان اس وقت اسلام کی زبوں حالی کو دور کر سکتا ہے۔ اس کے حکمراں خاندان کے متعدد ممتاز عہدہ داروں سے ملاقات پیدا کی اور آخرکار اس مذہب کو قبول بھی کر لیا اس طرح اس نے خلیفہ المستنصر کی ہمدردی حاصل کی۔ بلخ واپس ہونے کے بعد ناصر نے اسمٰعیلی فرقے کی تبلیغ شروع کی لیکن سلجوقیوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ناصر کی تبلیغی سرگرمی ہمارے مفاد کے خلاف ہے۔ بالآخر اس کو بلخ سے بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ مازندران پہنچا لیکن وہاں بھی عافیت نہ دیکھی بعد ازاں بدخشاں کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ جہاں اس نے اپنی عمر کے آخری ایام بسر کئے۔ یہیں اس نے اپنی اہم تصانیف مکمل کیں اور ۴۵۳-۵۲ھ (۶۱-۱۰۶۰ء) میں انتقال کیا۔

ناصر کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی تصانیف نہایت درجہ غیر مربوط انداز میں پائی جاتی ہیں۔ اس کی تصانیف میں دیوان روشنائی نامہ جو فلسفیانہ مباحث میں بو علی سینا کے مقالات سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور سعادت نامہ میں مطلق العنان حکومت کی مذمت اور کسانوں کی حکومت کو سراہا گیا ہے۔ اس کی سب سے مشہور نثری تصنیف سفر نامہ ہے جو مکہ کے سفر پر مشتمل ہے۔ اس میں قاری کو گراں بہا معلومات مل جاتی ہیں۔ اس کی تصانیف میں زاد المسافرین، سفر نامہ، روشنائی نامہ اور سعادت نامہ مشہور ہیں۔[۵۱]

خوش سرود آں شاعر افغان شناس   آنکہ بیند باز گوید بے ہراس!

(صفحہ ۲۰۷)

شاعر افغان شناس"۔ مراد خوشحال خاں خطک سے ہے۔

خوشحال خاں خطک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام شہباز خاں تھا۔ خوشحال خاں اپنے باپ کے بعد خطک قوم کا سردار تسلیم کیا گیا۔ شاہ جہاں نے اس کی قابلیت اور اثر کا پورا اندازہ کر لیا تھا۔ چنانچہ مغل حکمت عملی کے مطابق اس کی مدد کی گئی۔ تاکہ ہندوستان اور افغانستان کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ بند نہ ہونے پائے۔ اورنگ زیب نے تخت نشین ہونے کے بعد کسی وجہ سے خوشحال خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعہ میں تقریباً سات سال رکھا گیا۔ اسیری کے زمانے میں اس نے بہت سی نظمیں لکھیں۔ بعد ازاں اس کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد وطن پہنچ کر اس نے تقریباً تمام افغان قبائل کو مغلوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے مغلوں کو افغانستان سے نکال دیا۔ خوشحال خاں نے ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔[۵۲]

---

۵۱ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۸۶۹ - ۸۷۰
آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۳۸ - ۱۴۳۔

(2) H.G. RAVERTY - THE POETRY OF THE AFGHANS. PP 142-248

بالِ جبریل (طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

حدیث بے خبران ہے تو با زمانہ بساز زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!
(صفحہ ۲۶)

"تو با زمانہ بساز" مسعود سعد سلمان کا پورا شعر اس طرح ہے۔

اگر سپہر بگردد زحالِ خود تو مگرد وگر زمانہ نسازد تو با زمانہ بساز[1]

"ما از پئے سنائیؔ و عطار آمدیم!" (صفحہ ۳۷)

یہ مصرع رومی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی کے جس قصیدہ کی پیروی میں اقبال نے یہ اشعار لکھے ہیں اس میں ۶۳ شعر ہیں اس قصیدہ کا پہلا اور آخری شعر حسب ذیل ہے۔

مکن در جسم و جاں منزل کہ ایں دونست و آن والا
قدم زیں ہر دو بیروں نہ نہ اینجا باش و نہ آنجا

ہر چہ از اولیا گویند رزقنیّ و وفقنیّ ہر چہ از انبیا گویند آمنّا و صدّقنا[2]

ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے "گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا"!
(صفحہ ۳۹)

مصرع ثانی سنائی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

چو علمت ہست خدمت کن چو بے علمان کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را!
(صفحہ ۴۱)

مصرع ثانی بہ ادنیٰ تغیر صائب کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے۔

---

[1] علی اکبر دہخدا۔ کتاب امثال و حکم ج ۲ صفحہ ۹۱۳

[2] مدرس رضوی۔ دیوان سنائی صفحہ ۴۸۔۵۲

ازاں خورشید بر گرد جہاں سرگشتہ می گردد ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بر فتراک صاحب دولتے بندد سر خود را[1]

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا!

(صفحہ ۱۴۱)

سنائی:۔ ابو المجد مجدود ابن آدم سنائی کا وطن غزنی تھا۔ ان کی زندگی کے حالات تذکرہ نگاروں نے بہت کم لکھے ہیں۔ یہ بہرام شاہ بن مسعود شاہ غزنوی کے زمانے میں تھے سنائی کی مشہور تصنیف جو انہوں نے بہرام شاہ کے سامنے پیش کی۔ حدیقہ یا حدیقۃ الحقیقت ہے۔ یہ کتاب ۱۱۳۱ء میں ختم ہوئی اور اسی سال مصنف کا انتقال ہوگیا۔ سنائی اوائل عمر میں قصیدہ نگار تھے اور بہرام شاہ کے درباری شاعر بھی۔ مگر چند واقعات نے ان پر ایسا گہرا اثر کیا کہ انہوں نے مدح سرائی ترک کر دی اور اپنے لئے دوسرا میدان تلاش کر لیا۔ جس کی وجہ سے آج تک ان کا نام زندہ ہے۔

صوفیانہ خیالات کو مثنوی کی صورت میں پیش کرنے والوں میں سنائی صف اول میں آتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مثنویاں لکھی تھیں جن میں حدیقہ سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔[2]

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے ‌ ‌ ‌ ‌ بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

(صفحہ ۲۷)

مصرعہ ثانی شیفتہ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ ‌ ‌ ‌ ‌ بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کیلئے

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمان خوش آہنگ ‌ ‌ ‌ ‌ دنیا نہیں مردان جفاکش کے لئے تنگ

(صفحہ ۱۱۹)

"سلمان": مسعود سعد سلمان ۱۰۴۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام سعد سلمان تھا جو شاہ غزنی کی طرف سے لاہور اور دوسرے مقامات میں بہت سی

---

[1] کلیات صائب صفحہ ۴، مطبوعہ نولکشور

[2] آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۱۵-۱۲۱

جائداد کا مالک تھا۔ اس کے مرنے پر لوگوں نے سلمان کو اس جاگیر سے محروم کر دیا یہ داد خواہی کے لئے غزنی پہنچا وہاں اس کے مخالفین نے غلط الزامات لگا کر اس کو قید کرا دیا۔ اس نے شاہ غزنی کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اپنی تکالیف کا بھی اظہار کیا بادشاہ خوش ہوا اور سلمان نے قید سے نجات پائی۔ سلمان مرثیہ بھی خوب لکھتا تھا اس کا انتقال ۲۲-۱۱۲۱ء یا ۱۱۲۵ء میں ہوا اس کے جیسیہ قصائد تاثیر اور درد کے لحاظ سے جواب نہیں رکھتے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس کو اپنے عہد کا بڑا شاعر تسلیم کیا ہے[۱]

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک   عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
(صفحہ ۱۴۸)

"کاس الکرام"۔ یہ ترکیب رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

جرعہ بر ریختی زان خفیہ جام   بر زمین خاک من کاس الکرام[۲]

اور یہی ترکیب عربی کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی آئی ہے۔

شربنا واھرقنا من الماء جرعۃ   وللارض من کاس الکرام نصیب

(مطلب یہ ہے کہ جب ہم نے شراب پی اس کا ایک گھونٹ زمین پر بھی بہا دیا پس ثابت ہوا کہ سخی کے پیالے میں زمین یعنی دوسروں کا حصہ بھی ہوتا ہے۔)

حق را بسجودے صنمان را بطوافے!   بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو!
(صفحہ ۱۵۰)

"حق را بسجودے"۔ یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل قطعہ سے ماخوذ ہے اقبال کے مصرعہ اولیٰ میں "فریبند" محذوف ہے۔

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار   ساقی و مغنی و شراب و سرودے
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند   حق را بسجودے و نبی را بدرودے
دریغ آمدم زاں ہمہ بوستاں   تہی دست رفتن سوئے دوستاں
(صفحہ ۱۵۱)

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۲-۴-۳-۴۔ شیخ محمد اکرام۔ ارمغان پاک صفحہ ج۔ د
[۲] مثنوی معنوی دفتر پنجم صفحہ ۲۶ مطبوعہ نولکشور

یہ شعر سعدی کا ہے۔

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب — کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں!

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے — ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں!
(صفہ ۱۵۱)

"اضم اور کاظمہ" اقبال نے یہ دونوں لفظ عربی کے مشہور قصیدے بردہ سے لئے ہیں۔ قصیدہ بردہ کا وہ شعر یہ ہے۔

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ — او اومض البرق فی الظلماء من اضم؟

(مطلب یہ کہ یا تو مقام کاظمہ کی طرف سے محبت کی ہوا چل پڑی اور یا پھر موضع اضم کی جانب سے بجلی کوندی)

"فرصت کشمکش مدہ ایں دل بے قرار را — یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را"
(صفہ ۱۵۴)

یہ شعر زبور عجم کا ہے جو صفہ ۲۷ پر ہے۔

"اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلّی بسوزد پرم!"
(صفہ ۱۸۷)

یہ شعر سعدی کا ہے۔

"جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں"
(صفہ ۱۹۹)

یہ شعر غالب کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی — پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گذر اوقات
(صفہ ۲۰۹)

"معرّی" معری کا پورا نام ابوالعلا، احمد بن عبداللہ التنوخی تھا وہ بمقام معرۃ ۹۷۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۵۷ء میں وفات پائی اس نے شام میں یونانی حکمت اور ہندی فلسفہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد بغداد پہنچا جہاں اس نے اپنے لئے عربی ادب میں ایک مقام پیدا کیا۔ معری کے جوانی کے اشعار بہت مبالغہ آمیز ہیں اور وہ متنبی کی تقلید کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اشعار میں علمی اصطلاحات کی بڑی کثرت ہے

اس کے ہاں مبہم تراکیب بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر اور فلسفی تھا۔ غفران اور لزومیات اس کی تصانیف ہیں۔[۱]

یہ کہتا ہے فردوسیٔ دیدہ ور عجم جس کے سرمے سے روشن بصر

"فردوسی"۔ (صفحہ ۲۱۳) فردوسی کا پورا نام ابوالقاسم حسن بن اسحٰق بن اسحٰق بن شرف تھا اور فردوسی تخلص، وہ تقریباً ۹۴۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء میں فوت ہوا۔ اس کا شمار ایران کے مشہور ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ دور غزنویہ کا سب سے بلند پایہ شاعر تھا۔ فردوسی اپنے زندہ جاوید شاہنامہ کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کا مالک ہے۔ شاہنامہ کی ابتدا دقیقی نے کی لیکن مکمل اس کو فردوسی نے کیا۔ شاہنامہ ایک بحر زخار ہے فردوسی نے شاہنامہ ۳۵ سال کی مسلسل کاوش کے بعد مکمل کیا اس کا آغاز طوس میں ہوا تھا اور تکمیل غزنی میں ہوئی۔ فردوسی کو فارسی ناقدوں نے مثنوی کا پیغمبر مانا ہے اور ہر زمانے میں اس کا کلام عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔[۲]

نکتۂ دل پذیر تیرے لئے کہہ گیا ہے حکیم قاآنی

"قاآنی"۔ (صفحہ ۲۱۷) قاآنی کا پورا نام مرزا حبیب اللہ تھا اور قاآنی تخلص۔ وہ ۱۸۰۷ء میں بمقام شیراز پیدا ہوا اور ۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔ شاعری اس کو ورثہ میں ملی تھی۔ اوائل عمر میں قاآنی نے اپنی ذہانت سے پورا فائدہ اٹھا کر تحصیل علم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور حکمت و بلاغت اور علوم و فنون میں کامل دستگاہ پیدا کی اکتساب علم سے فراغت کے بعد قاآنی نے اپنی توجہ شاعری کی طرف مبذول کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی شیریں کلامی کی وجہ سے دور و نزدیک مشہور ہو گیا۔ قصیدے میں اس نے متقدمین کی پیروی کی اور ان کے طرز کو پایۂ کمال تک پہنچایا۔[۳]

---

[۱] احمد حسن الزیات۔ تاریخ الادب العربی صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۶۔
[۲] شبلی۔ شعر العجم ج ۱ صفحہ ۷۸ - ۱۵۱
E.G. BROWNE - A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. II PP. 129-49.
[۳] آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۳۶۱ - ۳۶۵

مسافر

(طبع سوم ۱۹۴۷ء)

چشم صائب از سوادش سرمہ چین   روشن و پائندہ باد آں سرزمیں
(صفحہ ۱۲)

"از سوادش سرمہ چیں"۔ پورا شعر صائب کا اس طرح ہے۔

خوشا وقتے کہ چشم از سوادش سرمہ چیں گردد
شوم چوں عاشقاں و عارفاں از جاں گرفتارش[۱]

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است   کہ آں عجوزہ عروس ہزار داماد است
(صفحہ ۱۷)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

مجو درستی عہد از جہان سست نہاد   کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست

دولت محمود را زیبا عروس   از حنا بندان دانائے طوس
(صفحہ ۱۸)

"دانائے طوس" اشارہ فردوسی کی طرف ہے اور یہ ترکیب نظامی کی ہے۔

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس   کہ آراست زلف سخن چوں عروس

آں "حکیم غیب" آں صاحب مقام   "ترک جوش" رومی از ذکرش تمام
(صفحہ ۱۸)

"حکیم غیب" اور "ترک جوش" کی ترکیبیں رومی سے لی گئی ہیں۔

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام   از حکیم غزنوی بشنو تمام

در الٰہی نامہ گوید شرح ایں   آں حکیم غیب و فخر العارفین[۲]

دین مجو اندر کتب اے بے خبر   علم و حکمت از کتب دیں از نظر
(صفحہ ۲۱)

یہ شعر اکبر الہ آبادی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

---

[۱] کلیات صائب صفحہ ۶۹۲ مطبوعہ نولکشور

[۲] مثنوی معنوی۔ دفتر سوم صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ نولکشور

نکتہ سنج طوس را دیدم بنزم — لشکر محمود را دیدم بر زم
(صفحہ ۲۵)

"نکتہ سنج طوس" اشارہ فردوسی کی طرف ہے۔

صدق و اخلاص و صفا باقی نماند — "آن قدح بشکست و آن ساقی نماند"
(صفحہ ۲۷)

مصرع ثانی عطار کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے۔

از جمالش ذرۂ باقی نماند — آن قدح بشکست و آن ساقی نماند[۱]

او بہ بند نقرہ و فرزند و زن — گر توانی سومنات او شکن
(صفحہ ۲۷)

"نقرہ و فرزند و زن"۔ یہ الفاظ رومی کے اس شعر سے لئے گئے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن[۲]

پس چہ باید کرد (طبع سوم ۱۹۴۷ء)

حمد بیحد مر رسول پاک را — آن کہ ایماں داد مشت خاک را
(صفحہ ۵۳)

اصل شعر عطار کا یوں ہے۔

حمد بیحد مر خدائے پاک را — آں کہ ایماں داد مشت خاک را

بہر یک نان نشتر لا و نعم — منت صد کس برائے یک شکم
(صفحہ ۶۶)

"لا و نعم" اشارہ ہے عرفی کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف۔

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را — ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

۱؎ مصیبت نامہ مطبع نور مشہد ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ ق صفحہ ۲۳۹

۲؎ مثنوی معنوی۔ دفتر اول صفحہ ۸۹ مطبوعہ نولکشور

ضرب کلیم

(بطبع ششم مئی ۱۹۴۶ء)

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من　　"کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند"
(صفہ ۱)

مصرع ثانی طالب آملی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

زنا رت چمنت بر بہار منت ہاست　　کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے　　"مسکین دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر"
(صفہ ۲۰)

مصرع ثانی قاآنی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

آں میبردش از چپ وایں میکشد از راست　　مسکین دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر[1]

عشق ناپید خردمے گزدش صورت مار　　عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
(صفہ ۶)

پہلا مصرع زبور عجم کا ہے پورا شعر صفہ ۱۳۰ پر اس طرح ہے۔

عشق ناپید و خردمی گزدش صورت مار　　گرچہ در کاسۂ زرلعل روانے دارد

نایاب نہیں متاع گفتار　　صد انوری و ہزار جامی
(صفہ ۸۰)

"انوری"۔ محمد نام، اوحدالدین لقب اور انوری تخلص تھا اپنی ذہانت اور خداداد طبع رسا کی وجہ سے شاعری میں نام پیدا کیا انوری سلطان سنجر سلجوقی کا مداح تھا۔ سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ رشید اور ظہیر اس کے ہم عصر تھے انوری کا فارسی نظم میں بہت بڑا درجہ ہے۔ قصیدہ گوئی اور بذلہ سنجی میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھا جیسا کہ کہا گیا ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند　　ہر چند کہ لانبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را　　فردوسی و انوری و سعدی

اس کی وفات تقریباً ۱۱۹۱ء میں ہوئی۔ دیوان و قصائد انوری اب تک

---

[1] کلیات دیوان حکیم قاآنی شیرازی صفہ ۹۰ چاپ خانۂ علی تہران ۱۳۱۸ خورشیدی

مقبول ہیں۔[۴۹]

اپنے نورِ نظر سے کیا خوب — فرماتے ہیں حضرت نظامی
(صفحہ ۸۷)

"نظامی۔ نظام الدین نام، نظامی تخلص شہر گنجہ کے رہنے والے تھے۔ فارسی شاعری کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں ان کی کتاب سکندر نامہ بہت مشہور مقبول ہے۔ خمسۂ نظامی یعنی پانچ کتابوں کا مجموعہ فارسی میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس میں مخزن الاسرار، لیلےٰ و مجنوں، خسرو و شیریں، ہفت پیکر اور سکندر نامہ شامل ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۳۶ء میں ہوئی۔ وفات ۱۱۹۹ء میں پائی۔ ایک دیوان بھی یادگار ہے۔[۵۱]

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے — اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے؟
(صفحہ ۱۱۳)

یہ شعر رومی کے اس شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

دم کہ مرد نائی اندر نائے کرد — در خور نائے است نے در خورد مرد

وہ صاحب تحفۃ العراقین — ارباب نظر کا قرۃ العین
(صفحہ ۱۱۶)

"صاحب تحفۃ العراقین" مراد خاقانی۔ ایران کا مشہور قصیدہ نگار خاقانی منوچہر بادشاہ شروان کے عہد میں گذرا ہے۔ اس کو سلطان الشعرا کا خطاب ملا تھا۔ اس کا نام افضل الدین ابراہیم بن علی شروانی تھا۔ شروان کا رہنے والا ابو العلا گنجوی کا شاگرد تھا اسی نے اس کو خاقانی کا تخلص عطا کیا تھا۔ تحفۃ العراقین کا مصنف ہے جس میں عراق عجم اور عراق عرب کا حال نظم کیا گیا ہے۔ ایک ضخیم مجموعۂ قصائد اور ایک دیوان غزلیات اور مثنوی تحفۃ العراقین اس سے یادگار ہیں۔ بمقام تبریز ۱۱۰۶ء میں وفات پائی۔ اس کے قصائد رفعتِ خیال اور مشکل پسندی کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔ نعت رسول سے اس کو خاص شغف تھا اسی لئے حسان العجم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[۵۳]

---

۵۰ شبلی۔ شعر العجم ج ۱ صفحہ ۲۲۲-۲۴۲

آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۶۹-۱۷۵

۵۲ شبلی۔ شعر العجم ج ۱ صفحہ ۲۲۳-۲۹۷

۵۳ آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۹۶-۲۱۳

ارمغان حجاز

(طبع سوم نومبر ۱۹۴۶ء)

صبنت الکاس عنا ام عمرو　　　وکان الکاس مجراھا الیمینا

اگر این است رسم دوستداری　　　بدیوار حرم زن جام و مینا

(صفحہ ۶)

عمرو ابن کلثوم شاعر معلقہ سردار بنی تغلب مشہور جاہلی شاعر تھا۔ وہ ۶۰۰ء میں تھا۔ اس کی پیدائش و وفات کی صحیح تاریخ کا علم نہیں لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۵۰ سال زندہ رہا۔ اس کی ماں تغلبی شاعر کی لڑکی تھی۔ اس نے اپنی ماں کی بے عزتی کا انتقام شہزادہ عمرو بن ہند سے لیا۔[1]

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر　　　نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

(صفحہ ۲۵)

اقبال نے عزت بخاری کے اس شعر کو ایک عنوان بنایا ہے۔

سید عبدالولی نام، عزت تخلص باپ کا نام سعد اللہ تھا جو نہایت نیک عالم اور اورنگ زیب کے معتمد علیہ تھے۔ عزت اپنے والد کی وفات کے بعد مرشد آباد چلے آئے اور الہ وردی خاں نے ان کی مدد کی۔ اپنے مربی کی وفات کے بعد ۱۷۵۶ء میں یہ ملک دکن پہنچے اور وہیں انتقال کیا۔ یہ صاحب دیوان تھے۔[2]

"الایا خیمگی خیمہ فرو ہل　　　کہ پیش آہنگ بیرون شد ز منزل"

خرد از راندن محمل فرو ماند　　　زمام خویش دادم در کف دل!

(صفحہ ۲۷)

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۳۳۵

یوسف الیان سرکیس معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ صفحہ ۱۳۸۲-۱۳۸۳

REYNOLD A. NICHOLSON—A LITERARY HISTORY OF THE ARABS

PP. 109–113. PHILIP K. HITTI, HISTORY OF THE ARABS PP. 83, 93

[2] نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر ج ۲ صفحہ ۸۳

"منوچہری" منوچہری غزنوی دور کا شاعر ہے اور تمام تذکرہ نگاروں نے اس کی قصیدہ نگاری کو سراہا ہے اس کے کلام کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم متداولہ اور عربی ادب میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔

اس کی کنیت ابوالنجم نام احمد اور تخلص منوچہری تھا۔ وہ امیر منوچہر کے دربار سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے منوچہری تخلص اختیار کیا۔ بعد کو غزنوی دربار کا متوسل ہوا۔ آخر ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں وفات پائی۔ اس کے قصائد میں عربی معاشرت کی مرقع کشی ملتی ہے۔ اور وہ قصیدہ نگاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے[۱]

گناہ عشق و مستی عام کردند | دلیل پختگاں را خام کردند
باآہنگ حجازی می سرایم | "نخستین بادہ کاندر جام کردند"

(صفحہ نمبر ۱۳۰)

چوتھا مصرع عراقی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند | ز چشم مست ساقی وام کردند

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست | طواف او طواف بام و در نیست
میاں ما و بیت اللہ رمزیست | کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست!

(صفحہ ۱۴۸)

دوسرا شعر مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

میاں عشاق و معشوق رمزیست | کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

فرنگ آئین رزاقی بداند | بایں بخشد از و وا می ستاند
بہ شیطاں آنچناں روزی رساند | کہ یزداں اندر آں حیراں بماند

(صفحہ ۲۰۹)

ان اشعار کا بنیادی تصور سعدی کے حسب ذیل اشعار سے لیا گیا ہے۔

اگر روزی بدانش در فزودی | زناداں تنگ روزی تر نبودی
بناداں آنچناں روزی رساند | کہ دانا اندراں حیراں بماند

وہ کلیم بے تجلّی! وہ مسیح بے صلیب! | نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب!

(صفحہ ۲۱۸)

مصرع ثانی اس شعر سے ماخوذ ہے۔

---

[۱] شبلی، شعر العجم، ج ۱ صفحہ ۱۸۲-۲۰۲ طبع اعظم گڑھ۔

من چہ گویم وصف آں عالی جناب — نیست پیغمبر و لے دارد کتاب
اخلاص عمل مانگ نیاگانِ کہن سے — "شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"
(صفحہ ۲۳۱)

مصرع ثانی ہلالی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

گر یار کند میل ہلالی عجبی نیست — شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا[1]

"صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آوازہ تیشہ و جگر است"
(صفحہ ۲۷۶)

یہ شعر مرزا مظہر جان جاناں کے "خریطۂ جواہر" سے ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کے والد مرزا جان شاعر تھے۔ گویا شاعری مظہر جان جاناں کو ورثہ میں ملی تھی۔ مرزا مظہر کا دیوان مشہور ہے اس کو اہل تصوف قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ء) میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ زیادہ حصہ عمر کا دلی میں بسر کیا اور وہیں ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ (۶ جنوری ۱۷۸۱ء) کو انتقال کیا۔[2]

---

[1] دیوان ہلالی صفحہ ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
[2] نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر ج ۱ صفحہ ۱۶۶

باقیات اقبال (طبع اول ۱۹۵۲ء)

المدد سید مکی مدنی العربی　　دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
(صفحہ ۱۶)

یہ شعر قدسی کا ہے۔ قدسی کے یہاں المدد کی جگہ مرحبا ہے۔

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
(صفحہ ۲۷)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری الفت میں　　کہ "فرشتوں نے لیا بہر تیمم مجھ کو"
(صفحہ ۳۱)

مصرع ثانی داغ دہلوی کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے۔

دیکھ لے وادیٔ ایمن مجھے وہ خاک ہوں میں

کہ فرشتوں نے لیا بہر تیمم مجھ کو

موج خون سرمد و تبریزی و منصور سے　　کس قدر رنگیں ہے یارب داستاں اہل دل
(صفحہ ۱۰۱)

"سرمد" سرمد آرمینیا کے رہنے والے ایک شاعر تھے۔ مذہبًا یہودی یا عیسائی مگر نوجوانی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ان کا خاندانی نام معلوم نہیں نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا وہ اپنے تخلص سرمد ہی سے مشہور ہیں اور یہی نام قدیم تذکروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ علم و فضل میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ عربی زبان میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ اسی سلسلے میں شاہجہاں کے عہد میں ایران سے ہندوستان آئے۔ شہر ٹھٹھہ (سندھ) میں بھی گذر ہوا۔ یہاں ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے۔ یہ عشق مجازی حقیقت کا زینہ ثابت ہوا۔ عقل و حواس جاتے رہے۔ جذب و جنون طاری ہو گیا۔ سندھ کے ریگزاروں میں بلا لحاظ سرد و گرم عریاں پھرتے رہے۔ آخر میں شاہجہاں آباد پہنچے شہزادہ دارالشکوہ سے ملاقات ہوئی وہ ان کا

معتقد ہو گیا۔ جب عالمگیر مالک تاج و تخت ہوا تو برہنگی کی خبریں اس کے کان تک پہنچائی گئیں۔ بادشاہ نے قاضی القضاۃ کو سرمد کے پاس برہنگی کی وجہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا جواب ملا۔ ع دزدے عجبے برہنہ کردست مرا۔ بادشاہ نے یہ سن کر سرمد کو مجمع عام میں بلایا اور ان سے لباس پہننے کے لئے کہا گیا لیکن کچھ التفات نہ کیا۔ اس پر عالمگیر نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ ان سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہا جائے چنانچہ کلمہ پڑھوایا گیا لیکن انہوں نے لا الہ تک ہی پڑھا اور فرمایا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں درجۂ اثبات تک نہیں پہنچا اس پر علماء نے کفر کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ ان کو قتل کر دیا گیا یہ واقعہ ۱۶۶۰ء کا ہے اور جامع مسجد دہلی کے قریب گزرا ہے۔[1]

تبریزی کا اشارہ شمس تبریزی کی طرف ہے۔

درس گیر از گرامی ہمہ ورد   که برید از خود و بایزید پیوست (صفحہ ۱۲۰)

"گرامی" شیخ غلام قادر گرامی جالندھر کے قصبہ میں ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک متمول خاندان کے فرد تھے انہوں نے تعلیم کی ابتدا جالندھر ہی میں کی۔ بعد ازاں وہ لاہور چلے آئے۔ جہاں منشی فاضل امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ گرامی نے اسکول کی ماسٹری بھی کی اور پولیس کی ملازمت بھی۔ رام پور بھی گئے اور حیدر آباد بھی۔ وہ حیدر آباد دکن میں کوئی پنتیس برس رہے۔ حیدر آباد کے قیام ہی میں گرامی دربار دکن کے شاعر خاص رہے۔ ۱۹۱۵ء میں دکن کو خیرباد کہہ کر ہوشیار پور چلے آئے۔ اور وہیں ۳۰ مئی ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا۔ گرامی کے کلام میں مغلیہ شعرا کا رنگ جھلکتا ہے۔ زبان میں پختگی اور شائستگی ہے۔ اور بعض جگہ نہایت نفیس خیالات بڑے دلآویز

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ موج کوثر صفحہ
نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر 17 صفحہ ۲۸۷-۲۸۸

طریقے سے نظم کئے ہیں۔[۱]

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر — حیا تش بحق بود روشن دلیلے
(صفحہ ۱۳۰)

"اکبر"۔ خان بہادر سید اکبر حسین اکبر الہ آباد میں ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۶۷ء میں وکالت کا سرٹیفکٹ حاصل کیا۔ ۱۸۸۰ء میں منصف ۱۸۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۸۴ء میں جج ہوئے۔ فن شاعری میں خاص لگاؤ تھا۔ وحید الہ آبادی کے مایۂ ناز تلامذہ میں تھے۔ مغربی خیالات کو ایشیائی لباس پہنانا اور انگریزی الفاظ کو اردو میں ضم کرنا اور ظرافت کے پہلو میں مغربی تعلیم و تہذیب کے برے اثرات کا خاکہ اڑانا ان کا رنگ خاص تھا۔ ان سے چار دیوان یادگار ہیں۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔[۲]

لیکن شنیدہ کہ دم گردش شراب — پیر عجم چہ گفت بر نداں مے پرست
داناکہ دید شعبدۂ چرخ حقہ باز — ہنگامہ بازچید و در گفتگو بہ بست
(صفحہ ۱۳۵)

پیر عجم کا اشارہ حافظ کی طرف ہے اور دوسرا شعر حافظ کا ہے لیکن اس طرح ہے۔

دانا چو دید بازی ایں چرخ حقہ باز — ہنگامہ بازچید و در گفتگو بد بست

الوداع اے سیرگاہ شیخ شیراز الوداع — اے دیار بالمیک نکتہ پرواز الوداع
(صفحہ ۱۵۰)

"بالمیک"۔ والمیک ورون کارؒ کا تھا۔ ادھیا تمار امائن کی رو سے اگرچہ والمیک برہمن تھا لیکن وہ چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور والمیک کو رہزنی میں خاص مہارت ہو گئی تھی اور اس کا یہ شغل ایک مدت تک جاری رہا۔ ایک روز والمیک کا سابقہ ایک صاحب کرامات بزرگ سے پڑا۔ اس نے عادت کے مطابق اس بزرگ کو قتل کی دھمکی دی اور اس کا مال و اسباب چھیننا چاہا۔ لیکن اس صاحب کرامات بزرگ نے

---

[۱] شیخ محمد اکرام۔ ارمغان پاک صفحہ
شخصیات نمبر۔ صفحہ ۵۶۔ ۶۶
[۲] طالب الہ آبادی۔ اکبر الہ آبادی۔

کہا کہ پہلے اپنے گھر جا اور اپنی بیوی اور بچوں سے مشورہ کر کہ آیا وہ تیری اس لوٹ مار کی زندگی میں شریک ہیں۔ چنانچہ والمیک اپنے گھر پہنچا اور جواب نفی میں پا کر مایوس واپس ہوا۔ اس بزرگ نے اسے ایک لفظ مارا بار بار پڑھنے کی تلقین کی (مارا رام کی بگڑی ہوئی صورت) اور خود غائب ہوگیا۔ یہ صاحب کرامات بزرگ ایک طویل مدت کے بعد واپس ہوا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکو والمیک مسلسل اس کا ورد کر رہا ہے۔ آخر کار یہ ڈاکو اس بزرگ کی دعا اور اس ورد کے صلہ میں خود بھی باکمال ہوا۔ صاحب کرامات والمیک صاحب تصنیف بھی تھا۔ اس کی غیر فانی تصنیف رامائن ہے۔[1]

---

(1) THE ENCYCLOPAEDIA INDICA (HINDI EDITION) CALCUTTA 1930 VOL. 21 PP. 226-228

رختِ سفر

(نقش اول جنوری ۱۹۵۲ء)

"نقش فریادی ہے تیری شوخیٔ تحریر کا" "کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا" (صفہ ۸)

غالب کے شعر میں معمولی سا تصرف کیا گیا ہے۔ اصل شعر یوں ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کر دیا قدرت نے پیدا ایک دونوں کا نظیر داغ یعنی وصل فکر میرزا و درد و میر (صفہ ۹)

"میرزا و درد و میر" کا اشارہ بالترتیب مرزا سودا خواجہ میر درد اور میر تقی میر کی طرف ہے۔ "میرزا" مرزا محمد رفیع نام، سودا تخلص غالباً ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں پیدا ہوئے۔ مرزا کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں دیوان اردو زیادہ مشہور ہے۔ سودا اپنے زمانے کے بڑے استاد مانے گئے ہیں۔ ان کی خدمات زبان اور شاعری بہت قابل قدر ہیں۔ ان کی اصلاح زبان کا اثر بہت گہرا اور دیرپا ہے۔ ان کے اردو قصائد بڑے بڑے فارسی استادوں کے قصائد کے ٹکر کے ہیں۔ نزاکت خیال اور طرفگی مضامین میں وہ اکثر اہل عجم سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ مرزا نے ہجوؤں کے دفتر کے دفتر لکھ کر رکھ دیئے ہیں۔ ان لوگوں پر تو ضرور افسوس ہوتا ہے جن کے دلوں پر یہ آرے چلے ہوں گے۔ مگر ہمارے واسطے وہ ایک زعفران زار چھوڑ گئے ہیں۔ جو ابدالآباد تک سرسبز و شاداب رہے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صنف سے ان کو خلقی مناسبت بلکہ قدرتی خصوصیت تھی۔ مرزا کو زبان پر پوری قدرت اور شعر پر پوری حکومت حاصل تھی۔ مشکل سے مشکل زمین ان کے سامنے پانی اور ادق سے ادق مضامین ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ ان کا بیشتر کلام تصوف کی چاشنی سے خالی ہے لطف غزل ان میں کم ہے۔ یعنی ان کی غزلوں میں وہ سوز و گداز اور سادگی نہیں جو غزل کی جان ہے۔ ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ء) میں انتقال کیا۔[1]

---

[1] مرزا محمد عسکری۔ تاریخ ادب اردو صفہ ۱۰۰-۱۲۲ مطبوعہ لکھنؤ بار دوم۔

"درد": سید خواجہ میر نام، درد تخلص خواجہ محمد ناصر عندلیب کے خلف الصدق تھے۔ میر درد کا سنہ ولادت ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰ء) ہے۔ انہوں نے اپنے والد ہی کی آغوش میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کی۔ قرآن، حدیث، تفسیر اور تصوف میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جوانی میں دنیاوی معاملات میں حصہ لیتے اور اپنی جاگیر کے کاموں کو بھی دیکھتے تھے۔ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ سپاہی پیشہ تھے۔ مگر والد کے حکم سے نوکری چھوڑ کر فقر اختیار کیا۔ ۲۸ برس کی عمر میں دنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے اور جب باپ نے سفر آخرت اختیار کیا تو ۳۹ برس کے سن میں سجادہ نشین اور قائم مقام ہوئے۔ خواجہ میر درد کی تصانیف کی تعداد گیارہ ہے جن میں ان کا دیوان اردو بھی شامل ہے۔ خواجہ میر درد کی زبان اور طرز ادا وہی ہے جو میر کی ہے۔ عبارت صاف، فصیح، ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے۔ درد و اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ غزلیں زبان کی سادگی اور صفائی میں میر کے کلام کا مزہ دیتی ہیں۔ عرفان اور تصوف کے پیچیدہ اور مشکل مضامین اس حسن و خوبی سے بیان کئے ہیں کہ دل وجد کرتا ہے سنہ وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۴ء) ہے۔[۱]

"میر": میر محمد تقی نام، میر تخلص اردو زبان و ادب کے ماہر فن کی تاریخ پیدائش و وفات میں اختلاف ہے۔ سال پیدائش تقریباً ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ء) سال وفات ذکر میر کے حوالے سے ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۲ء) ہوتا ہے۔ میر کی تصانیف میں ذکر میر، نکات الشعرا اور چھ ضخیم دیوان غزلوں کے زیادہ مشہور ہیں۔ میر اردو غزل کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ ان کے اشعار صاف سادہ فصیح اور تیر و نشتر کا کام دینے والے درد و اثر سے مملو ہوتے ہیں۔ اظہار جذبات، چستی، بندش اور ترنم میں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ ان کے کلام میں جو حزن و ملال، حسرت و مایوسی ہے وہی ان کی شاعری کی جان ہے۔ میر شاعری اور زبان دانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ میر کی شہرت خاص کر ان کی غزلوں اور مثنویوں پر مبنی ہے۔

---

[۱] مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۰۰-۱۰۶۔

غزلوں میں تو فی الحقیقت ان کا جواب نہیں۔ میر کے کلام کی حلاوت و دل آویزی ان کے اشعار کا درد و اثر اور رنگینی آج تک مشہور رہیں۔ بلکہ جب تک اردو زبان باقی ہے مشہور رہیں گی۔[1]

"درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا　　زندگی جزو کی ہے کل میں فنا ہو جانا

(صفہ ۱۳۶)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا　　عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

---

[1] مرزا عسکری۔ تاریخ ادب اردو صفہ ۱۴۵۔۱۴۶

باب ہشتم

اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر

اسرار خودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

عاشقی آموز و محبوبے طلب چشم نوحے قلب ایوبے طلب

(صفحہ ۱۹)

"نوحے" اشارہ حضرت نوح کی طرف ہے۔

حضرت نوح بن لامخ (یا لمک) عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گذرے ہیں۔ حسب روایت طوریت حضرت آدم سے دسویں پشت میں تھے۔ آپ گریہ وزاری بہت کیا کرتے تھے۔ عمر ۹۵۰ سال کی پائی[۱]

"ایوبے" اشارہ حضرت ایوب کی طرف کیا گیا ہے۔

حضرت ایوب اسرائیلی تو نہ تھے لیکن اسحاقی و ابراہیمی تھے۔ یعنی حضرت ابراہیم سے پانچویں پشت میں۔ حضرت اسحاق کے بڑے صاحبزادے عیص کی اولاد میں تھے توریت میں ہے کہ عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے اور عوض سے متعلق علما فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال مغرب میں فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپ کا متعین نہ ہو سکا، علما یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی اور آپ فرزندان یعقوب کے ہم عصر ہیں۔ پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔ توریت میں ہے۔

---

[۱] مولانا عبد الماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی ج ا صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی۔
توریت۔ پیدائش۔ باب ۹۔ آیت ۲۹۔

"عوض کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا۔ وہ شخص کامل اور راستباز تھا اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔ اس کے ہاں سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے پاس سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑی بیل اور پانچ سو گدھیاں اور بہت سے نوکر چاکر تھے ایسا کہ اہل مشرق میں وہ سب سے بڑا آدمی تھا۔[۱]

کامل بسطام در تقلید فرد اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

(صفحہ ۲۳)
"بسطام": مراد خواجہ بایزید بسطامی ہیں۔ حضرت بایزید بسطام کے مشہور ترین صوفی تھے۔ ان کا اصلی نام طیفوری تھا۔ اسی وجہ سے بعض ان کو بایزید طیفوری البسطامی بھی کہتے ہیں ان کے دادا گبر تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بایزید اپنے زمانے کے ممتاز صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی عبادت زہد و تقویٰ اور فنا فی الرسول ایسی چیزیں تھیں جو آنے والے صوفیہ اور اولیا کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ بایزید کو رسول کریم کی ذات گرامی سے والہانہ عشق تھا اس کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے تمام عمر اس خیال سے خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں رسول اکرم نے کس طرح اس کو تراش کر کھایا ہے۔ آپ چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی ترک نہیں کرتے تھے۔ ۲۶۱ھ (۸۷۵ء) میں انتقال کیا۔ ابن خلقان کے نزدیک بایزید کا سال وفات ۸۷۷۔ ۸۷۸ ہے۔[۲]

با تو می گویم حدیث بوعلی در سواد ہند نام او جلی

(صفحہ ۲۷)
"بوعلی": نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ

---

[۱] ایوب۔ باب ۱۔ آیت ۱-۳

[۲] شبلی۔ سوانح مولوی روم صفحہ ۹
فرید الدین عطار۔ تذکرۃ الاولیا اردو صفحہ ۱۲۴-۱۵۴
جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۶۴-۶۵
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۶۸۶

کی اولاد سے تھے۔ ان کے والد ۷۰۰ھ (۱۳۰۳ء) میں عراق سے ہندوستان آگئے۔ وہ جید عالم تھے۔ شیخ بو علی قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کئے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کا درس جاری رہا۔ لیکن جب تصوف کی طرف مائل ہوئے اور عبادت و ریاضت کی تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابیں دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات، اور کرنال کے نواح میں آخر وقت تک مقیم رہے لیکن اس جذب و سکر کی حالت میں بھی آپ تبلیغ و اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ چنانچہ ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی زندہ جاوید تصنیف "پریچنگ آف اسلام" میں لکھا ہے کہ بہت سے راجپوت خاندان آپ ہی کی وجہ سے اسلام لائے۔ حضرت بو علی قلندر کے ہم عصر سلاطین کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان سلاطین میں جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کا انتقال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا اور کرنال میں مدفون ہوئے لیکن ان کے بعض اعزہ نے پوشیدہ طور پر نعش کو پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا۔ قلندر پانی پتی صاحب تصنیف بزرگ تھے ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔ (۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار اور (۴) رسالہ عشقیہ۔ حضرت بو علی قلندر ہندوستان کے ممتاز صوفیہ میں سے ہیں۔ رسالہ عشقیہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن	از گل رعنا بگو با ما سخن[۱]
ماہی واز سینہ تا سر آدم است	ہمچوں بنات آشیان اندر یم است

(صفحہ ۳۹)

"بنات آشیان" سمندر کی نیم پریاں جن کو انگریزی میں سائرنز (SIRENS) اور عربی میں بنات البحر کہتے ہیں۔ ہومر (HOMER) کے ہاں ان کی تعداد دو ہے اور

---

[۱] سیر الاقطاب صفحہ ۹۰۔ خزینۃ الاصفیا ج ۱ صفحہ ۳۲۸۔
سید صباح الدین عبد الرحمن۔ بزم صوفیہ صفحہ ۲۳۵-۲۶۰۔

متاخرین کے ہاں بالعموم تین۔ ملاحوں کے توہمات کی رو سے ان کا آدھا جسم مچھلی کا ہے اور آدھا انسان کا اور جہاز ران ان کے پرکیف نغموں سے بے راہ ہو کر دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ابتدائی ادب میں ان پریوں کی ہیئیت یوں بھی آئی ہے کہ یہ چڑیاں ہیں جو عورتوں جیسا سر رکھتی ہیں۔ بعد ازاں ان کی تعریف یہ بھی کی گئی کہ وہ ایسی عورتیں ہیں جن کے پیر چڑیوں کی طرح ہیں اور بازو ہیں بھی اور نہیں بھی۔[1]

دل بہ سلمائے عرب باید سپرد   تا دمد صبح حجاز از شام کرد

(صفحہ ۴۲) "سلمی" ادبیات عرب میں ایک معشوقہ کا نام ہے۔ دوسرے مصرع میں شیخ حسام الدین ضیاء الحق کے مقولے کی طرف اشارہ ہے۔ بن گیا

امسیت کردیا و اصبحت عربیا   میں شام کو کردی تھا اور صبح کو عربی۔ مطلب یہ کہ رات ہی رات کے اندر خدا کے فضل سے وہ علوم و معارف حاصل ہو گئے کہ صبح ہوتے ہی ایک جاہل و نادان انسان فاضل اجل اور خازن اسرار الٰہی بن گیا۔

شیخ صلاح الدین زرکوب کی وفات کے بعد مولانا روم نے حسام الدین چلپی کو جو مولانا کے معتقدان خاص میں سے تھے۔ ہمدم و ہمراز بنا لیا تھا۔ اور جب تک وہ زندہ رہے انہی سے دل کو تسکین دیتے رہے۔ باوجودیکہ وہ مولانا کے مرید تھے۔ لیکن مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ مولانا کے پیر و مرشد ہیں۔ مثنوی کی تصنیف کے اصلی محرک حسام الدین ہی تھے۔ مثنوی کے سلسلہ تصنیف میں حسام الدین کو خاص دخل رہا ہے۔ چنانچہ مثنوی کے چھ دفتروں میں سے بجز دفتر اول کے ہر دفتر ضیاء الحق حسام الدین کے نام سے مزین ہے[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج۲۰ صفحہ ۷۱۸ - ۷۱۹ طبع چہاردہم۔

[2] شبلی۔ سوانح مولوی روم صفحہ ۱۶

جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۴۹۷ - ۴۹۸

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج۲ صفحہ ۷۸۲

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم

"سید ہجویر" ابوالحسن کنیت اور علی نام تھا۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں۔ شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخر زندگی میں لاہور آکر رہے۔ اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ ولادت ۴۰۰ھ (۱۰۰۷ء) میں ہوئی اور وفات ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) میں۔ لاہور میں بھاٹی دروازہ کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ کے روحانی کسب کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراالنہر اور ترکستان کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اولیا، اور صوفیہ سے مستفیض ہوئے۔ باطنی اور روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جو سید ہجویر کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے۔ جب چلہ سے فارغ ہوئے تو یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

عوام سید ہجویر کو داتا گنج بخش کے نام سے جانتے ہیں۔

علی ہجویری صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات۔ (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایتہ لحقوق اللہ اور (۷) کشف المحجوب۔ ان میں سے صرف کشف المحجوب ہی ملتی ہے۔ باقی کتابیں مفقود ہیں۔ کشف المحجوب ہی میں آپ کے ایک دیوان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔[۵]

۵۔ جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۳۴۷-۳۴۸

سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ صفحہ ۱-۳۴۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۹۲۷

"پیر سنجر". اشارہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی طرف ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملت والدین حسن چشتی سنجری ۱ سجستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید غیاث الدین حسن سنجری ایک نہایت صاحب جاہ و ثروت بزرگ تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا اس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے۔ ان بزرگ کی صحبت سے خواجہ معین الدین علائق دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طلب میں مشغول ہو گئے۔ اور سمرقند پہنچے۔ یہاں قرآن حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں منہمک رہے۔ سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارون میں شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کا شعار ہندوستان کے مشہور ترین صوفیہ میں ہے۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی اظہر من الشمس ہیں۔ آپ ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں اجمیر وارد ہوئے۔ آپ کا سال وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) ہے اور آپ اجمیر میں مدفون ہیں۔ خواجہ معین الدین کی کوئی مستقل تصنیف نہیں۔ مگر ان کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں مثلاً رسالہ در کسب نفس، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معین، انیس الارواح اور دلیل العارفین۔[۱]

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور تو ز آذر من ز ابراہیم دور

(صفحہ ۶۶)

"آذر" تاریخ اور توریت میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ آتا ہے۔ اور قرآن عزیز میں آذر۔ اس باب میں علما اور مفسرین نے دو راہیں اختیار کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہو جائے۔ اور یہ اختلاف جاتا رہے اور دوسرے یہ کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں کون صحیح اور کون غلط یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا ہستیوں کے نام ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ "آدار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں۔ اور عربی میں یہی آذر کہلایا۔ تارخ چونکہ بت تراش

۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ صفحہ ۳۵-۶۲

اور سب سے بڑا بچاری تھا اس لئے "آزر ہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ حالانکہ یہ نام نہ تھا۔ بلکہ لقب تھا اور جب کہ لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ "ابراہیم"۔ حضرت ابراہیم بڑے جلیل القدر پیمبر گذرے ہیں۔ توریت میں آپ کا نام ابراہیم اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے۔ سال ولادت سرچارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے اور آپ کی عمر توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سال وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے۔ والد کا نام تارخ تھا یا عربی تلفظ میں آزر۔ نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اس ملک کو عراق کہتے ہیں جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اور (UR) آیا ہے۔[۵۲]

حضرت شیخ میانمیر ولی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر خفی از نور جان او جلی

"میانمیر"۔ (صفحہ ۷۰) شیخ میاں میر قادری سلسلہ کے بہت مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کا اصلی نام میر محمد تھا اور لقب میاں میر۔ آپ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ میاں میر ٹھٹھہ کے قریب ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں پیدا ہوئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ سیستان میں پیدا ہوئے اور شیخ سیستان ہی کے خلیفہ تھے۔ نہایت درجہ کے عابد و زاہد تھے۔ سیستان چھوڑ کر لاہور تشریف لائے۔ اور یہیں ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار لاہور ہی میں ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ جہاں بھی دو مرتبہ آپ سے ملنے آیا۔ دارا شکوہ جس کو آپ سے دلی ارادت تھی کئی مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جو معقولات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے کئی مرتبہ شیخ میاں میر کے پاس آئے اور روحانی فیض

---

۵۱ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۱ صفحہ ۱۳۲۔ ۱۳۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین۔ طبع دوم

۵۲ مولانا عبدالماجد دریابادی تفسیر ماجدی ج ۱ صفحہ ۴۸ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی۔ توریت۔ پیدائش۔ باب ۲۵۔ آیت ۸

حاصل کیا۔ شہزادہ دارا شکوہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور فارسی میں ایک کتاب شیخ میاں میر کی کرامات اور حالات زندگی سے متعلق قلمبند کی۔ اخلاق کی مشہور کتاب ضیا العیون حضرت میاں میر کی تصنیف ہے[۱]

"اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی برائے مسلمانان ہندوستان رقم فرمودہ است۔ (صفحہ ۷۳)

میر نجات نقشبند یہ ایک فرضی نام ہے۔

پیر تبریزی ز ارشاد کمال جست راہ مکتب ملّا جلال (صفحہ ۷۵)

"پیر تبریزی" مراد شمس الدین محمد تبریزی ہیں۔ شبلی نے ان کے والد کا نام علاؤ الدین لکھا ہے۔ اور جامی نے نفحات الانس میں علی بن ملک داؤں تبریزی بتایا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے۔ آپ کو شیخ ابوبکر زنبیل باف تبریزی کا بھی مرید کہا گیا ہے۔ اور بابا کمال الدین جندی کا بھی۔ ممکن ہے آپ سب کی خدمت میں پہنچے ہوں۔ اور سب سے فیض حاصل کیا ہو۔ شبلی کے بیان کے مطابق ان کے والد کیا بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا امام تھا۔ لیکن انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ شمس نے تبریز میں علوم ظاہری کی تحصیل کی۔ بعد ازاں بابا کمال الدین جندی کے مرید ہو گئے لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندۂ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور شمس تبریزی روم کو روانہ ہوئے اور قونیہ پہنچ کر مولانا روم سے ملے۔ بعض وجوہ سے مولانا روم اور شمس تبریز کی ملاقات کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ مولانا نے صرف دو سال ان کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ شمس تبریز کو مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔ نفحات الانس میں ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) شمس کی شہادت کا سال درج ہے۔

---

[۱] سید احمد دہلوی۔ فرہنگ آصفیہ ج ۱ صفحہ ۲۲۹۔

مولانا روم شمس تبریز کے فیض یافتہ تھے۔ [۱]

"کمال" مراد بابا کمال الدین جندی ہیں۔ بابا کمال شمس تبریز کے پیر ہیں۔ آپ نے شیخ نجم الدین کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال پیدا کیا۔ شیخ نجم الدین ہی کے ارشاد کے بموجب انہوں نے مولانا شمس الدین مفتی کے صاحبزادہ احمد مولانا سے بھی تربیت حاصل کی۔ بابا کمال کے حکم کے مطابق شمس تبریز مولانا روم سے جا کر ملے۔ وہ اپنے عہد کے مشہور صوفیوں میں سے تھے۔

از تہیدستان رخ زیبا مپوش   عشق سلمان و بلال ارزان فروش
(صفحہ ۸۶)

"سلمان" سلمان فارسی کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک خاندان سے تھا۔ مجوسی نام ماب تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام سلمان رکھا گیا۔ اور دربارِ رسالت سے سلمان الخیر کا لقب عطا ہوا۔ ابو عبداللہ کنیت تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے سلمان سے ان کا نسب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ سلمان ابن اسلام۔ حضرت سلمان نے اجتہادی طور پر اکثر مذاہب کو جانچنے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے آپ کا آبائی مذہب مجوسی تھا۔ آپ عبادت میں بہت غلو سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ آتش پرستی میں بھی بڑا انہماک تھا۔ دفعتہً مجوسیت سے نفرت ہوئی اور نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے۔ جب نصرانی ہوئے تو یہاں بھی غلو سے کام لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ اس مذہب سے بھی دل برداشتہ ہو گئے۔ بالآخر مذہب حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ سفر میں طرح طرح کے مصائب برداشت کئے اور مدینہ پہنچے اور رسول کریم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام

---

[۱] جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۴۹۴-۴۹۷

شبلی۔ سوانح مولوی روم صفحہ ۷-۱۳

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۳۴۴-۳۴۵

[۲] جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۴۶۲-۴۶۳

قبول کیا۔ آپ غزوۂ خندق میں رسول اکرم کے ہمراہ تھے۔ اسی موقع پر رسول کریم نے فرمایا کہ "سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔" حضرت سلمان زیادہ وقت رسول اکرم کی خدمت میں بسر کرتے اس لئے قدرتاً آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علی آپ کے مبلغ علم کے بڑے مداح تھے۔ فیاضی، رحمدلی، راستبازی اور قناعت آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ حضرت سلمان کا انتقال ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں بمقام مدائن ہوا۔[۱]

"بلال"۔ بلال نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ یہ حبشی نژاد غلام تھے۔ لیکن پیدا مکہ میں ہوئے تھے۔ آپ امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے۔ اسی حالت میں اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے کافر آقا آپ پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو اس کافر سے خرید کر آزاد کر دیا۔ رسول کریم کے عاشق صادق اور خادم خاص تھے۔ اور مسجد نبوی کے موذن بھی۔ رسول کریم کی وفات کے بعد ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے اور وہیں ۳۰ھ (۶۴۱ء) میں حضرت عمر کے عہد میں وفات پائی۔[۲]

---

[۱] شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مہاجرین حصہ دوم صفحہ ۸۷-۱۰۳
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۱۱۶-۱۱۷

[۲] معین الدین ندوی۔ مہاجرین حصہ اول صفحہ ۱۹۶-۲۰۴
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۷۱۸-۷۱۹

رموزِ بیخودی

(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

بوعبید آں سیدِ فوجِ حجاز   در وغا عزمش زِ لشکر بے نیاز
(صفحہ ۱۴۲)

"بوعبید"۔ عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامت لقب گو والد کا نام عبد اللہ تھا لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت و تبلیغ پر آپ نے اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں رسول اکرم کے صحابہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ اسلام کے مشہور سپہ سالاروں میں تھے۔ آپ نے مختلف جنگوں میں حصہ لیا اور نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔ جن لڑائیوں میں آپ شریک ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی پیش پیش رہے۔

حضرت ابوبکر نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں ملک شام پر دو کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا۔ آپ ہی اس فوج کے سپہ سالار عام تھے۔ حضرت ابو عبیدہ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو رومی فوج بڑی تعداد میں دیکھی یہ دیکھ کر آپ نے تمام اسلامی فوج کو جمع کر لیا۔ اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو آپ کی امداد کے لئے بھیجا گیا۔ بالآخر متحدہ فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ اور فتح کر لیا۔ جنگ یرموک میں حضرت ابو عبیدہ نے غیر معمولی بہادری دکھائی۔ یرموک فتح ہونے کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے زیر اقتدار آنے کو تیار تھا۔ آپ اور حضرت خالد نے حمص اور قنسرین کو فتح کرنے کے بعد شام پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں بیت المقدس بھی فتح ہو گیا۔

۱۸ھ (۶۳۹ء) میں تمام مفتوحہ ممالک میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بڑا نقصان پہنچایا۔ اسی طاعون میں مبتلا ہو کر ۵۸ برس کی عمر میں حضرت ابو عبیدہ نے جابیہ میں انتقال کیا اور اس قلیل مدت میں

اپنے حیرت انگیز کارنامے دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہ کے اخلاق و عادات کی نمایاں خصوصیات خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم ہیں۔[1]

نعرۂ حیدر نوائے بوذر است گرچہ از حلق بلال و قنبر است
(صفحہ ۱۲۲)

"ابوذر" جندب نام، ابوذر کنیت، "المسیح الاسلام" لقب تھا۔ ان کی والدہ کا نام رملہ تھا اور قبیلۂ بنو غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابوذر کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا۔ جاہلیت میں آپ کا پیشہ بھی یہی تھا اور یہ نہایت مشہور راہزن تھے۔ تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعتہً ایک انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ چونکہ ابوذر جاہلیت ہی سے راہ حق کے جویاں تھے اس لئے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت دعوتِ حق کو قبول کیا۔ جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلان حق سے خاموش تھیں۔ اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے۔ کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد رسول کریم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا اور تاکید کی کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ شاید خاندان کو فائدہ پہنچے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق تبلیغ فرض ادا کیا۔ پہلے ان کے بھائی امنا مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد ان کے قبیلہ کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کیا۔ رفتہ رفتہ ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ہجرت کے بعد حضرت ابوذر مدینہ چلے آئے تھے۔ مدینہ کے قیام میں ان کا تمام وقت رسول کریم کی خدمت اقدس میں گذرتا تھا۔ چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لئے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے۔ غزوات میں حضرت ابوذر کی شرکت کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ صرف غزوہ تبوک میں شرکت کا پتہ چلتا ہے حضرت

[1] فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۱۵۹

معین الدین ندوی۔ مہاجرین حصہ اول صفحہ ۱۵۵۔ ۱۷۱

ابوذر فطرتاً فقیر منش، زہد پیشہ اور عزلت پسند تھے اور اسی لئے رسول اکرم نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابوذر نے ۳۱ ھ (۶۵۱ء) میں بمقام ربذہ وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی ملک میں صرف تین گدھے چند بکریاں اور چند سواریاں تھیں۔ آپ کے علم و فضل کے بارے میں حضرت علی سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوذر نے اتنا علم محفوظ کر لیا تھا کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے۔ حضرت عمر جیسے نقاد آپ کو علم میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے برابر سمجھتے تھے۔ جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے صبر الامۃ کہلاتے تھے۔ حضرت ابوذر کے زہد و تقوی کے بارے میں رسول کریم نے فرمایا کہ "میری امت میں ابوذر میں عیسیٰ بن مریم جیسا زہد ہے۔" یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی۔ عموماً زہاد خشک اور روکھے ہوتے ہیں لیکن حضرت ابوذر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ ان کا اخلاق بدیوں تک کو مسحور کر لیتا تھا۔[۱]

[۲] "قنبر" حضرت قنبر حضرت علی کے غلام تھے اور انہیں اس غلامی پر بڑا ناز تھا۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ایں دو قوت از حیات آید پدید
(صفحہ ۱۲۶)

"موسیٰ بن عمران سلسلہ اسرائیلی کے مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۲۰ سال کی پائی۔ آپ کا زمانہ مورخین اور اثرین کے تخمینہ کے مطابق پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م سال وفات ۱۴۰۰ ق م[۳]

از خطیب و دیلمی گفتار او با ضعیف[۴] و شاذ و مرسل کار او
(صفحہ ۱۴۲)

---

[۱] شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مہاجرین حصہ دوم صفحہ ۸۷-۶۷

[۲] ابن حجر عسقلانی۔ لسان المیزان ج ۴ صفحہ ۴۷۵۔ نور اللہ شوستری۔ مجالس المومنین صفحہ ۱۳۱ (طبع ایران)

[۳] مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی ج ۱ صفحہ ۲۲ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی

توریت۔ استثنا۔ باب ۳۴۔ آیت ۷

[۴] ضعیف حدیث اسے کہتے ہیں جس کا کوئی راوی غیر محتاط ہو شاذ حدیث وہ ہے جو ثقات کی روایت کے خلاف ہو اور مرسل حدیث وہ کہلاتی ہے جس کی سند کا آخری حصہ ساقط ہو۔

"خطیب": اشارہ ہے ابو بکر احمد ابن علی خطیب بغدادی کی طرف۔

خطیب ۲۴ جمادی الثانی ۳۹۲ھ (۱۰۰۲ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کو علم حدیث کی تحصیل کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اسی علم کے حصول کے لئے خطیب نے بصرہ، نیشاپور، اصفہان، ہمدان، اور دمشق کا سفر کیا۔ بعد ازاں بغداد میں سکونت اختیار کی اور خطابت پیشہ ٹھہرایا اسی لئے خطیب بغدادی مشہور ہوئے۔ خطیب کی علم حدیث پر کتنی وسیع نظر تھی اس کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے اکثر ہم عصر محدثین اپنی احادیث کے بارے میں ان ہی کی رائے پر بھروسا کرتے تھے۔ خطیب امام شافعی کے مقلد تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور "تاریخ بغداد" ہے۔ اس کتاب میں بغداد کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی میں بھی ملتا ہے۔ خطیب نے بغداد میں، ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کو انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔[۱]

"دیلمی": دیلمی سے مراد حافظ شیرویہ بن شہردار ہیں۔

دیلمی ہمدان میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے لئے ہمدان، اصفہان، بغداد اور قزوین کا سفر کیا۔ ان کی تصانیف میں مشہور کتاب "فردوس" ہے جو احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں احادیث حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں۔ شاہ عبد العزیز نے "بستان المحدثین" میں دیلمی کی فردوس کو "تودۂ واہیات" بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیلمی نے احادیث کے جمع کرنے میں صحیح و سقیم کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ دیلمی کی ایک اور کتاب "تاریخ ہمدان" کے نام سے مشہور ہے۔ سال وفات ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) ہے۔[۲]

---

[۱] شمس الدین ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صفہ ۳۳۱-۳۴۰

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۲ صفہ ۹۲۹-۹۳۰

[۲] شاہ عبد العزیز دہلوی۔ بستان المحدثین صفہ ۶۰-۶۱

نواب سید صدیق حسن۔ اتحاف النبلا المتقین باحیا مآثر الفقہا المحدثین صفہ ۲۶۰

شیخ احمد سید گردوں جناب کاسب نور از ضمیرش آفتاب
(صفحہ ۱۴۹)

"شیخ احمد" اشارہ شیخ احمد رفاعی کی طرف ہے۔

شیخ احمد رفاعی طریقۂ رفاعیہ کے بانی تھے۔ یہ ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں بصرہ کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۵۴۷ (۱۱۵۲ء) میں مسند ارشاد پر بیٹھے اور ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) میں انتقال فرمایا۔ شیخ احمد رفاعی عراق کے بڑے مقبول مرشد تھے اور قبلتہ القلوب کے لقب سے مشہور۔

شیخ احمد رفاعی کی مدح میں ایک قصیدہ سید محمد ابوالہدیٰ نے عربی میں لکھا تھا۔ اس کی شرح سید محمود شہاب الدین الآلوسی نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں الاسرار الآلہیہ کے نام سے لکھی جو اسی سال مصر سے چھپ کر شائع ہوئی۔

شیخ احمد رفاعی صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد چار ہے۔ ان میں حکم (الرفاعی) تصوف میں اور رحیق الکوثر ملفوظات کے بارے میں زیادہ مشہور ہیں۔[۱]

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
(صفحہ ۱۷۱)

"مریم": حضرت مریم حضرت عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں۔ ان کی والدہ حنّہ نے ان کا نام مریم رکھا تھا۔ سریانی میں اس کے معنی "خادم" کے ہیں۔ چونکہ یہ ہیکل کے لئے وقف کر دی گئیں اس لئے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔ قرآن میں حضرت مریم کا ذکر کئی جگہ اختصار کے ساتھ آیا ہے۔ انتقال ۶۳ء میں ہوا۔[۲]

"عیسیٰ" حضرت عیسیٰ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی

---

[۱] تاریخ ابن الاثیر ج ۱۱ صفحہ ۲۰۰۔ ابن العماد۔ شذرات الذہب ج ۴ صفحہ ۲۵۹۔ تاریخ ذہبی ج ۲ صفحہ ۶۶۔ امام شعرانی۔ طبقات ج ۱ صفحہ ۱۵۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۱۱۵۶-۱۱۵۷

[۲] فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۶۵۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۴ صفحہ ۱۷

آپ کا آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ شام اس وقت رومی مملکت کا ایک نیم خود مختار صوبہ تھا اور اس وقت شام کا حکمران ہیرود تھا۔ مسیحی تقویم میں تین سال کی غلطی ابتدا سے چلی آرہی ہے اس لئے آپ کا سال ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیئے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لئے وفات پاکر) آسمان پر اٹھالئے گئے۔[۱]

---

[۱] مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی ج ۱ صفحہ ۳۴

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ صفحہ ۱۵-۲۸ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

پیام مشرق

(طبع پنجم ۱۹۴۶ء)

در مسلمان شانِ محبوبی نماند   خالد و فاروق و ایوبی نماند
(صفحہ ۵)

"خالد": خالد نام، ابو سلیمان کنیت اور سیف اللہ لقب تھا۔ آپ کی والدہ کا نام لبابہ تھا۔ یہ ام المومنین حضرت میمونہ کی عزیزہ تھیں۔ خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ انہیں کے خاندان میں تھا اور ظہور اسلام کے وقت خالد اس معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔

ان کے اسلام کے بارے میں مختلف روائتیں ہیں لیکن سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے۔ اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ (۶۶۷ء اور ۶۲۹ء) کے درمیان ہے۔

اسلام لانے کے بعد اول اول حضرت خالد غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں اور رسول کریم نے اس کے صلہ میں "سیف اللہ" کا معزز لقب ان کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت خالد کی زندگی کا بڑا حصہ جہاد ہی میں گذرا۔ تقریباً سوا سو لڑائیوں میں شریک ہوئے اور شجاعت کے جوہر دکھلائے وہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک موت نہ آئے گی میدان جنگ میں بھی بڑے سے بڑے دشمن کے ہاتھ سے قتل نہ ہوں گا۔ یہی عقیدہ ان کی حیرت انگیز شجاعت کی بنیاد تھا۔ جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے چھلنی نہ ہوا ہو۔ اکثر ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے، جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔ آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری۔ آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں

رگڑ کر جان دے رہا ہوں۔ خدا نے آپ کے قدموں میں یہ خاص برکت دی تھی کہ جدھر رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوٹے خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رُخ کیا فتحیاب ہوا۔ اس قول کی صداقت پر تاریخ کا لفظ لفظ شاہد ہے۔ رسول کریم کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان کے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے۔ آپ کا انتقال مدینہ میں ۲۲ھ (۶۴۲ء) میں ہوا۔ حضرت عمر آپ کے جنازہ میں شریک تھے۔

رسول اکرم حضرت خالد کے ذوق جہاد کی بہت قدر فرماتے تھے اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا ہے۔ ایک موقع پر لوگوں سے کہا کہ خالد کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس نے اس کو کفار پر کھینچا ہے[۵۱]

بگو جبریل را از من پیامے — مرا آن پیکر نوری ندادند
ولے تاب و تب ما خاکیاں بیں — بنوری ذوق مہجوری ندادند

"جبریل"۔ اسلامی اصطلاح میں جبریل ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء تک وحی الٰہی پہنچانے کی رہی ہے[۵۲]

بخاک ہند نوائے حیات بے اثر است — کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد
(صفحہ ۱۶۸)

"داؤد"۔ حضرت داؤد کا زمانۂ حکومت ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔ زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤد کی جانب منسوب موجود ہے وہ عہد عتیق کے مجموعۂ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں اور جا بجا آخری نبی کی بابت پیشین گوئیاں بھی پیشین گوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں[۵۳]

---

۵۱ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مہاجرین حصہ دوم صفحہ ۱۶۱-۱۸۹

۵۲ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی ج ۱ صفحہ ۳۸ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، کراچی

۵۳ " " " ج ۱ صفحہ ۲۸ اور ۲۳۰

دگر از یوسف گم گشتہ سخن نتواں گفت　　　　تپش خون زلیخا نہ تو داری نہ من

(صفحہ ۲۰۲)

"یوسف": یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے۔ شرف نبوت خاندان میں پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ زمانہ بقول اغلب ۱۹۱۰ یا ۱۸۰۰ ق م۔ مولد و مسکن ارض فلسطین میں وادیٔ حیرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوب کے محبوب ترین محل حضرت راحیل کے بطن سے ہوئی۔ خود بھی حسین و خوبرو اور والد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر ہی ہونے والے تھے۔ آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوئے۔ توریت میں ہے کہ حضرت یوسف نے عمر ۱۱۰ برس کی پائی۔ حموی کہتے ہیں کہ حضرت یوسف کو بلاطہ میں دفن کیا گیا جو فلسطین کے علاقۂ نابلس کا ایک گاؤں ہے۔ حضرت یوسف کا نام قرآن نے ۲۶ مرتبہ ذکر کیا ہے۔ اور ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پر دادا حضرت ابراہیم کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن کی ایک سورت سورۂ یوسف نازل ہوئی ہے جو ان کے واقعات سے متعلق عبرت و موعظت کا بے نظیر ذخیرہ ہے۔[۱]

"زلیخا": عزیز مصر کی بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں چل پڑا۔ ان کے لئے عام طور سے مشہور ہے کہ بعد کو حضرت یوسف کے عقد نکاح میں آگئی تھیں۔ لیکن اس کی سند نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے۔[۲]

می خورد ہر ذرہ ما پیچ و تاب　　　　محشرے در ہر دم ما مضمر است

با سکندر خضر در ظلمات گفت　　　　مرگ مشکل زندگی مشکل تر است

(صفحہ ۲۵۹)

"خضر": حضرت خضر کے بارے میں چند باتیں قابل بحث ہیں (۱) خضر نام ہے

۱۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۱ صفحہ ۲۵۴ - ۳۱۱

توریت۔ پیدائش۔ باب ۵۰ آیت ۲۶

۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۲۶۷

یالقب (۲) خضر فقط عبد صالح (ولی) ہیں یا نبی یا رسول (۳) ان کو حیات ابدی حاصل ہے یا وفات پا چکے۔

مفسرین کے ہاں ان تینوں سوالات کے جوابات میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ خضر نام ہے اور اکثر کا قول ہے کہ یہ لقب ہے اور پھر نام کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً (۱) بلیا بن ملکان (۲) ایلیا بن ملکان (۳) خضروں، معمر، الیاس، الیسیع وغیرہ۔

دوسرے سوال کے جواب میں بعض کا قول ہے کہ وہ فقط "عبد صالح" تھے اور بعض کہتے ہیں کہ رسول تھے مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نہ رسول تھے اور نہ فقط عبد صالح بلکہ "نبی" تھے۔

اور تیسرے سوال کے جواب میں بعض علما کا خیال ہے کہ ان کو حیات ابدی حاصل ہے اور وہ اب تک زندہ ہیں اور اس سلسلہ میں کچھ روایات و حکایات بھی بیان کرتے ہیں اور جلیل القدر محققین فرماتے ہیں کہ ان کے لئے حیات ابدی کا ثبوت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے لہذا وہ بھی انسانی دنیا کی طرح اپنی طبیعی موت سے وفات پا چکے۔[1]

---

[1] مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن ج ۱ صفحہ ۵۰۸ - ۵۱۱۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال حضرت خضر کی حیات ابدی کے قائل ہیں۔

بانگ درا

(طبع یازدہم مارچ ۱۹۴۷ء)

ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں
(صفحہ ۳۴)

"قصہ دار و رسن"۔ اشارہ ہے حسین بن منصور حلاج کے واقعۂ دار و رسن کی طرف۔

حلاج فارس کے ایک قصبہ میں تقریباً ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کو حضرت ایوب انصاری کے خاندان سے بتایا گیا ہے۔ حلاج نے ۲۶۰ھ تا ۲۸۴ھ (۸۷۴ء تا ۸۹۷ء) کی مدت گوشہ نشینی میں بسر کی۔ آخر عوام سے رشتہ منقطع کر لیا اور خراسان اور فارس وغیرہ کا سفر کیا۔ ۲۹۶ھ (۹۰۸ء) میں وطن واپس ہوئے اس اثناء میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور انا الحق کہا کرتے تھے۔ اس پر ادران کی بعض تصانیف پر علماء وقت نے سزائے موت کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ ان کو مقتدر خلیفہ بغداد کے حکم سے پھانسی دی گئی۔ حلاج صاحب تصنیف صوفی تھے۔ ان کی تصانیف عربی میں ہیں اور ان تصانیف کا موضوع، علم کلام اور تصوف[1] پر حاوی ہے۔

سیّد کی لوحِ تربت

(صفحہ ۴۲)

اس نظم میں سر سید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اقبال سر سید کی خدمات کے معترف تھے۔ سید احمد خاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو دس بجے شب علی گڑھ میں انتقال کیا۔ اور کالج کی مسجد میں دفن ہوئے۔ سر سید نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج۲ صفحہ ۲۳۹-۲۴۰

اس کا پہلا شمارہ ۲۴ر دسمبر ۱۸۷۰ع کو نکلا۔ اس پرچہ کے ذریعہ سے اردو صحافت میں، انشا پردازی میں، اخلاق و معاشرت میں، عام معلومات میں، اس قدر ترقی اور اتنا اچھا انقلاب پیدا ہوا کہ اس زمانہ کے بیسیوں اردو رسائل اور اخبارات سے نہ ہو سکا تھا۔ سر سید کے علاوہ بہترین اہل قلم و علم اس کے مضمون نگار تھے۔ لیکن سر سید کا کام اسی پر ختم نہیں ہو جاتا وہ ایک تحریک کے بانی تھے جس نے مذہب، تعلیم، تہذیب و معاشرت سب کو متاثر کیا۔ یہاں سر سید کی خدمات کا تجزیہ مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ دوسروں سے نہ ہو سکا۔ سر سید احمد خاں نے محمڈن اینگلو اورنیٹل کالج کا سنگ بنیاد رکھا جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اس کالج کے قیام کے سلسلہ میں سر سید کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے ان مشکلات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ سر سید نے فرقہ بندی کی مذمت کی اور اس کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا برعکس اس کے اتحاد قومی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ سر سید اظہار حق میں بڑے بیباک تھے وہ حق بات کہنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے [1]

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں) (صفحہ ۷۴)

یہ نظم اقبال نے اپنے شفیق استاد ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلو۔ آرنلڈ کی یاد میں لکھی تھی۔ مولانا سید میر حسن نے جس طرح اقبال کو فارسی ادب اور شعر و سخن کا شیدائی بنا دیا تھا۔

---

[1] حالی۔ حیات جاوید۔

حامد حسن قادری۔ داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۷۰۔ ۲۸۰۔ شیخ محمد اکرام۔ موج کوثر صفحہ ۵۴۔ ۷۹

اسی طرح آرنلڈ نے اقبال کو فلسفہ کا گرویدہ کیا۔ آرنلڈ ۱۸۸۷ء میں علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ ان کی فلسفہ میں قابلیت مسلم تھی۔ علی گڑھ میں انہوں نے شبلی سے عربی ادب کی بعض بلند پایہ کتابیں پڑھیں اور شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ سیکھی تھی۔ غالباً ۱۸۹۷ء میں آرنلڈ علی گڑھ سے لاہور آئے اور یہاں اقبال کو ان کی شاگردی کا موقع ملا۔ ۱۸۹۵ء میں آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب "پریچنگ آف اسلام" شائع کی۔ اس کتاب میں اس اعتراض کو رفع کیا گیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ سرسید کے ایما سے اس کتاب کا اردو ترجمہ عنایت اللہ دہلوی نے کیا اور "دعوت اسلام" نام رکھا۔ آرنلڈ ۱۹۰۴ء کے شروع میں ولایت واپس چلے گئے اور وہیں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔[۱]

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا   اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا
(صفحہ ۷۹)

"اویس" اویس بن عامر نبی رسول اکرم کے نادیدہ عاشق تھے۔ آپ کا شمار تابعین میں ہے۔ اور آپ کو رسول کریم سے خیر التابعین کا لقب عطا ہوا۔ حضرت اویس یمن کے رہنے والے قبیلۂ قرن سے تھے۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان جو لڑائی ہوئی تھی اس میں آپ ۳۷ھ (۶۵۷ء) میں شہید ہوئے۔ رسول اکرم نے آپ کی نسبت فرمایا ہے کہ "اویس قرنی احسان و عطف کی رو سے تابعین میں سے بہتر ہیں"۔ حضرت اویس بوجہ غلبۂ حال رسول کریم کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے۔ ان کی والدہ بوڑھی تھیں اور وہ شتربانی کر کے ان کی خدمت بجالاتے تھے۔ رسول اکرم کی وفات کے بعد حضرت عمر اور حضرت علی آپ کے پاس پہنچے اور رسول کریم کے ارشاد ہی کے بموجب ان کا خرقہ حضرت اویس کو دیا۔[۵]

---

[۱] اقبال نمبر، نیرنگ خیال
شیخ عبدالقادر، دیباچہ، بانگ درا۔

[۵] شاہ معین الدین احمد ندوی، تابعین صفحہ ۳۴-۴۸۔
فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا اردو صفحہ ۲۲، ۲۹۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
(صفحہ ۹۷)

اس شعر میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نام محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان اولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کرکے لاہور آیا پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں حضرت نظام الدین ماہ صفر ۶۳۲ھ (۱۲۳۶ء) میں پیدا ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچ کر علوم شرعیہ میں کمال اور تبحر پیدا کیا یہاں تک ہر مباحثہ میں آپ ہی کامیاب رہتے۔ بیس برس کی عمر میں دنیوی معاملات سے دست کش ہو کر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہوئے۔ ایک عرصہ تک پیر کی خدمت میں رہے اور فیض اٹھایا۔ شعر و سخن کا بھی مذاق پایا تھا۔ آپ کا انتقال ۷۲۵ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا۔ مزار دہلی میں ہے۔ محبوب الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے یہ ہیں (۱) فوائد الفوائد۔ (۲) فضل الفواد (۳) راحت المحبین اور (۴) سیر الاولیار[1]

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
(صفحہ ۹۸)

اس شعر میں شمس العلماء مولانا سید میر حسن سیالکوٹی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا سید میر حسن مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے استاد تھے۔ جب اقبال اس کالج میں انٹرمیڈیٹ میں داخل ہوئے تو مولانا کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اقبال کو اپنے استاد سید میر حسن سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے۔ سید میر حسن اگرچہ انگریزی سے نابلد تھے تاہم پرنسپل کالج کے امور میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ سیالکوٹ میں شرفاء کا طبقہ مولانا سے واقف تھا۔ انہوں نے اقبال کو بڑی محنت سے درس دیا اور اقبال نے پوری تن دہی سے اس درس سے فائدہ اٹھایا۔ آخر میں سید میر حسن اپنے شاگرد پر بڑا ناز

---

[1] سید صباح الدین عبد الرحمٰن۔ بزم صوفیہ صفحہ ۱۸۰-۲۳۴

کرنے لگے تھے۔ مولانا مشرقی اخلاق کا نمونہ تھے۔ خودداری، وضع داری اور شگفتہ مزاجی ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ وہ ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ ان کا انتقال ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔[۵]

وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق   ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جان کو
(کهف ۹۹)

"یوسف ثانی" اشارہ ہے علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طرف۔

شیخ عطا محمد اقبال کے برادر اکبر تھے۔ غالباً ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ شیخ عطا محمد نے کچھ مروجہ تعلیم مکتب میں حاصل کی اور غالباً تین چار سال سرکاری مدرسہ میں بھی تعلیم پائی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہی میں فوج کے رسالہ میں ملازم ہو گئے کچھ عرصہ کے بعد فوج والوں نے انہیں رڑکی انجینرنگ اسکول میں انجینرنگ کی تعلیم و ٹریننگ کے لئے بھیج دیا۔ اس تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فوج کے محکمۂ تعمیر میں ان کی تعیناتی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے وہ سب ڈویژنل افسر ہو گئے۔ وہیں سے ۱۹۱۴ء کے قریب پنشن پائی۔ نقشہ اور تعمیر کے فن میں بڑے ماہر خیال کئے جاتے تھے۔ پنشن پانے کے تین چار سال بعد فوج والوں نے انہیں دوبارہ ملازمت پر بلا لیا تھا۔ دو تین سال بعد انہوں نے ملازمت ترک کر دی۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن اپنے دوستوں کی محفلوں میں ان کی بذلہ سنجی مشہور تھی۔

شیخ عطا محمد اقبال سے عمر میں تقریباً پندرہ سال بڑے تھے۔ چالیس سال کی عمر تک ان کے اپنے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے چھوٹے بھائی کو بیٹے کی طرح پالا۔ تعلیم دلائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان اور جرمنی بھیجا۔ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے محبت نہیں عشق تھا۔ علامہ اقبال کے کلام میں اس غیر معمولی تعلق کا ایک سے زائد بار ذکر آیا ہے۔

---

[۵] محمد طاہر فاروقی۔ سیرت اقبال صفحہ ۶-۷
محمود نظامی۔ ملفوظات اقبال ۲۱۴-۲۱۸

انگلستان جاتے ہوئے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا پر جو منظوم دعائیں علامہ اقبال نے کیں ان میں اپنے بڑے بھائی کے لئے بھی ان الفاظ میں دعا کی۔

جلاکے جس کی محبت نے خرمن من و تو | ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں | کہ ہے عزیز تر از جان وہ جان جاں مجھ کو

اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر علامہ اقبال نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" ہے۔ اس نظم میں بھائی کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے۔

وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند | تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا | وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا

علامہ اقبال کی وفات کے وقت شیخ عطا محمد کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی تھی اور اس عمر کے لحاظ سے ان کی صحت بھی اچھی تھی۔ لیکن بھائی کے وفات کے صدمہ نے ان کی کمر توڑ دی۔ علامہ اقبال کی وفات کے بعد تقریباً ڈھائی سال زندہ رہے۔ ان ایام میں علامہ اقبال کے کلام کو پڑھنا اور اشکباری کرنا ان کا روز کا معمول تھا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو ۸۲ سال کی عمر میں اپنے وطن مالوف سیالکوٹ میں وفات پائی۔ اور دفن ہوئے۔

سوامی رام تیرتھ (صفحہ ۱۱۸)

سوامی رام تیرتھ ۱۸۷۳ء میں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین غریب تھے اس لئے تعلیم کا زمانہ تنگدستی میں بسر ہوا۔ میٹرک کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور بی۔ اے کیا۔ بعد ازاں یہیں سے ریاضی میں ایم اے بھی کیا اور مشن کالج لاہور میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے۔ شروع ہی سے ان پر ویدانت کا رنگ غالب تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ رنگ کچھ اور گہرا ہوتا گیا۔ جب ان پر رام کی محبت کا غلبہ ہوتا تو وہ ہفتوں بارہ دری کامران (دریائے راوی کے کنارے) میں محویت کے عالم میں بیٹھے رہتے اور بعض اوقات اپنے محبوب کی تلاش میں بہت دور نکل جاتے۔

کچھ دنوں کے بعد ان کی رام بھگتی (رام سے عشق) کا شہرہ ہو گیا۔ اور حالت یہ ہوئی کہ لاہور کے بڑے بڑے امیر ان کے معتقد ہو گئے۔ سوامی رام تیرتھ تقریباً ہر سال گرمی کی تعطیلات گذارنے کے لئے باہر جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وہ اپنے معمول کے مطابق ہردوار گئے ہوئے تھے۔ ایک دن اپنے شاگردوں اور عقیدتمندوں کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے ویدانت کا درس دے رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے غسل کا ارادہ کیا اور تیرتے ہوئے دور نکل گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان پر اسی حالت میں رام کی محبت کا آغاز ہوا اور عین دریا میں جذب و مستی کی حالت طاری ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لہروں میں ڈوب گئے۔ تین دن کے بعد ان کی نعش خود بخود کنارے پر آ گئی جسے ان کے عقیدت مندوں نے بڑے احترام کے ساتھ نذر آتش کر دیا۔

سوامی رام تیرتھ نے جاپان، امریکہ اور مصر کا سفر کیا اور وہاں ان کی پذیرائی کی گئی۔ امریکہ سے واپسی پر سوامی رام تیرتھ نے بمبئی، آگرہ، متھرا اور لکھنؤ میں اپنے تاثرات اور تجربات سفر تقریروں میں بیان کئے۔ ان مقامات پر بھی ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔[1]

سن اے طلبگار درد پہلو امیں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومنات دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہو جا
(صفحہ ۱۳۳)

"ایاز"۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کا نہایت معتمد غلام تھا۔ جواہر خانہ اس کے سپرد تھا۔ جب وہ وہاں جاتا اپنا غلامی کا لباس جو اس نے محفوظ رکھا تھا پہن لیتا۔ درباری اس سے رشک کرتے تھے۔ ایک دن سلطان کو اطلاع دی کہ خدا معلوم ایاز تنہا جواہر خانہ میں کیا کیا کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس معمہ کو حل کرنا چاہا اور اپنی آنکھوں سے ایاز کے اس تبدیل پوشاک کے واقعہ کو دیکھا۔ وجہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ میں اپنی پہلی حالت کو روزانہ یاد کر لیتا ہوں تاکہ غرور سر میں نہ سما جائے۔ بادشاہ اس پر خوش ہوا

---

[1] پنڈی داس۔ سوانح عمری سوامی رام تیرتھ۔

اور مراتب و مناصب میں ترقی کی۔[1]

عبدالقادر کے نام

(صفحہ ۱۴۰)

"عبدالقادر"۔ شیخ عبدالقادر اقبال کے ہمدم دیرینہ ۱۸۷۲ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لاہور آ گئے تھے اور یہ ۱۸۸۲ء میں سنٹرل ماڈل اسکول میں تعلیم پانے لگے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ عبدالقادر کا سب سے بڑا احسان اردو ادب پر یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا مشہور رسالہ مخزن جاری کیا۔ اس رسالہ نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی۔ اسی رسالہ کی بدولت اقبال، اکبر، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، داغ مرزا، محمد ہادی اور عزیز لکھنوی جیسے شعرائے اردو داں طبقہ روشناس ہوا۔ نثاروں میں شبلی، شرر، نذیر احمد اور حالی جیسی ہستیوں نے اس میں مضامین لکھے۔ شیخ عبدالقادر نے لندن کے قیام میں "ہندوستانی اسپیکنگ یونین" قائم کی جس کو بڑا فروغ ہوا۔ سال وفات ۹ فروری ۱۹۵۰ء ہے۔ سر عبدالقادر کا نام اردو ادب کے محسن کی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ شیخ مرحوم ایک مرنج مرنجان قسم کے انسان تھے۔ ان سے جو ملتا تھا۔ وہ ان کی ادبی قابلیت اور خلوص سے ضرور متاثر ہوتا تھا۔[2]

تربت ایوب انصاری سے آتی ہے صدا   نکہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا

(صفحہ ۱۵۶)

"ایوب انصاری"۔ خالد نام، ابوایوب کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان بخار سے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری بھی ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جاکر رسول کریم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خدا نے اہل مدینہ کے قبول دعوت سے

---

(1) BEALE - AN ORIENTEL BIOGRAPHICAL DICTIONARY W. A. ALLEN & CO.' LONDON, 1894, P. 85

[2] مخزن، مارچ ۱۹۵۰ء

اسلام کو ایک مامن عطا کر دیا۔ اور مسلمان مہاجرین مکہ اور اطراف سے آ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے۔ لیکن رسول کریم صلعم جو قریش کے ظلم و ستم کا حقیقی نشانہ تھے وہ اب تک ظالموں میں گھرے ہوئے تھے۔ آخر ماہ ربیع الاول میں نبوت کے تیرھویں سال آپ بھی عازم مدینہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر اُترے۔ اس طرح حضور کی میزبانی کا شرف سب سے پہلے حضرت ابو ایوب انصاری کو نصیب ہوا۔ حضرت امیر معاویہ نے ۵۲ ھ (۶۷۲ء) میں روم پر فوج کشی کی، دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابو ایوب بھی اس پر جوش فوج کے سپاہی تھے۔ اسی سفر جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہو گئی اور حضرت ابو ایوب نے بھی اسی وبا میں انتقال کیا۔ آپ قسطنطنیہ میں دفن کئے گئے۔[۱]

فلسفۂ غم

(صفحہ ۱۶۸)

(میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا لاہور کے نام)

میاں فضل حسین ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں ۱۶ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ انگریزی، عربی، فارسی اور فلسفہ کے ساتھ ۱۸۹۰ء میں پنجاب ہی سے بی اے کیا۔ فضل حسین کے اساتذہ میں ڈاکٹر آرنلڈ اور مولانا محمد حسین آزاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آرنلڈ ہی کے مشورہ سے فضل حسین اعلیٰ تعلیم کے لئے کیمبرج گئے، کیمبرج میں اقبال بھی میاں فضل حسین کے ساتھ تھے۔ میاں فضل حسین وہاں سے بیرسٹر ہو کر آئے۔ بیرسٹری کا آغاز سیالکوٹ میں کیا بعد ازاں ۱۹۰۵ء میں لاہور چلے آئے۔ ان کو بیرسٹری میں بڑی کامیابی ہوئی۔ میاں فضل حسین کو شروع ہی سے اہل پنجاب کے مسائل سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پنجاب کے سماجی، تعلیمی اور اصلاحی

---

[۱] مولانا سعید انصاری۔ سیر انصار حصہ اول صفحہ ۱۰۹-۱۱۶

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۷۵

کاموں میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ انگریزوں کو طاقت کے ذریعہ سے نکالنے کے خالی نہ تھے گویا وہ ایک طور پر مہاتما گاندھی کی اہنسا والی حکمت عملی کے قائل تھے۔ حکومت برطانیہ نے میاں فضل حسین کی خدمات کا اعتراف کیا اور سر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ میاں فضل حسین پنجاب میں وزیر تعلیم اور مرکز میں وزیر قانون بھی رہے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا۔[۱]

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی　　　موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

(صفحہ ۱۹۶)

"جگندر": سردار جگندر سنگھ ۲۵ مئی ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑے تعلقہ دار تھے۔ ان کو ۱۹۱۹ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔ یہ نواب ذوالفقار علی خاں کے دوست تھے۔ نواب ہی نے ان کو اقبال سے متعارف کرایا تھا۔ سردار جگندر سنگھ انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے انگریزی میں اسرار خودی پر بعض اچھے مضامین لکھے۔ وہ سکھوں کے مسلمہ لیڈر تھے۔ سردار جگندر سنگھ سکھ ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر بھی رہے اور کاؤنسل آف اسٹیٹ کے ممبر بھی۔ انہوں نے EAST AND WEST کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ان کی تصانیف میں کملا، نورجہاں اور نسرین قابل ذکر کتابیں ہیں سردار جگندر سنگھ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۷ء تک وزیر زراعت بھی رہے۔ ریاست پٹیالہ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو بھی نامزد ہوئے۔[۲]

"ذوالفقار علی خاں": نواب سر ذوالفقار علی خاں کا آبائی وطن مالیر کوٹلہ تھا اور یہ وہاں کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔ وہ مسلمانوں کے ہمدرد اور علم و ادب کے بڑے قدردان تھے۔ علامہ اقبال سے ان کی ملاقات ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور یہ سلسلۂ ملاقات آخر وقت تک قائم رہا۔

---

(1) AZIM HUSAIN- FAZL-I-HUSAIN

(2) THE INDIAN YEAR BOOK & WHO'S WHO 1939-40 PP 1024-1025

انہوں نے VOICE FROM THE EAST OR THE POETRY OF IQBAL لکھ کر اقبال کو یورپ اور امریکا سے روشناس کیا۔ انہوں نے لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے علامہ اقبال کے لئے سر کے خطاب کی سفارش کی اور ۱۹۲۱ء میں اقبال کو ان ہی کی کوشش سے سر کا خطاب ملا۔ یہ نظم (موٹر) ۱۹۱۳ء میں لکھی گئی۔ پہلا شعر موٹر ہی میں کہا گیا اور باقی اشعار نواب سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی پر لکھے گئے۔ اس موٹر کا نام ٹالبوٹ (TALBOT) تھا۔ پنجاب کے مسلمانوں میں یہ موٹر صرف انہیں کے پاس تھا۔ سر ذوالفقار علی خاں اقبال کے بہترین احباب میں تھے۔ ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ ان کے مکان پر ادبی محفل ہوا کرتی تھی۔ اس محفل میں میاں محمد شفیع، سر فضل حسین، سر عبدالقادر، سر جگندر سنگھ، سر شہاب الدین وغیرہم شریک ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات مہاراجگان بھی آیا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں کبھی کبھی سیاسی لیڈر مثلاً حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر انصاری بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ کوٹھی جہاں اس قسم کی محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ ۱۹۱۰ء میں بنی تھی۔ اقبال ہی نے اس کا نام "زرافشاں" تجویز کیا تھا۔

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا (صفحہ ۲۷۲)

"مغربی حق شناس"، اشارہ ڈوئچ کی طرف ہے۔

ایمنیول اوسکر مینہم ڈوئچ (IMMANUEL OSCAR MEHHAM DEUTSCH) سامی زبان و ادب کا جرمن فاضل جو یہودی النسل تھا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوا۔ برلن یونیورسٹی میں اس کے عمیق مطالعہ نے اسے یہودی اور کلاسیکل زبانوں کا ماہر بنا دیا اور ۱۸۵۵ء میں وہ برٹش میوزیم لائبریری میں اسسٹینٹ ہو گیا۔ اس نے تالمود پر بڑی محنت سے کام کیا اور چیمبرس انسائیکلوپیڈیا میں ۱۹۵ مضامین لکھے۔ اس کا مشہور مقالہ تالمود سے متعلق کوارٹرلی ریویو QUARTERLY REVIEW میں شائع ہوا۔ اس کا یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کا انتقال اسکندریہ میں ۱۲ مئی ۱۸۷۳ء کو ہوا۔ اسی سال

اس کی کتاب LITERARY REMAINS کو لیڈی اسٹرینگ فورڈ LADY STRANGFORD نے مرتب کرکے شائع کیا۔[1]

اسمتھ ایک جگہ لکھتا ہے۔

"BILAL, A "BLIND" NEGRO, BECAME THE FIRST MUEZZIN; AND, AS DENTSCH REMARKS, EVEN ALEXANDER THE GREAT IS AT THIS DAY AN UNKNOWN PERSONAGE IN ASIA COMPARED TO HIM".[2]

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی!
(صفحہ ۲۸۷)

"ہمایوں": پنجاب کے میاں خاندان میں ۱۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو میاں محمد شاہ دین ہمایوں پیدا ہوئے۔ ہمایوں اس صدی کے ربع اول میں ہند و پاکستان کے مسلمانوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علامہ اقبال ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہمایوں کی ذات پر سرسید اور ان کے رفقا کو بھی بڑا ناز تھا۔ جس سے ان کی غیر معمولی ذہانت، قابلیت اور قومی خدمات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ہمایوں اصول کے بندہ تھے۔ انہوں نے ملک و ملت کی خدمت و اصلاح میں عمر صرف کردی۔ ان کو ابتدا ہی سے ادبی ذوق تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد ہوئے۔ ہمایوں اصلاح اور ترقی تعلیم کے بڑے حامی تھے۔ ان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا چنانچہ انہوں نے ہمایوں تخلص اختیار کیا اور اپنے کلام کا ایک مجموعہ "جذبات ہمایوں" کے نام سے یادگار چھوڑا۔ ہمایوں کے فرزند میاں بشیر احمد نے اپنے والد کی یاد میں ہمایوں نامی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۷ صفحہ ۲۸۱

(2) SMITH, R. BASWORTH: MOHAMMAD AND MOHAMMAD-ENISM, JOHN MURRAY, LONDON 1889, P. 211

ماہنامہ جاری کرنا چاہا تو وہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ میں ہمایوں رسالہ نکالنا چاہتا ہوں۔ آپ والد کی علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں کوئی نظم تحریر فرمائیں۔ علامہ اقبال نے رسالہ کے لئے ایک نظم لکھی۔ اور وہ اس کی پہلی اشاعت کے ساتھ جنوری ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔ رسالہ ہمایوں اس وقت سے اب تک پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ ہمایوں کا انتقال ۲ر جولائی ۱۹۱۸ء کو ہوا۔

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایۂ دار حیلہ گر ۔۔۔ شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات!
(صفحہ ۲۹)

"شاخ آہو" اشارہ فارسی کی مندرجہ ذیل ضرب المثل کی طرف ہے۔

برات عاشقاں بر شاخ آہو[1]

"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام ۔۔۔ چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف "ینسلون"
(صفحہ ۳۳۴)

"یاجوج اور ماجوج" کا ذکر قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک تو سورۂ کہف میں ہے اور دوسرا سورۂ انبیا میں۔ یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے حزقیئل نبی کی کتاب میں۔ عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے۔

یاجوج اور ماجوج کے لئے یورپ کی زبانوں میں GOG اور MAGOG کے نام مشہور ہوگئے ہیں۔ اور شارحین توریت کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے توریت کے ترجمہ سبعینی (ترجمہ سبعینی سے مقصود توریت کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا۔ اور جس میں ستر علماء یہود شریک تھے۔) میں اختیار کئے گئے تھے۔

تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی گرد افتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا۔ جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لئے چینیوں کو

---

[1] بہار عجم ج۲ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ نولکشور

سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی۔ جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (SCYTHIAN) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب "منگولیا" کہلاتا ہے لیکن "منگول" لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی۔ اس کے لئے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام "موگ" تھا۔ یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور "مے گاگ" پکارا جاتا ہوگا۔ اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہوگیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے جو "یواچی" (YUEH - CHI) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی "یواچی" ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گذر کر کوئی ایسی شکل اختیار کرلی تھی کہ عبرانی میں "یاجوج" ہوگیا۔

وفد ہندوستان سے کرتے ہیں سر آغا خاں طلب
کیا یہ چورن ہے پئے ہضم فلسطین و عراق
(صفحہ ۲۳۴)

"سر آغا خاں" سلطان محمد شاہ نام۔ سال پیدائش ۱۸۷۷ء ہے حکومت برطانیہ شاہان یورپ اور شاہ فارس سے مختلف خطابات و اعزاز حاصل کئے آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد نے ان کو فرقۂ اسمٰعیلیہ کا باضابطہ امام اور جانشین مقرر کیا۔ آغا خاں اس فرقہ کے ۴۸ ویں امام ہیں۔ نواح بمبئی میں ان کے مرید بکثرت پائے جاتے ہیں جو خوجے کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسمٰعیلیہ فرقے کے لوگ جو ان کی امامت پر ایمان رکھتے ہیں ایران، افغانستان، روس، وسط ایشیا، چین، ترکستان،

سلہ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۴۰۲

مصر، شمالی افریقہ وغیرہ میں ملتے ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں پہلی مرتبہ آغاخاں کو علی گڑھ کالج دیکھنے کا موقع ملا اسی وقت سے وہ مسلمانوں کے قومی کاموں میں دلچسپی لینے لگے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلم یونیورسٹی کی اسکیم کو عمل میں لانے کے لئے آغاخاں نے مختلف مقامات کے سفر کئے۔ ان کا زیادہ وقت یورپ میں گذرتا ہے۔ آغاخاں نے فلسطین و عراق کا مسئلہ طے کرانے کے لئے ہندوستان سے وفد بھی طلب کیا تھا۔ یہ وفد لارڈ کرزن کے ایما پر طلب کیا گیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ارکان وفد مجلس اقوام میں انگریزوں کے طرزِ عمل کی حمایت کریں اور باقاعدہ درخواست کریں کہ جب فرانس کو شام دے دیا گیا تو عراق اور فلسطین پر انگریزوں کا تسلط تسلیم کیوں نہ کیا جائے۔ سیاست ہند پر آغاخاں نے ایک کتاب مرتب کی جو جون ۱۹۱۸ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ حال میں آغاخاں کی خودنوشت سوانح کے بعض اجزاء شائع ہوئے ہیں۔[۱]

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی ہو نہ سکا
(صفحہ ۳۳۶)

اس شعر کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بیرون شاہ عالمی دروازہ اہل لاہور نے اپنے جوش ایمان کے تحت ایک مسجد ایک رات ہی میں بنا ڈالی۔ کسی شخص نے علامہ اقبال کو یہ واقعہ بتایا تو انہوں نے مسلمانوں کی حرارت ایمان سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۱۸۰

زبور عجم

(طبع چہارم ۱۹۴۸ء)

کلیسا سبحۂ پطرس شمارد | کہ او با حاکمی کارے ندارد
(صفحہ ۲۱۷)

"پطرس": پطرس (SIMON PETER) ایک ماہی گیر اور حضرت عیسیٰ کا حواری تھا۔ اس نے جلد ہی حضرت عیسیٰ کا قرب حاصل کر لیا تھا۔ پطرس کا شمار حضرت عیسیٰ کے مشہور ترین حواریوں میں ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ یہ سینٹ پال کے ساتھ بھی رہا حضرت عیسیٰ اس پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ سینٹ پال سے آگے چل کر پطرس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس کی تبلیغ زیادہ تر پونٹس، گلاتیسا، ایشیا وغیرہ تک محدود رہی۔ پطرس کی شہادت کی تصدیق مذہبی روایات سے ہوتی ہے۔ اس نے جو دو خط لکھے ہیں ان میں پہلا خط تو معتبر خیال کیا جاتا ہے لیکن دوسرا خط معتبر نہیں سمجھا جاتا ہے۔ پطرس کا ذکر لوقا کی انجیل میں ملتا ہے۔[1]

کند گور تو اندر پیکر تو | نکیر و منکر او در بر تو
(صفحہ ۲۳۰)

"نکیر و منکر": دو فرشتے جو قبر میں مردے سے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا رسول کون ہے؟ تو نے کیا کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔[2]

نکر او نادار و بے ذوق ستیز | بانگ اسرافیل او بے رستخیز
(صفحہ ۲۵۵)

"اسرافیل": اسرافیل اس فرشتہ مقرب کا نام ہے جو قیامت کے دن دو بارہ صور پھونکے گا۔ پہلی مرتبہ مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی اور دوسری بار کل مخلوق زندہ ہو جائے گی۔[3]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۷ صفحہ ۶۴۶-۶۴۷

JAMES HASTINGS- DICTIONARY OF THE BIBLE, PP 713-718

[2] ترمذی ج ۱ صفحہ ۲۲۹ - نور اللغات ج ۴ صفحہ ۴۵۴

[3] مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ ج ۴ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ نولکشور

نور اللغات ج ۱ صفحہ ۲۹۲

جاوید نامہ

(طبع دوم ۱۹۴۷ء)

ایں تماشا خانہ سحر سامری است   علم بے روح القدس افسونگری است
(صفحہ ۴)

"سامری": مولانا ابو الکلام آزاد کی تحقیق سامری کے بارے میں حسب ذیل ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا۔ یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب۔ قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے۔ کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا "سامری" کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا سامری تھا۔

حضرت مسیح سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیاد اٹھا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی۔ دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری سمیری تھی۔ اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرہ آباد ہوا تھا جس کا محل اب "تل العبید" میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری حروف برآمد ہوئے۔ سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارہ میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے۔ لیکن نینوا میں اشوری پال (متوفی ۶۶۶ ق م) کا جو کتب خانہ نکلا ہے اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ (لغت کی کتاب کا بھی) جس میں اکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل انہی کے قبائل کے مجموعہ سے کوئی بعید ی تعلق رکھتے ہوں جن کے لئے ہم نے

توریت کی اصطلاح سامی اختیار کرلی ہے۔ ———— بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے "السامری" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ گائے بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ قرآن میں سامری کا واقعہ سورہ طٰہٰ میں تفصیل سے درج ہے۔[۱]

صد جبل از خافطین و یلدرم　　　　بر دحانش دود و نار اندر شکم
(صفحہ ۳۱)

"خافطین و یلدرم" فرضی نام ہیں۔

عارف ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قرِ خلوت گرفتہ و اہل ہند اورا "جہاں دوست" می گویند "جہاں دوست" وشوامتر کا ترجمہ ہے۔ وشوامتر رام کا استاد تھا۔

"جہاں دوست" کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں اشارہ دراصل شوجی کی طرف ہے۔ جو پاربتی کے شوہر تھے۔

دوش دیدم بر فراز قمرود　　　　ز آسمان افرشتہ آمد فرود
(صفحہ ۳۶)

"قمرود" یہ ایک فرضی نام ہے۔

حرکت بہ وادیٔ یرغمید کہ ملائکہ　　　　اورا وادیٔ طواسین می نامند
(صفحہ ۴۳)

وادیٔ یرغمید میں اقبال اور رومی داخل ہوتے ہیں۔ اور اس وادی کا نام فرشتوں کی زبان میں وادیٔ "طواسین" ہے۔ منصور حلاج کی مشہور تصنیف کتاب الطواسین ہے جس طرح طٰہٰ یٰسٓ قرآن کی ایک سورت کا نام ہے اور قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ منصور حلاج کی حدت کوشی کا یہ کمال تھا کہ اس نے اپنی تصنیف کے مختلف حصوں کو مختلف ابواب میں تقسیم کرکے ان کا نام طواسین (طٰسٓ کی جمع) رکھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی مصنف لفظ "لوح" یا "منزل" بمعنی باب یا فصل استعمال کرتا ہے۔ چونکہ پاس ادب مانع تھا

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن۔ ۲ صفحہ ۴۶۲-۴۶۵

کہ پیغمبروں سے بالمشافہ ملاقات کی جاتی۔ اس لئے اقبال نے اس امر پر اکتفا کی ہے کہ بجائے ان سے مل کر گفتگو کرنے کے ان کی "طواسین" یا بالفاظ دیگر الواح فلک قمر میں جڑی ہوئی دکھائی ہیں۔ جن کے کتبوں میں سے ہر ایک کی تعلیم کا اہم پہلو واضح ہو گیا ہے۔[۱]

تیز ترنہ پا براہ یرغمید | تا نہ بینی آنچہ می بایست دید
(صفحہ ۴۶)

"یرغمید" یہ ایک فرضی نام ہے۔

درمیان کوہسار ہفت مرگ | وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ
(صفحہ ۵۵)

"ہفت مرگ" یہ ایک فرضی نام ہے۔

گفت در چشم فسوں سامری است | نام افرنگیں و کارم ساحری است
(صفحہ ۵۶)

"افرنگین" یہ ایک فرضی نام ہے۔

نوحہ روح ابوجہل در حرم کعبہ (صفحہ ۵۸)

"ابوجہل": ابوجہل قریش کی شاخ بنی مخزوم سے تھا۔ اس کا اصلی نام ابوالحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا۔ ابوجہل کے لفظی معنی جہالت کے باپ کے ہیں۔ یہ رسول کریم اور دین اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ اگرچہ اس کے لڑکے عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر وہ خود دولت اسلام سے محروم رہا۔ ابوجہل ۲ھ (۶۲۴ء) میں مع اپنے بھائی کے جنگ بدر میں ہلاک ہوا۔[۲]

عجمی را اصل ہمدانی کجاست | گنگ را گفتار سحبانی کجاست
(صفحہ ۵۹)

"سحبانی" اشارہ سحبان کی طرف ہے۔

سحبان باہلہ قبیلہ کا فرد تھا۔ عرب فصاحت میں اس کا نام ضرب المثل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ سعدی نے اپنی مشہور کتاب گلستان میں اس کی فصاحت کی بڑی تعریف کی ہے۔[۳]

---

[۱] اقبال نمبر۔ نیرنگ خیال صفحہ ۲۱۶

(2) THOMAS WILLIAM BEALE-AN ORIENTAL BUIGRAPHICAL DICTIONARY P21
قاموس المشاہیر ج ۱ صفحہ ۴۲

[۳] شیخ عبداللہ بستانی۔ البستان ج ۱ صفحہ ۱۰۵۰۔ بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

عارفاں مثل جنید و بایزید ۔۔۔ پاک مرداں چوں فضیل و بوسعید (صفحہ ۱۶۴)

"فضیل": حضرت فضیل بن عیاض صوفیہ کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شمار مشائخ کبار میں ہے۔ آپ کے ہم عصر آپ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ کی ریاضت اور زہد و تقوی بہت بلند و ارفع تھا۔ وطن آپ کا کوفہ تھا۔ بعض نے آپ کو خراسانی اور کچھ راویوں نے بخاری الاصل بتایا ہے۔ ابتدا میں یہ نہ صرف ایک ڈاکو بلکہ ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ دفعتہً زندگی میں ایک انقلاب ہوا اور رہزنی ترک کر کے زہد و تقوی کی راہ اختیار کی۔ آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے اکتساب فیض کیا۔ انتقال ۱۸۷ھ (۸۰۲ء) میں ہوا۔[1]

"بوسعید": حضرت ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر اپنے زمانے کے علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ زہد و تقوی میں بڑے راسخ تھے۔ آپ کے والد امرائے محمود غزنوی سے اکثر مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ اسی عہد میں یکم محرم ۳۵۷ھ (۷۔ دسمبر ۹۶۷ء) کو ابوسعید پیدا ہوئے۔ ابوسعید نے مرو میں عبداللہ حصیری کی خدمت میں پانچ سال گذارے اور وہیں سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال پیدا کیا۔ اپنی زندگی کا بڑا حصہ صحرا نوردی میں بسر کیا۔ اس کے بعد طریق ارشاد میں مشغول ہوئے۔ آپ کی فارسی رباعیاں بہت مشہور ہیں۔ سال وفات ۴۴۰ھ (۱۰۴۸ء) ہے۔[2]

"جنید": حضرت جنید بغدادی صوفیہ کے طبقہ دوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور لقب قواریری اور زجاج و خراز ہے۔ زجاج اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے والد شیشہ فروخت کیا کرتے تھے اور خراز اس لئے کہا گیا کہ آپ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۱۱۷

جامی۔ نفحات الانس اردو۔ صفحہ ۳۰-۴۲ تم

[2] آقای دکتر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۱۱۰-۱۱۳

E.G. BROWNE – A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. I. PP. 104–105

ریشم کا کام کرتے تھے۔ آپ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن پیدا بغداد میں ہوئے۔ ابو ثور کا مذہب رکھتے تھے جو کہ امام شافعی کے بڑے شاگردوں میں ہیں اور بعض کے نزدیک آپ سفیان ثوری کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت سری سقطی اور حارث محاسبی وغیرہ کی صحبت سے فیض پایا۔ اور ان کے شاگردوں میں ہیں۔ آپ صوفیوں کے امام و سردار ہیں۔ آپ سید الطائفہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ کتاب الطبقات اور رسالہ قشیریہ میں آپ کا سال وفات ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) درج ہے اور تاریخ یافعی میں ہے کہ ۲۹۸ھ (۹۱۰ء) میں انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک ۲۹۹ھ (۹۱۱ء) میں وفات پائی۔[۱]

سر عشق از عالم ارحام نیست — از سام و حام و روم و شام نیست
(صفحہ ۱۶)

"سام" توریت میں ہے کہ جب حضرت نوح کی عمر پانچ سو برس کی تھی تو اس وقت سام پیدا ہوئے۔ توریت میں ان کا نام سم بھی آتا ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو منصب نبوت بھی عطا کیا گیا تھا۔ عمر ۶۰۰ سال کی پائی۔ سام عربوں کے جد اعلیٰ ہیں۔[۲]

"حام"۔ حام کی پیدائش کے وقت بھی حضرت نوح کی عمر پانچ سو برس کی تھی۔ حام حبشیوں کے جد اعلیٰ ہیں۔[۳]

بے خبر مردان ز رزم کفر و دین — جان من تنہا جو زین العابدین!
(صفحہ ۹۸)

---

[۱] جامی۔ نفحات الانس اردو صفحہ ۹۰-۹۲
فرید الدین عطار۔ تذکرۃ الاولیا صفحہ ۲۸۲-۳۰۳۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۱۰۶۲
[۲] توریت۔ پیدائش۔ باب ۵۔ آیت ۳۲
امین بغدادی۔ سبائک الذہب صفحہ ۱۲
[۳] امین بغدادی۔ سبائک الذہب صفحہ ۱۲

"زین العابدین": امام زین العابدین بن حسین بن علی۔ آپ بارہ اماموں میں سے چوتھے امام تھے۔ کنیت آپ کی ابو محمد و ابو الحسن و ابو القاسم و ابو بکر ہے۔ لقب آپ کا سجاد و زین العابدین و زکی و امین ہے اور نام آپ کا علی ہے۔ سال پیدائش ۳۸ھ (۶۵۸ء) ہے۔ اس جنگ میں جو حضرت امام حسین اور یزید بن معاویہ کے درمیان ہوئی۔ آپ بوجہ علالت شریک نہ ہو سکے۔ آپ کو عمر بن سعد نے خلیفہ یزید کے پاس معہ چند افراد کے بھیج دیا۔ خلیفہ نے عزت و احترام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی۔ جب مدینہ کے کچھ لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی۔ تو انہوں نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ بعض کے نزدیک حضرت امام زین العابدین کا انتقال ۹۲ھ (۷۱۱-۷۱۰ء) میں ہوا لیکن عام خیال یہ ہے کہ آپ ۹۴ھ (۷۱۳-۷۱۲ء) میں بقید حیات تھے۔ اور ۵۸ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔[۱]

قبر ما را علم و حکمت بر کشود　　لیکن اندر تربت مہدی چہ بود؟
(صفحہ ۱۰۹)

"مہدی": محمد احمد مہدی سوڈانی ۱۸۴۴ء میں ایک ملاح کے ہاں پیدا ہوا۔ ۳۲ سال کی عمر میں اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں بارھواں امام اور حسن عسکری کا بیٹا ہوں۔ ۱۸۸۰ء میں خرطوم سے جنوب کی طرف ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر اس کو مہدی تسلیم کیا گیا۔ جب خرطوم اس کے فرمان کی خبر پہنچی تو وہاں کے گورنر نے اس کی گرفتاری کے احکام صادر کئے لیکن اس نے اطاعت سے انکار کیا۔ جب فوج روانہ کی گئی تو اس نے اس کا قلع قمع کر دیا۔ مہدی ایک اچھا سپہ سالار اور ایک اچھا منتظم تھا۔ ۲۲ جون ۱۸۸۵ء کو اس کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت اس کی حکومت وسیع ہو چلی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے حدود مصر تک پہنچ گئے تھے۔

مہدی نے اپنے پیروؤں کو تلقین کی کہ وہ پیدل چلیں بجز جنگ کے گھوڑوں کی بجائے گدھوں پر سوار ہوں نیز یہ کہ شادی کے مصارف میں کمی کریں۔ بنا بریں

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۲۸۸

اس کے پیروؤں نے درویش کا لقب اختیار کیا۔ وہ صوفیت کی طرف بھی مائل تھا۔ مہدی کو یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔[1]

گفت "اے کشنر اگر داری نظر — انتقام خاک درویشے نگر!

آسمان خاک ترا گورے نداد — مرقدے جز در یم شورے نداد"
(صفحہ ۱۰۹)

"کشنر": ہربرٹ کچنر (HERBERT KITCHENER) ۲۴ جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوا۔ اس نے مہدی سوڈانی کے پیروؤں کو جو درویش کہلاتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں شکست دے کر جنرل گارڈن کی موت کا انتقام لیا اور جوش انتقام میں اس قدر تہذیب کے دائرہ سے گذر گیا کہ مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا ڈالی۔ اس کارلائقہ کے صلہ میں انگریز قوم نے تیس ہزار پونڈ کا انعام اور امیر خرطوم (LORD OF KHARTOUM) کا خطاب عطا کیا۔ ہندوستان کا کمانڈر ان چیف اور بعد کو مصر کا کونسل جنرل بنایا گیا پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) کے دوران میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ جرمن آبدوز کشتی نے ۵ جون ۱۹۱۶ء کو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا۔ جاوید نامہ میں کچنر کو ذوالخرطوم کا لقب دیا گیا ہے۔ جو LORD OF KHARTOUM کا لفظی ترجمہ بھی ہے اور ایک تحقیری پہلو بھی رکھتا ہے۔[2]

ایں نواح مرغدیں برخیاست — برخیا نام ابو الآبائے ماست
(صفحہ ۱۱۹)

"مرغدین اور برخیا" یہ دونوں یہاں فرضی نام ہیں۔

فرز مرز آں آمر کردار زشت — رفت پیش برخیا اندر بہشت
(صفحہ ۱۲۰)

"فرز مرز": یہ ایک فرضی نام ہے۔

کاش بودے در زمان احمدے — تا رسیدے بر سرور سرمدے
(صفحہ ۱۲۸)

"احمدے": اشارہ ہے شیخ احمد سرہندی کی طرف۔

---

(1) ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION & ETHICS VOL. VIII PP 339-340
F.R. WINGATE - MAHDIISM & THE EGYPTIAN SUDIN

۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ صفحہ ۴۱۹-۲۰

شیخ احمد نام لقب مجدد الف ثانی تھا۔ زہد و علم میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ شیخ عبد الاحد فاروقی کے فرزند تھے۔ سرہند میں ۱۵۶۳ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۶۲۵ء میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار سرہند ہی میں ہے۔ آپ اپنے کمالات علمی و روحانی اور جہاد قلمی و لسانی کے سبب بزرگان اسلام میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کا سدّ باب کیا۔ اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اس فتنہ کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملت اسلامیہ کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر شیخ احمد نے اس فتنہ کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ گو آپ کے مخالفوں نے آپ کی اس کوشش کو جہانگیر کے سامنے ایک بغاوت کے رنگ میں پیش کیا۔ لیکن آپ نے جہانگیر کی ذرا پروا نہ کی اور اس فتنہ کا پورے طور پر استیصال کر دیا۔ آپ کے مکتوبات بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ جو آپ نے وقتاً فوقتاً تحریر کیے۔

سید السادات سالارِ عجم   دست او معمار تقدیرِ امم!

(صفحہ ۱۸۹)

"سید السادات"۔ اشارہ سید علی ہمدانی کی طرف ہے۔

سید علی ہمدانی ہمدان کے رہنے والے سادات عظام میں سے تھے۔ امیر تیمور کی ناراضگی کی وجہ سے ترک وطن کر کے سلطان قطب الدین کے زمانے میں کشمیر آئے۔ سات سو مریدوں کی جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ یہ ۱۳۸۰ء کا زمانہ تھا۔ چھ برس تک کشمیر میں رہے۔ کشمیر کو وہ باغ سلیمان کہتے تھے۔ جب ایران واپس جا رہے تھے تو راستہ میں انتقال کیا۔ ان کے صاحبزادہ میر محمد ہمدانی بھی ان کے بعد تین سو

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ مجدد کا نظریہ توحید

اس شعر میں بھی حضرت مجدد الف ثانی ہی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند   اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

(بال جبریل صفحہ ۱۷)

سیدوں کے ساتھ کشمیر آ کر آباد ہوئے اور بارہ برس تک وہاں رہے۔ انہوں نے جابجا کشمیر میں حجرے بنوا دئے تھے۔ جو کہ اشاعت اسلام کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تبلیغ سے ہزارہا افراد مسلمان ہوگئے۔ کشمیری سادات اب تک وہاں موجود ہیں۔ سید علی ہمدانی اور شاہ ہمدان ایک ہی ہیں۔[1]

علم اگر کج فطرت و بد گوہر است   پیش چشم ما حجاب اکبر است
(صفہ ۲۲۱)

یہاں صوفیہ کے مقولہ العلم حجاب الاکبر کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

بایزید و شبلی و بوذر از وست   امتان را طغرل و سنجر از وست
(صفہ ۲۲۶)

"شبلی": حضرت ابوبکر شبلی بمقام بغداد ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار صرف اپنے زمانے کے صوفیہ ہی میں نہ تھا بلکہ محدثین کے گروہ میں بھی شامل تھے۔ فقہ مالکی کے مقلد تھے اور جنید بغدادی کے خلیفہ و مرید۔ آپ کا اصلی وطن خراسان تھا۔ بغداد میں جمعہ کے دن ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں انتقال کیا۔ حد درجہ مرتاض تھے۔[2]

اہل حق را حجت و دعوی یکے است   خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے است
(صفہ ۲۲۷)

خیمہ ہائے ما جدا الخ۔ اس عربی ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ خیامنا شتی و قلوبنا واحدہ۔

خطاب بہ جاوید

(صفہ ۲۳۳)

"جاوید" اقبال نے یہاں اپنے فرزند دلبند جاوید اقبال کو خطاب کیا ہے۔ جاوید اقبال ۵ ، ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ پی ایچ۔ ڈی کیمبرج

---

[1] محمد اعظم۔ تاریخ کشمیر اعظمی صفہ ۳۶-۳۷
مولوی غلام سرور۔ خزینۃ الاصفیا صفہ ۹۳۸-۹۳۱۔ قاموس المشاہیر ج ۲ صفہ ۳۱۷-۳۲۰

[2] فرید الدین عطار۔ تذکرۃ الاولیا اردو صفہ ۳۷۱-۳۷۸
جامی۔ نفحات الانس اردو صفہ ۲۰۳-۲۰۷
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفہ ۳۶۰-۳۶۱

سے کیا۔ اور انگلستان ہی سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ علامہ کو ان سے بڑی توقعات تھیں بڑے ہونہار معلوم ہوتے ہیں۔

رفت از وآں مستی و ذوق و سرور ۔۔۔ دین او اندر کتاب و او بگور

دین او اندر الخ یہ مصرع اس مثل سے ماخوذ ہے ہسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔ (صفحہ ۲۳۵)

صحبتش با عصر حاضر در گرفت ۔۔۔ حرف دیں را از دو پیغمبر گرفت

آں ز ایران بود و ایں ہندی نژاد ۔۔۔ آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد

(صفحہ ۲۳۵)

اقبال نے ان اشعار میں "آں ز ایران بود" اور "ایں ہندی نژاد" کہہ کر اشارہ بالترتیب بہاء اللہ اور مرزا غلام احمد کی طرف کیا ہے۔

بہاء اللہ کا اصلی نام مرزا حسین علی نوری تھا۔ بابی مذہب کے پیروان خاص میں تھے۔ ان کو استاد ہی سے بہاء اللہ کا لقب ملا تھا۔ ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو مقام نور (مازندران) پیدا ہوئے۔ تہران میں باب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے یہی تھے۔ باب کے ایک خادم نے ایک سازش میں شریک ہو کر جب ایران کے بادشاہ پر گولی چلائی تھی تو اس وقت بابیوں کا قتل عام ہوا اس وقت بہاء اللہ جیل میں ڈالے گئے ان پر بھی قتل کی سازش میں شرکت کا شبہ کیا گیا تھا لیکن تحقیقات کے بعد وہ شبہ غلط ثابت ہوا اور وہ بغداد چلے آئے۔ جہاں بارہ سال تک قیام کیا۔ تین سال ادرنہ میں رہے یہاں بھی انہوں نے بابی مذہب کی تلقین شروع کی۔ جنہوں نے ان کو "من یظہرہ اللہ" تسلیم کیا وہ بابی کہلائے بالآخر ایک طویل قید کے بعد ۲۹ مئی ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ ان کی تصانیف میں چند کتابیں بہت مشہور ہیں۔ کتاب اقدس، کتاب الایقان، کلیات فردوسیہ اور تجلیات۔ آج بہائی مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں۔[1]

---

(1) ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION & ETHICS VOL. II. 301-304
EDWARD G. BROWNE - MATERIAL FOR THE STUDY OF THE BABI RELIGION PP 3-100

مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ قادیان ضلع گورداس پور وطن تھا۔ ۱۸۹۰ء میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی جو فرقۂ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے ایک کتاب "براہین احمدیہ" کے نام سے لکھی جس میں اسلام کی حقانیت اور سچائی ثابت کی گئی تھی۔ اس کتاب میں اپنے مجدد ہونے کا دعوی کیا تھا۔ آریا عیسائی اور اسلام کے دیگر فرقوں سے اکثر مناظرے کئے۔ مرزا غلام احمد کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے جو سب مذہبی مناظرے کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا اور قادیان میں دفن ہوئے۔ آپ کو مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا بھی دعوی تھا۔ اس وقت احمدیوں میں دو فرقے ہیں۔ ایک وہ جو مرزا کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے دوسرا وہ جو انہیں صرف مجدد خیال کرتا ہے [1]

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ علامہ اقبال نے مذکورہ بالا اشعار میں جہاں ان دونوں حضرات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا کہ بہاء اللہ حج کی فرضیت کے منکر تھے۔ اور مرزا غلام احمد جہاد کی فرضیت سے انکار کرتے تھے۔

(1) ENCYCLOAEDIA OF RELIGION & ETHICS VOL. A
PP. 530 – 531

بالِ جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی؟

(صفحہ ۲۱)

"اسمٰعیل": حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی ہاجرہ کے بطن سے سال ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق م وفات غالباً ۱۹۲۷ ق م۔ آپ کی عمر توریت میں ۱۳۷ سال درج ہے۔ آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔[۱]

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

(صفحہ ۱۱۲)

"صاحبِ کشاف": مراد ہیں مشہور مفسر علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری۔

محمود بن عمر زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء) کو موضع زمخشر میں پیدا ہوئے اور ۹ ذی الحجہ ۵۱۸ھ (۱۴ جون ۱۱۴۴ء) کو انتقال کیا۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ مکہ میں گذرا۔ زمخشری عقائد میں معتزلی تھے لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے اہلِ سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں۔ ابن خلکان نے انہیں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، نحو، لغت، معانی اور بیان میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا ہے۔ ان کی کتابیں مختلف فنون پر ملتی ہیں۔ لیکن ان کی تین کتابیں تفسیر میں کشاف، لغات میں اساس البلاغت اور نحو میں المفصل بہت مشہور ہیں۔ زمخشری صاحبِ دیوان شاعر تھے۔[۲]

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(صفحہ ۱۲۵)

---

[۱] مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی ج ۱ صفحہ ۴۹
توریت، پیدائش، باب ۲۵، آیت ۱۲ اور ۱۸

[۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۴ صفحہ ۱۲۰۵-۱۲۰۷
یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ و المعربۃ صفحہ ۹۷۳-۹۷۰

"شعیب": "توریت میں حضرت شعیب کے دو نام آتے ہیں۔ تیرو اور حوباب۔ آپ حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے اور سن میں ان سے بڑے۔ آپ کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی۔ مدین کسی مقام کا نام نہیں ہے۔ بلکہ "قبیلہ" کا نام ہے۔ اسی قبیلہ کے نام پر بستی کا نام بھی "مدین" مشہور ہوا۔ حضرت شعیب کا انتقال حضرموت میں ہوا اور وہیں ان کی قبر ہے۔ آپ مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے[۵۱]

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا ❊ عشق تمام مصطفےٰ! عقل تمام بولہب (صفحہ ۱۵)

"ابولہب" مراد کفر و شرک۔ ابولہب خاندان قریش کا ایک دولتمند اور معزز فرد تھا۔ رسول کریم کا چچا تھا۔ اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا۔ یہ رسول اکرم اور دین اسلام کا سخت دشمن تھا۔ جب رسول کریم کسی مجمع میں وعظ فرماتے تو ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور آپ کے ہر بیان کے بعد کہتا کہ یہ جھوٹ ہے۔ جنگ بدر میں کفار کی شکست کے صدمہ سے اس کو دلی رنج ہوا اور اس واقعہ کے ایک ہفتے کے اندر مر گیا۔[۵۲]

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا

میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو (صفحہ ۱۹۴)

"الیاس" حضرت الیاس حضرت حزقیل کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور تھے۔ انجیل یوحنا میں ان کو ایلیاہ نبی کہا گیا ہے۔ قرآن میں حضرت الیاس کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ سورۂ انعام میں اور سورۂ والصافات میں۔ سورۂ انعام میں تو ان کو صرف انبیا کی فہرست میں شمار کیا ہے اور سورۂ والصفات میں بعثت اور قوم کی ہدایت سے متعلق حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔[۵۳]

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے ❊ قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو (صفحہ ۱۹۴)

"آدم": حضرت آدم ہی سب سے پہلے بشر تھے اسی لئے ابوالبشر کہلاتے

---

۵۱ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ا صفحہ ۳۱۲ اور ۳۲۲
۵۲ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ صفحہ ۹۷-۹۸
۵۳ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن ج ۲ صفحہ ۲۶

ہیں اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ کے دوآبہ میں آباد ہوئے جو اب ملک عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں ہے کہ آپ کے تین صاحبزادے تھے، ہابیل قابیل اور شیث۔ توریت ہی میں درج ہے کہ عمر ۹۳۰ سال کی کی پائی، عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا۔ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے اور کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر[۱]

مسافر

(طبع سوم ۱۹۴۷ء)

ہر کہ اورا از محبت رنگ و بوست — در نگاہم ہاشم و محمود اوست

"ہاشم و محمود" نادرشاہ خاں مرحوم والیٔ افغانستان کے بھائیوں کے نام ہیں۔

سردار ہاشم خاں، نادر شاہ کے عہد میں افغانستان کے صدر اعظم تھے۔[۲]

سردار شاہ محمود خاں، نادر خاں شہید مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں، ان میں ہز العزیزی اور محبوبیت کی شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ نادر خاں مرحوم کے عہد میں وزیر جنگ تھے۔[۳]

ہم ازاں مردے کہ اندر کوہ و دشت — حق ز تیغ او بلند آوازہ گشت

(صفحہ ۳۹)

"مردے" اشارہ شاہ ولی خاں کی طرف ہے۔

شاہ ولی خاں نادر خاں مرحوم والیٔ افغانستان کے بھائی ہیں۔ یہ پاکستان میں افغانستان کے سفیر رہ چکے ہیں۔[۴]

۱؎ توریت۔ پیدائش، باب ۵۔ آیت ۵۔

مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی۔ ج۱ صفحہ ۱۶

۲؎ مولانا سید سلیمان ندوی، سیر افغانستان صفحہ ۳۲ اور ۶۵

۳؎ " " " صفحہ ۳۳۔۳۴ اور ۶۳

۴؎ " " " صفحہ ۳۴

ضربِ کلیم

(طبع ششم مئی ۱۹۴۶ء)

تھی خوب حضورِ علما باب کی تقریر — بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سموٰت!
(صفحہ ۴۲)

"باب" اشارہ مرزا علی محمد باب کی طرف ہے۔

مرزا علی محمد باب شیراز کے ایک سید خاندان کے فرد تھے۔ انہوں نے ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں تہران میں دعویٰ کیا کہ میں مامور من اللہ ہوں تاکہ لوگوں کو مہدی اور مسیح موعود کے قبول کرنے کے لئے تیار کروں جو میرے بعد ظاہر ہوگا۔ اسی لئے انہوں نے باب کا لقب اختیار کیا یعنی میں وہ دروازہ ہوں جس سے مسیح موعود دنیا میں داخل ہوگا۔ باب کے علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ وہ صحیح عربی پڑھنے سے قاصر تھے۔

مرزا علی محمد باب کا نیا مذہب ایران میں بڑی تیزی سے پھیلا جس کی اشاعت سے شیعی مذہب اور خود شاہ ایران نے خطرہ محسوس کیا۔ چنانچہ ان کے ایک مرید نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باب اور ان کے ساتھی اس جرم کی پاداش میں ۱۸۵۲ء میں قتل کر دیئے گئے۔

خودی بلند تھی اس خوں گرفتہ چینی کی — کہا غریب نے جلّاد سے دمِ تعزیر
ٹھہر ٹھہر کہ بہت دلکشا ہے یہ منظر — ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکیِ شمشیر!
(صفحہ ۱۳۳)

"خوں گرفتہ چینی" اشارہ غالباً چینی شاعر KI-KAN کی طرف ہے۔

KI-KAN (۳۰۰-۴۰۰ء) نہایت ناانصافی کے ساتھ قتل کیا گیا لیکن اس کا عزم بالجزم اور اس کی رجائیت اس قتل کے سامنے ماند نہ پڑ سکی۔ کی کین کا مذہب بدھ مت تھا۔

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیل و اہرمن — رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن — شعر گویا روحِ موسیقی ہے، رقص اس کا بدن!
(صفحہ ۱۳۴)

"چینی حکیم" اشارہ غالباً کنفیوشس کی طرف ہے۔

---

(1) ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION & ETHICS VOL. II

کنفیوشس (CONFUFUCIONS) نے شاعری، موسیقی اور رقص کے ذریعہ سے چینی عوام کو تعلیم دی۔ اسے ان فنون سے بڑا شغف تھا۔ کنفیوشس ۵۰۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۴۷۹ ق م میں فوت ہوا۔ ۲۲ سال کی عمر میں اس نے ایک اسکول اس مقصد سے قائم کیا کہ بالغان کو تعلیم دی جا سکے۔ نیز حکومت اور اخلاق کی درستی بھی ہو سکے۔ اس کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ جس میں تقریباً ۸۰ شاگرد ایسے تھے جو اس کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے تھے[۱]

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش ہرچند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
(ضعف ۱۵۰)

"مردِ فرنگی" سے مراد اسٹنڈل ہے۔

اسٹنڈل (MARIE-HENRI BEYLE STENDHAL) ۱۷۸۳ء میں فرانس میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۲ء میں فوت ہوا۔ وہ فرانس میں نفسیاتی ناول کے موجدوں کی صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعض مشہور ناول یہ ہیں ARMANCE، LE ROUGEETLE (THE RED & THE BLACK) اور DE'I AMOUR اس کے ناول انیسویں صدی کی صدائے بازگشت ہیں۔ اسٹنڈل نے نپولین کی بعض جنگوں میں شرکت بھی کی۔ وہ نپولین اور بائرن کو اپنا ہیرو خیال کرتا تھا۔[۲]

محراب گل افغان کے افکار

"محراب گل" محض ایک فرضی نام ہے۔[۳]

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۶ صف ۲۳۶-۲۳۹ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

(2) THE READER'S ENCYCLOPAEDIA P. 1066

[۳] اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۳۳

ارمغان حجاز

(طبع سوم نومبر ۱۹۴۶ء)

رہی نہ آہ زمانے کے ہاتھ سے باقی وہ یادگار کمالات احمد و محمود
(ص ۲۴۳)

"احمد و محمود" احمد سے مراد سرسید احمد خاں ہیں اور محمود کا اشارہ ان کے فرزند جسٹس سید محمود کی طرف ہے۔

"محمود" سید محمود ۲۴ مئی ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے اور ۸ مئی ۱۹۰۳ء کو انتقال کیا۔ سید محمود نے کچھ دنوں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں انگریزی پڑھائی۔ ان کو تعلیم سے تمام عمر دلچسپی رہی۔ سرسید جدید خیالات کے حامی تھے۔ تو سید محمود نے ان خیالات کو عوام سے قریب تر کیا دلائل سے براہین سے سید محمود نے جج کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۸۷۲ء میں وہ انگلستان سے واپس ہوئے اور چند ہی سال میں انہیں رائے بریلی کا ڈسٹرکٹ جج بنا دیا گیا بعد ازاں الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ محمود کے بعض فیصلے تو ایسے ہیں جو کلاسیکی حیثیت رکھتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو خود بڑے قانون داں تھے۔ سید محمود کی قانون دانی کے بڑے معترف تھے۔ سید محمود نے ججی سے استعفیٰ دے کر لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ ڈاکٹر ستیش چند بنرجی نے لکھنؤ کے واقعات کا بڑی خوبی سے جائزہ لیا ہے۔ سید محمود کی شرافت کی اہل علم و اہل قلم نے بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی قلمی یادگاریں یہ تھیں LAW OF EVIDENCE IN INDIA' HISTORY OF ENGLISH EDUCATION IN INDIA اور نا تمام تاریخ اسلام۔ سید محمود نے سرسید کی مشہور کتاب خطبات احمدیہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا[1]

زوال علم و ہنر مرگ ناگہاں اس کی وہ کارواں کا متاع گراں بہا مسعود
(ص ۲۴۳)

"مسعود" اشارا نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سید راس مسعود کی طرف ہے۔

---

(1) EMINENT MUSSLMANS PP. 129-144

سید مسعود علی گڑھ میں جمعہ کے دن ۱۵ر فروری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے اور ۳۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔ سید مسعود بڑے علم دوست تھے۔ وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ نواب بھوپال کے ہاں بھی ملازمت کی۔ علامہ اقبال کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ جو رباعی انہوں نے اپنے لوح مزار کے لئے تجویز کی تھی وہ مسعود مرحوم کے مزار پر لکھی گئی۔ رباعی یہ ہے:

نہ پیوستم دریں بستان سرا دل ز بند ایں و آں آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمی چند گلاں را آب و رنگی دادہ رفتم

سید مسعود سید محمود کے لڑکے تھے۔

ملّازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض (صفحہ ۲۵۶)

ملّازادہ ضیغم لولابی کشمیری۔ یہ ایک فرضی نام ہے۔

سر اکبر حیدری صدر اعظم حیدرآباد دکن کے نام (صفحہ ۲۷۷)

"سر اکبر حیدری" محمد اکبر نذر علی حیدری بمبئی میں ۸ر نومبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے اور ۸ر جنوری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا۔ ان کا خاندان ابتدا ہی سے تجارت پیشہ رہا ہے۔ انہوں نے سترہ سال کی عمر میں بمبئی یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے اکبر حیدری کو ہندوستان کے مسائل سے دلچسپی تھی اور وہ بمبئی کی اکثر انجمنوں اور جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ملک اور قوم کی خدمت کا خیال یہیں پیدا ہوا۔ اکبر حیدری اٹھارہ سال کی عمر میں ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گئے۔ انہیں ملازمت کے دوران میں ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کرنا پڑا۔ ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد دکن کے وزیر مالیات نے اکبر حیدری کو اپنے ہاں طلب کر لیا۔ بعد ازاں وہ ۱۹۰۷ء میں حیدرآباد کے وزیر مالیات ہو گئے۔ ۱۹۱۱ء میں انہیں ہوم سکرٹری بنایا گیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے

اکبر حیدری کو بڑی دلچسپی تھی۔ انہیں کی کوشش سے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم قرار پائی۔ اکبر حیدری ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے۔ ۱۹۱۹ء میں اکبر حیدری کو حیدر آباد میں صدر المہام مالیات مقرر کیا گیا۔ مالیات کی محکمہ وار تقسیم اکبر حیدری کا بڑا کارنامہ ہے۔ والیٔ دکن نے مالیات کی کارگذاریوں کے سلسلہ میں حیدر نواز جنگ کا خطاب دیا اور حکومت ہند کی جانب سے سرکا خطاب ملا اور پریوی کونسلر بھی ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس کے وفد کی قیادت بھی کی۔ اکبر حیدری طبعًا بڑی سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے۔[۱]

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
(صفحہ ۲۷۸)

"حسین احمد"۔ مولانا سید حسین احمد مدنی بمقام بانگرمؤ ضلع اناؤ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ ابتدائی پرورش بانگرمؤ ہی میں ہوئی۔ مولانا کے والد بانگرمؤ سے اپنے آبائی وطن ٹانڈہ چلے آئے۔ چنانچہ مولانا کا قیام بھی ٹانڈہ میں آٹھ سال تک رہا۔ ابتدائی تعلیم مولانا نے اپنے والد سے پائی۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند بھیج دیئے گئے۔ جہاں سے مولانا نے امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی۔ جب ان کے والد مدینہ منورہ ہجرت کی غرض سے تشریف لے گئے تو مولانا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ مولانا اور ان کے خاندان نے ارض حجاز میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ مدینہ طیبہ میں مولانا نے ایک عرصہ تک قرآن اور حدیث کا درس دیا۔ بعد ازاں ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ اب ایک مدت سے دار العلوم دیوبند میں درس و تدریس میں مشغول ہیں اور اس وقت صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نے ہند کی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ آپ شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں ہیں اور آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ساتھ مالٹا میں اسیر رہے ہیں۔ اس کے بعد بھی کانگریس اور خلافت کی تحریک میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے

---

[۱] سید بادشاہ حسین۔ مشاہیر ہند صفحہ ۴۹-۶۴

EMINENT MUSSULMANS PP 491-507

اور اس سلسلہ میں کئی بار قید بھی ہوئے۔ آپ جمیعۃ العلماء کے صدر رہے۔ علوم ظاہری و باطنی میں مولانا کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے علما اور مشائخ میں ہے۔[1]

---

[1] مولانا سید حسین احمد مدنی: نقش حیات ج ۱، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

مولانا کے نزدیک قوم کا دارومدار وطن پر ہے اور اقبال کے خیال میں قوم مذہب سے بنتی ہے۔ یہی اختلاف ان اشعار کی شان نزول ہے۔

باقیات اقبال (طبع اول ۱۹۵۲ء)

ارمغانم سلک گوہر ہاست یعنی ایں غزل — کز سراجم نورہاں آمد چہار انگشتری (صفہ ۶۲)

"سراجم" اشارہ منشی سراج الدین کی طرف ہے۔

منشی سراج الدین علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے۔ ان کا زیادہ وقت کشمیر میں گذرتا تھا۔ کشمیر ریذیڈنس میں میر منشی تھے۔ فارسی اور اردو کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ انہیں اردو اور فارسی کے ہزاروں شعر یاد تھے۔ ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔

اندھیرا صمد کا مکاں ہو گیا — وہ خورشید روشن نہاں ہو گیا (صفہ ۶۴)

"صمد" اشارہ خواجہ عبدالصمد ککڑو کی طرف ہے۔

خواجہ عبدالصمد ککڑو بارہ مولا کے رئیس و با اثر افراد میں تھے۔ دبلے پتلے سرخ سفید آدمی تھے۔ پگڑی باندھنے کے شائق تھے۔ کشمیر میں علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی اس کے بعد وہ علامہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہے۔ خود شاعر تھے مقبل تخلص تھا اور شاعروں کے قدردان بھی تھے۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں اکثر اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور ان کے بعد علامہ اقبال اپنا کلام سناتے تھے۔ ان کا انتقال علامہ سے قبل ہوا۔

غضب ہے غلام حسن کا فراق — کہ جینا بھی مجھ کو گراں ہو گیا (صفہ ۶۵)

"غلام حسن"۔ غلام حسن خواجہ عبدالصمد ککڑو کے صاحبزادہ تھے۔

آغا محمد باقر خاں قزلباش (صفہ ۷۵)

آغا محمد باقر خاں قزلباش ۳۱ر دسمبر ۱۸۷۹ء کو بدھ کے دن پیدا ہوئے اور ۲۹ر اگست ۱۹۲۵ء کو بروز شنبہ انتقال کیا۔ شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ بڑے ملنسار اور بردبار انسان تھے۔ قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ خلافت کی تحریک

میں شریک ہو کر گرفتار ہوئے اور جیل بھی گئے۔ تقریباً پندرہ سال آنریری مجسٹریٹ رہے۔ ان کی کوشش ہی سے سیالکوٹ میں پرائمری اسکول ہائی اسکول بنا۔ آغا باقر کے علامہ اقبال سے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ اقبال ہی کا اثر تھا کہ آغا باقر اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ اقبال نے بعض اوقات آغا باقر کے خاندانی جھگڑوں کا بھی تصفیہ کیا اور فریقین نے اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ آغا باقر فقرا کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا کرتے تھے۔ رفاہ عام کے کاموں سے ان کو بڑی دلچسپی تھی۔

گل مضمون سے اے اقبال یہ سہرا ہے ناصر کا غزل میری نہیں ہے یہ کسی گلچیں کی جھولی ہے
(صفحہ ۷۸)

"ناصر" اشارہ آغا ناصر خاں کی طرف ہے۔

آغا ناصر خاں، آغا محمد باقر قزلباش کے صاحبزادہ تھے جو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہ دائم المرض تھے۔ جب مڈل کی جماعت میں پڑھتے تھے تو بیمار ہوئے اور تعلیم ترک کر کے گھر پر علاج کراتے رہے لیکن صحت نہ ہوئی۔ آخر اس بیماری میں مبتلا رہ کر اپریل ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا۔

محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں
(صفحہ ۸۱)

"اقبال" اقبال حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں حاجب تھے۔

یعنی نواب بہاول خان کرے جس پر فدا بحر موتی، آسمان انجم، زر و گوہر زمیں
(صفحہ ۹۰)

"نواب بہاول خاں" اشارہ نواب محمد بہاول خاں پنجم عباسی کی طرف ہے۔

نواب حاجی محمد بہاول خاں پنجم عباسی جن کا ابتدائی نام محمد مبارک خاں تھا، ۲۲/۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بمقام ڈیرہ مبارک (صادق گڑھ پیلیس) پیدا ہوئے۔ تعلیم ایچیسن چیف کالج لاہور میں پائی اور انٹرنس کا امتحان نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔ ۱۱ مارچ ۱۸۹۹ء کو دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد نواب بہاول خاں ۱۵ مئی ۱۹۰۱ء کو لاہور سے بہاول پور پہنچے۔ وہاں آپ کے شایان شان استقبال کیا گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے ریاست کا دورہ شروع کر دیا اور علاقہ کی کیفیت، رعایا کے حالات بچشم خود دیکھنے لگے۔ ۱۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو لارڈ کرزن نے آپ کو حق

وراثت اور اختیارات کاملہ عطا کئے۔ اس موقع پر ایک نہایت عالیشان دربار نورمحل میں منعقد کیا گیا۔ جس میں پنجاب اور ہندوستان کے ممتاز اور باکمال اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا۔ ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء کو عدن کے قریب انتقال کیا۔ لاش بھاولپور لائی گئی اور اسے شاہی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے عہد میں بھاول پور نے ہر قسم کی ترقی کی۔[۱]

از ہوش شدم مگر بہوشم گوئی کہ نصیری خموشم
(صفحہ ۱۰۳)

"نصیری" شیعوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی کو معاذاللہ خدا مانتا ہے۔ اس فرقہ کا بانی محمد بن نصیر تھا۔[۲]

تجھ پر ابوہریرہ بھی قربان ہوں کہ تھا وابستگان دامن فخر الامم سے تو
(طلوع ۱۰۶)

"ابوہریرہ"۔ عمیر نام، ابوہریرہ کنیت تھی۔ اصل خاندانی نام عبدشمس تھا۔ اسلام کے بعد رسول کریم نے عمیر رکھا۔ وجہ کنیت خود بیان کرتے ہیں۔ کہ میں ایک "ہرہ" بلی پالے تھا شب کو ایک درخت میں رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا اور اس کے ساتھ کھیلتا لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابوہریرہ کہنا شروع کیا۔

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لئے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے۔ غزوات میں ان کی شرکت کے مفصل حالات کا علم نہیں مگر اس قدر معلوم ہے کہ متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہ لیا اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے۔ اس مدت میں اپنے محبوب مشغلہ حدیث کی اشاعت میں خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمر کے زمانے سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو بحرین کا عامل مقرر کیا اور اسی دن ان کا فقر و افلاس ختم ہوا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ ان کے پاس تھا۔

حضرت عثمان کے دور خلافت میں بالکل خاموش رہے۔ البتہ آخر میں حضرت عثمان

---

[۱] محمد عزیزالرحمٰن۔ صبح صادق۔ عزیز المطابع الیکٹرک پریس بھاول پور طبع ثانی ۱۹۴۳ء

[۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ صفحہ ۹۶۳ - ۹۶۷

کے محصور ہونے کے بعد ان کی حمایت میں لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے۔ چنانچہ محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے۔ حضرت عثمان کے محاصرہ کے بعد سے شہادت تک حضرت ابوہریرہ کے حالات معلوم نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنۂ عام کے زمانے میں اکثر محتاط صحابہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر بادیہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ ان فتنوں کے بعد امیر معاویہ کے عہد حکومت میں مدینہ میں، مروان کے قائم مقام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

۵۷ھ (۶۷۶ء) میں بیمار ہوئے اور اسی علالت میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابو ہریرہ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بالاتفاق صحابہ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ رسول کریم فرماتے تھے کہ ابو ہریرہ علم کا ظرف ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کو علم کی بڑی جستجو تھی۔ ان کا ذوق علم حرص کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان کے علمی حرص کا اعتراف خود رسول اکرم نے فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں احادیث نبوی کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ گو حضرت ابو ہریرہ صرف چار سال رسول کریم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے لیکن اس قلیل مدت ہی میں آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ بن گئے تھے۔[1]

لے کہ تیرے آستانے پہ جبیں گستر قمر ۔۔۔ اور فیض آستاں بوسی سے گل بر سر قمر
(صفحہ ۱۱۴)

اس شعر میں اشارہ نازلی بیگم صاحبہ جنجیرہ کی طرف مقصود ہے۔

اقبال غربت تو ام نشتر بہ دل ہمی زند ۔۔۔ تو در ہجوم ملالے یک آشنانہ دیدہ
(صفحہ ۱۱۵)

اس شعر میں عطیہ بیگم صاحبہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عطیہ بیگم جنجیرہ کے نواب خاندان

---

[1] شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین حصہ دوم۔ صفحہ ۴۰-۶۷

سے تعلق رکھتی ہیں۔ علامہ اقبال کے ان سے بہت اچھے مراسم تھے۔ جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو عطیہ بیگم نے شائع کئے ہیں۔

جس نے اسم اعظم محبوب کی تاثیر سے
وسعت عالم میں پایا صورت گردوں وقار
(صفحہ ۱۱۹)

"محبوب" محبوب کا اشارہ یہاں میر محبوب علی خاں کی طرف ہے۔

نواب میر محبوب علی خاں ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور اگست ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا۔ ان کے دور حکومت میں حیدر آباد نے ہر طرح کی ترقی کی۔ ان کا سال تخت نشینی ۵ فروری ۱۸۸۴ء ہے۔ ان کے وزرائے اعظم میں سر آسمان جاہ اور مہاراجہ سر کشن پرشاد قابل ذکر ہیں۔ حکومت برطانیہ سے میر محبوب علی خاں والئ دکن کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ والئ دکن نے اپنی رعایا میں کبھی ہندو مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔ اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ انہوں نے مسلم تعلیمی اداروں کی بڑی سرپرستی کی نہ صرف اپنی ریاست میں بلکہ بیرون ریاست بھی۔ وہ فارسی اور اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور ان دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے[1]

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر
بڑھ گیا جس سے مرا ملک سخن میں اعتبار
(صفحہ ۱۱۹)

اس شعر میں مہاراجہ سر کشن پرشاد کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

سر کشن پرشاد سابق مدار المہام سرکار آصفیہ ۱۸۶۲ء میں بمقام حیدر آباد پیدا ہوئے اور جون ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اصناف سخن پر قادر تھے۔ اردو فارسی، عربی، انگریزی کے علاوہ اور بھی چند زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے ان کی تصنیفات کی تعداد خاصی ہے۔ سر کشن پرشاد مشرقی امرا کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے علامہ اقبال سے تعلقات خصوصی تھے[2]

---

[1] صحیفۂ زریں۔ صفحہ ۱۱۳-۱۱۶
THE INDIAN NATION BUILDERS, PT. III PP 187-202

[2] نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر ج ۲ صفحہ ۲۴۳

درمیان انجمن معشوق ہرجائی مباش گاہ باسلطان باشی گاہ باشی بافقیر
(صفحہ ۱۳۲)

مرزا سلطان احمد جو قادیان کے مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے مرزا غلام احمد بانی جماعت احمدیہ کے (زوجہ اول سے) فرزند اکبر تھے۔ ۱۸۵۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۰ سال کی عمر پاکر ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا۔ ابتدا میں انہوں نے اپنے والد کی بیعت نہیں کی اور یہ دیکھ کر الگ رہے کہ میں آہنی پابندیاں نہیں اٹھا سکتا مگر پنشن پانے کے بعد وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے برادر خورد مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

مرزا سلطان احمد نائب تحصیلدار کے عہدہ سے اپنی ملازمت کا آغاز کر کے افسر مال کے عہدہ تک پہنچے اور چند دنوں کے لئے گوجرانوالہ میں قائم مقام ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ پنشن کے بعد ریاست بہاولپور میں وزیر مال کے جلیل القدر عہدہ پر بھی کچھ عرصہ کام کیا۔

مرزا سلطان احمد کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں ایک اعلیٰ ہستی علوم القرآن اساس الاخلاق فنون لطیفہ ضرب الامثال اور چند نثر نما نظمیں زیادہ معروف ہیں۔

مرزا سلطان احمد کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور اس میں ہر فرقہ اور ہر مشرب کے لوگ شامل تھے۔ شگفتہ مزاجی اور دوست نوازی ان کا وصف خاص تھا۔ مرزا سلطان احمد کے علامہ اقبال سے مراسم خصوصی تھے۔

فقیر سید افتخار الدین کے اجداد بخارا سے آکر پنجاب میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ غلام محی الدین نے فقیر امانت شاہ قادری کا مرید ہو کر فقیر کا لقب اختیار کیا۔

فقیر سید افتخار الدین ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر پاکر فروری ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ سید افتخار حکومت پنجاب کے میر منشی تھے۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو افسر مال مقرر ہوئے۔ انہوں نے ضلع ہوشیارپور کے بندوبست کا کام انجام دیا۔ امیر حبیب اللہ امیر افغانستان جب ہندوستان تشریف لائے تو ان کے استقبال کے جملہ امور فقیر افتخار ہی کی نگرانی میں انجام پائے۔ امیر افغانستان کی روانگی کے

کچھ دنوں بعد ہی سید افتخار کو کابل میں برٹش ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ امیر افغانستان سے انہوں نے "عزت نشان" کا خطاب پایا وہ خطاب جو اس ملک میں سب سے بڑا خطاب سمجھا جاتا تھا۔ کابل سے واپسی پر حکومت برطانیہ نے ان کو سی۔آئی۔ای کا خطاب دیا۔ علامہ اقبال سے سید افتخار الدین کے تعلقات خصوصی تھے۔

اے امام اے سید والا نسب دود مانت فخر اشراف عرب

(صفحہ ۱۲۳)

اس شعر میں اشارہ سر سید علی امام کی طرف ہے۔

سر سید علی امام ۱۱ر فروری ۱۸۶۹ء کو پٹنہ کے قریب پیدا ہوئے۔ یہ بہار کے مشہور خاندان سادات کے فرد تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ ہندوستان میں مغل حکومت قائم ہونے سے پہلے آئے تھے۔ شمس العلماء نواب سید امداد امام جو سید امام کے والد تھے کچھ روز تاریخ اور عربی کے پروفیسر رہے۔ وہ اپنے علم و فضل اردو شاعری کے لئے ممتاز تھے اور ان کی مشہور تصنیف کاشف الحقائق دو جلدوں میں ہے۔ علی امام نے ابتدا ً ضلع آرہ میں اور بعد کو پٹنہ کالج میں تعلیم پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے وہ ستمبر ۱۸۸۷ء میں انگلستان گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۰ء میں واپس ہوئے۔ وکالت میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ہوئے۔ ان کو تعلیمی مسائل سے بڑی دلچسپی تھی۔

علی گڑھ کالج کی مدد ہر ممکن طریقہ سے کرتے رہے۔ اسی طرح محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے امرتسر کے اجلاس میں صدر بنائے گئے۔ اس طرح وہ ملک کے چوٹی کے لیڈروں میں شمار ہونے لگے۔ لارڈ مارلے نے ۱۹۱۰ء میں لارڈ سنہا کے انتقال کے بعد ان کو اپنی کاؤنسل کا ممبر قانون مقرر کیا۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں پٹنہ ہائی کورٹ کے جج بنائے گئے۔ جون ۱۹۱۹ء میں نظام نے ان کو اپنی ایگزیکیٹو کاؤنسل کا صدر بنایا۔ کچھ روز کے لئے ان کو برٹش انڈیا کا نمائندہ جمعیت اقوام میں بنا کر بھیجا گیا۔ ستمبر ۱۹۲۲ء میں نظام کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے پٹنہ میں وکالت شروع کر دی۔ دوبارہ پھر نظام نے برائے اصلاح کے سلسلہ میں ان کی خدمات طلب کر لیں۔ ۱۹۲۳ء میں نظام نے ان کو برار

کے اضلاع کی نمائندگی کے لئے انگلستان بھیجا۔ سر سید علی امام نے ملکی اصلاحات اور تحریک آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔[1]

حمید اللہ خاں اے ملکِ ملت را فروغ از تو ۔۔۔ ز الطاف تو موج لالہ خیزد از خیابانم
(صفحہ ۱۳۴)

"حمید اللہ خاں"۔ اشارہ سابق والیٔ بھوپال کی طرف ہے۔

نواب سر حمید اللہ خاں ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم علی گڑھ میں پائی۔ ۲۲-۱۹۱۶ء تک بیگم بھوپال کے معتمد اعلیٰ رہے۔ ۲۶-۱۹۲۲ء تک بیگم بھوپال کے ہاں قانون عدل اور خزانہ کے ممبر رہے۔ ۳۵-۱۹۳۰ء تک مسلم یونیورسٹی کے چانسلر رہے۔ دو مرتبہ یعنی ۳۲-۱۹۳۱ء اور ۴۷-۱۹۴۴ء میں CHAMBER OF INDIAN PRINCES کے چانسلر مقرر ہوئے۔ کھیلوں میں کرکٹ کے بڑے شائق ہیں۔ علامہ اقبال سے ان کے تعلقات خصوصی تھے اور ان کا شمار اقبال کے محسنوں میں ہے۔[2]

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار ۔۔۔ عرشی گمان مدار کہ پیمانہ ام شکست
(صفحہ ۱۳۵)

"عرشی"۔ اشارہ محمد حسین عرشی کی طرف ہے۔

ان اشعار کی شان نزول یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں عالم اسلام بالعموم اور ترکی بالخصوص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ برصغیر ہند و پاک کے مسلمان بہت مضطرب تھے۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کر رہا تھا لیکن علامہ اقبال ایک پر اسرار خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس پر چند لوگوں کو خیال ہوا کہ علامہ جنہیں سب سے زیادہ قیادت کا حق اس دور کشمکش موت و حیات میں تھا کیوں قوم کو کوئی راستہ نہیں دکھاتے۔ چنانچہ محمد حسین عرشی نے چند اشعار کہے اور روزنامہ زمیندار کو بغرض اشاعت بھیج دیئے۔ ان اشعار کی غرض صرف یہ تھی کہ علامہ کو تحریک ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زمیندار میں ان اشعار کے شائع ہونے کے بعد غالباً تیسرے دن چند شعر عرشی کے جواب میں کہے اور وہ زمیندار میں شائع ہوئے۔ اقبال کے اشعار کے ساتھ

---

(1) EMINENT MUSSULMANS PP 248-262

(2) THE INDIAN Y BOOK 8 WHO'S WHO 1945-46 1282

مولانا ظفر علی خاں کے اشعار بھی تھے۔ جو انہوں نے اسی وقت اشاعت کے لیے لکھے تھے۔ حکیم فیروز الدین طغرائی اس زمانے میں کشمیر میں تھے۔ ان کی نظر سے عرشی کے اشعار نہیں گذرے تھے۔ لیکن انہوں نے علامہ اقبال کے جوابی اشعار ضرور دیکھے تھے۔ علامہ کے اشعار پڑھ کر حکیم طغرائی نے ان کے جواب میں جو نظم لکھی اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

امروز در فضائے زمیندار دیدہ ام　　زاقبال پاسخے کہ دل آرزو نجست

محمد حسین نام، عرشی تخلص غالباً ۱۸۹۶ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے تعلیم پرانے دستور کے مطابق مکتب میں پائی۔ ان کے اساتذہ میں حکیم فیروز الدین طغرائی کا نام قابل ذکر ہے۔ حکیم طغرائی کی صحبت میں رہ کر عرشی میں فارسی اور عربی کا ذوق پیدا ہوا۔ عرشی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ ملک کی تقسیم کے بعد لاہور چلے آئے اور اب لاہور ہی میں مقیم ہیں۔ اور درس و تدریس میں مشغول۔

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکر خاکی مرا　　رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوق طلب

ایک جو اللہ نے بخشی مجھے روز ازل　　دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب

"روح الذہب" روح الذہب کے ضمن میں ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء کو روزنامہ (دفینہ ۱۴) احسان میں ایک شذرہ شائع ہوا تھا۔ وہ شذرہ یہ ہے: "حکیم نابینا صاحب دہلوی جو اس وقت قدیم طب میں یگانہ بھر میں بالغ نظر مانے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال مدظلہ العالی کو اپنی مشہور دوائی "روح الذہب" ایک مدت سے کھلا رہے ہیں جس سے علامہ ممدوح کو بہت فائدہ ہے۔ اس دوا کے متعلق حضرت علامہ نے دو شعر حکیم صاحب کی خدمت میں لکھے ہیں:"

عبد الوہاب انصاری المشہور بہ حکیم نابینا غازی پور کے مشہور انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ کوئی بارہ برس کی عمر تھی اور حفظ قرآن اور متداول علوم کے حاصل کرنے میں مصروف تھے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ وہیں سے طب کی سند حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد

دلی میں مطب شروع کیا۔ اس زمانے میں حکیم نابینا کے چچا شاہ عبد الغفور دلی میں مقیم تھے۔ اور دلی کے فخر روزگار طبیب اس وقت حکیم محمود خاں تھے۔ حکیم نابینا کے چچا نے حکیم محمود خاں سے کہا کہ ان کا امتحان تو لیجئے کہ آیا طب میں مہارت تامہ حاصل کی ہے یا نہیں چنانچہ حکیم موصوف اور حکیم نابینا میں تین روز تک طبی مذاکرات ہوتے رہے۔ ان مذاکرات میں حکیم اجمل خاں اور حکیم واصل خاں بھی شریک تھے۔ نظام دکن میر محبوب علی خاں ان کو شیخ الرئیس ثانی کہا کرتے تھے۔

دیوبند سے تحصیل علم کے بعد حکیم نابینا نے ۱۹۱۹ء میں دلی میں مطب شروع کیا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن چلے گئے جہاں تقریباً پچاس سال مطب جاری رکھا۔ میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے معالج رہے۔ حیدر آباد سے واپسی پر دلی میں پھر مطب شروع کیا۔ ۱۹۳۸ء میں پھر نظام نے ان کو حیدر آباد بلا لیا۔ ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر دلی میں از سر نو مطب کیا اور وفات کے وقت تک وہیں مقیم رہے۔ دلی ہی میں انتقال کیا لیکن دفن گنگوہ ضلع سہارنپور میں کئے گئے۔ چونکہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت تھے اور وہیں دفن ہونا چاہتے تھے۔ سال وفات ۶ رمئی ۱۹۸۱ء ہے۔ عمر اس وقت کوئی ۷۶ سال کی تھی۔ حکیم نابینا کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ ان کے بھائیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ طب میں بھی اور قومی خدمات کے سلسلہ میں بھی۔

میر عثمان علی خاں نظام دکن نے حکیم نابینا کی تاریخ وفات کہی تھی۔

به دار طب علی سینا رسیده ہمایوں جائیکہ نابینا رسیده

مریضان ایں بغم گفتند عثمان چہ ماتم بینا اے دا رسیده

روح الذہب جب اقبال کو تجویز کی تو اس وقت حکیم نابینا دلی میں مطب کرتے تھے۔

خاک قدس اور ا بآغوش تمنا در گرفت سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

صفحہ ۱۴۱

اس شعر میں اشارہ مولانا محمد علی کی طرف کیا گیا ہے۔

مولانا محمد علی رام پور میں ۱۸۷۸ء میں ایک آسودہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ آئے اور یہاں سے بی۔اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا بعد ازاں آکسفورڈ سے بی۔اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی مولانا محمد علی کی اعلیٰ تربیت میں ان کی والدہ کو بڑا دخل رہا ہے اور یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ مولانا شروع سے آخر تک ایک پرجوش مسلمان رہے۔ ملک کی آزادی کے سلسلہ میں مولانا نے متعدد بار قید فرنگ برداشت کی۔ وہ خلافت تحریک کے روح رواں تھے۔ ان کے سیاسی کردار کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا محمد علی کو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے ایک انگریزی (کامریڈ) اور ایک اردو (ہمدرد) روزنامہ کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا محمد علی ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک وفد کی قیادت کے لئے مولانا کو لندن جانا پڑا وہیں انہوں نے ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو انتقال کیا۔ دفن بیت المقدس میں کئے گئے۔[۱]

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو
(صفحہ ۱۵۸)

"حسن نظامی": خواجہ حسن نظامی کا سال پیدائش ۲ محرم ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۸ء) ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے ابتدائی زندگی بڑی عسرت میں بسر کی۔ ۱۹۱۱ء سے ان کی ترقی کی رفتار تیز ہونا شروع ہوئی۔ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ان کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ غدر دہلی کے افسانے اور غدر کے متعلق متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ حسن نظامی نے ۱۸۹۷ء میں سب سے پہلا مضمون انڈیا گزٹ کے لئے "انڈیا کی نازک حالت" کے عنوان سے لکھا۔ انہوں نے سب سے پہلی کتاب ۱۹۰۰ء میں لکھی۔ ان کا اصلی نام علی حسن تھا۔ خواجہ حسن نظامی اردو انشا پردازی میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ اردو

---

(1) MY LIFE A FRAGMENT, SH. MUHAMMAD ASHRAF LAHORE, 1942

صحافت میں ان کا خاص درجہ تھا۔ انتقال ۳۱ر جولائی ۱۹۵۵ء کو ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں دلی میں دفن کیے گئے۔[1]

سن کر یہ بات خوب کہا شہنواز نے — بلی چوہے کو دیتی ہے پیغام اتحاد
(صفحہ ۱۶۳)

"شہنواز": میاں محمد شاہ نواز علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے۔ ان کے والد میاں ظہور الدین پشاور کے مشہور وکیل تھے۔ باپ نے اپنے پیشہ کی مناسبت سے بیٹے کو بھی یہی پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ شاہ نواز نے ولایت جاکر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی اور واپسی پر لاہور میں بیرسٹری شروع کی۔ وہ لاہور کے بڑے کامیاب بیرسٹر تھے۔ ان کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ عوام کے نمائندہ بن کر پنجاب اور مرکزی اسمبلیوں کے ممبر ہوئے۔ شاہ نواز شروع ہی سے بڑے ترقی پسند تھے۔ وہ انگریزوں کے دشمن اور کانگریس کے حامی تھے۔ ان کا حافظہ بہت اچھا تھا اردو فارسی کے سینکڑوں اشعار یاد تھے۔ انتقال ۱۱ر اگست ۱۹۳۸ء کو ہوا۔

---

[1] شخصیات نمبر صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۰

رختِ سفر (نقش اول جنوری ۱۹۵۲ء)

صبر ایوب و فا خو جزو جان اہل درد — گریۂ آدم سرشت دودماں اہل درد (صفحہ ۷)

"گریۂ آدم" اشارہ مندرجہ ذیل روایت کی طرف مقصود ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا جنت کی نعمتوں سے محروم ہونے پر دو سو سال تک روتے رہے۔[۱]

اے مقامت برتر از چرخ بریں — از تو باقی سطوت دیں مبیں (صفحہ ۱۰۹)

یہاں اشارہ سابق والئ دکن نواب میر عثمان علی خاں کی طرف کیا گیا ہے۔

نواب میر عثمان علی خاں ۶ر اپریل ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ۲۹ر اگست ۱۹۱۱ء کو تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ عثمانیہ اردو یونیورسٹی موسوم بہ جامعہ عثمانیہ میر عثمان علی خاں نے قائم کی اور چونکہ یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو تھا اس لئے یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے ایک مجلس دار الترجمہ و التالیف کے نام سے ترتیب دی جس کا کام مشرقی اور مغربی علوم کی کتابوں کا اردو ترجمہ و تالیف تھا۔ نواب صاحب کو اپنی ہندو اور مسلمان رعایا کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہا۔ چنانچہ انہوں نے مسجدوں کے ساتھ ہندو مندروں کے لئے رقوم اور عطیات مقرر کئے۔ نواب صاحب اردو اور فارسی کے شاعر بھی ہیں۔ نواب صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں انڈین یونین نے ان کی ریاست کو ختم کر کے حکومت ہند میں شامل کر لیا۔ اب وہ حکومت ہند کے وظیفہ خوار ہیں۔[۲]

---

[۱] بغوی۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۳ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ۱۲۹۵ء

[۲] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ صفحہ ۹۵۸ طبع ۱۹۵۰ء

باب نہم

اقبال کی بعض نظموں کے ماخذ

پیام مشرق

طبع پنجم ۱۹۴۶ء

حور و شاعر

صفحہ ۱۴۷

(در جواب نظم گوئٹے موسوم بہ "حور و شاعر")

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسم آشنائی
ہمہ ساز جستجوئے ہمہ سوز آرزوئے
نفسے کہ می گدازی غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہاں دلکشائے
کہ ارم بچشم آید چو طلسم سیمیائی!

شاعر

دل رہرواں فریبی بہ کلام نیش دارے
مگر این کہ لذت او نرسد بہ نوک خارے
چہ کنم کہ فطرت من بہ مقام درنسازد
دل ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگار خوبروئے
تپد آن زمان دل من پئے خوبتر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نو بہارے
طلبم نہایت آن کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہ ناشکیبے بہ دل امیدوارے
دل عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے
نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے

اقبال کی نظم "حور و شاعر" گیٹے کی اسی عنوان کی نظم (HOURI-DICHTER) کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ گیٹے کی نظم بہت طویل ہے لیکن اقبال نے اس کا جواب نہایت اختصار کے ساتھ دینے کی کوشش کی ہے اور شاعر کے جواب کو اپنے مرکزی خیال کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اقبال گیٹے کے مکالمہ "حور و شاعر" سے اثر پذیر تو ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ اقبال اور گیٹے کے فلسفۂ حیات میں بعد المشرقین ہے اس لئے اقبال نے اس مکالمہ سے جو تاثر قبول کیا اس کو اپنے مخصوص آب و رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ اقبال کے کلام میں پیہم اضطراب اور حرکت اور عمل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شاعر حور کے سکونی حسن سے متاثر نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ حسن کا بھی ایک ارتقائی تصور رکھتا ہے۔ اور اسی لئے وہ حور و بہشت کے جلووں سے اس طرح متاثر نہیں ہوتا جس کی توقع ایک معمولی شاعر سے کی جا سکتی ہے۔

زندگی و عمل

(صفحہ ۱۵۰)

(در جواب نظم ہائنا موسوم بہ "سوالات")

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم گر نروم نیستم!

اقبال کی نظم "زندگی و عمل" جو ہائنے کی نظم سوالات (Fragen) کے جواب میں لکھی گئی ہے اور جس میں انسان اور حیات انسانی کے متعلق وہ مسائل چھیڑے گئے ہیں جو ابتدائے آفرینش سے فلسفیوں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ انہیں

اقبال نے اپنے مخصوص فلسفۂ زندگی کے تحت لاکر ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہائنے نے تو بہت سے سوالات اٹھائے ہیں لیکن اقبال نے اپنے مرکزی خیال کے دائرہ میں ان تمام سوالات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور چونکہ حرکت کے فلسفہ کو انکے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بنیادی عقیدہ سے جو کرنیں پھوٹتی ہیں وہ ان تمام سوالات پر روشنی ڈال سکتی ہیں جو ہائنے نے دریافت کئے ہیں۔ اقبال کے جواب میں جو بلاغت پوشیدہ ہے وہی دراصل ان کے مختصر جواب کا جواز کہی جا سکتی ہے۔

باب دہم

تلمیحات و اشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات پر ایک نظر

اقبال کی شاعری ایک پیغام ہے، یہ پیغام جمود و تعطل کا نہیں، حرکت و عمل کا ہے۔ اقبال نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس فضا میں پرورش پائی اور جن حالات سے دوچار ہوئے وہ کچھ ایسے تھے جن میں عجمی تصورات اور غیر اسلامی اقدار کی کارفرمائی تھی۔ اقبال نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلم قوم کو دنیا میں سربلند ہو کر رہنا ہے تو اسے اسلامی اقدار کو اپنانا ہوگا کیونکہ اسلامی اقدار بذات خود انقلاب آفریں ہیں۔ اقبال کا اس پر ایمان تھا کہ مسلمان صرف مسلمان ہی دنیا کی امامت کے لئے پیدا ہوا ہے اور یہ امامت اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ خود اسلامی زندگی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے۔ اقبال نے اس نصب العین کو اپنانے میں جو رکاوٹیں تھیں ان کو اپنی شاعری کے زور سے دور کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

اقبال کے نزدیک وہ رکاوٹیں اپنی روایات سے بیگانگی اور عجمی تصورات میں محصور ہونا تھا۔ حالات یہ تھے کہ ہندوستان کا مسلمان کئی سو برس سے ذہنی اور علمی حیثیت سے پست ہو چکا تھا اور انگریز کی غلامی نے اس کے اندر جو صلاحیتیں باقی تھیں انہیں بھی ختم کر دیا تھا۔ غدر کے بعد ہی سے چند حساس مسلمان رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زندگی کی تگ و دو میں مسلمان کو متمدن ترین قوموں کی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا جائے لیکن وہ رہنما خود اس حکمراں تمدن سے مرعوب تھے۔ ہماری قوم کو دو قسم کے رہنما ملے۔ ایک تو وہ تھے جو قوم کی نجات اس میں دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کو مذہب کی طرف رجوع کہ ایک جامعہ مذہبیت میں منتقل ہو چکا تھا، لے آئیں اور دوسرے رہنما وہ تھے جو حکمراں تمدن کی

ملمع سازی سے مرعوب ہو کر اس کی اندھا دھند تعالی کی دعوت دیتے تھے۔ اسلام کا صحیح نصب العین دونوں رہنماؤں کی نظروں سے اوجھل تھا۔ پہلی قسم کے رہنما ٹوٹی ہوئی کشتی پر ساحل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسری قسم کے رہنما کعبہ کے بجائے ترکستان کی طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں اقبال کا ظہور ہوا۔ اقبال نے نہ تو مغربی ذہنیت رکھنے والے رہنماؤں کی طرح دین کی طرف سے بے توجہی برتی اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دیا جو ہر نئی چیز کی مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے۔ اقبال نے دین کا حرکی تصور لے کر اور دین کے غیر متبدل اقدار و تصورات کو بنیاد مان کر ہر معاصر تمدن کے صالح اجزا کو اس میں سمونے کی کوشش کی تاکہ ہندی مسلمان اپنے دین کے بنیادی تصورات پر قائم رہتے ہوئے اور زمانے کے جدید تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھ کر دنیا کی امامت کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر سکے۔

اقبال کے پیغام کو اگر ہم اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور قرآن کی طرف پھر رجوع کرنے کی دعوت ہے۔ مولوی اور فقیہ نے دین کے تصور کو نہایت محدود اور مسخ کر دیا تھا۔ ان کے نزدیک دین چند عجمی عقائد اور چند رسموں کے مجموعے کا نام رہ گیا تھا جس کے اندر نائب حق بننے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اقبال نے ان تمام پردوں کو جو کہ امتداد زمانہ کے باعث قرآن اور اسلام پر پڑ چکے تھے۔ چاک کر کے قرآن اور اسلام کو اس روشنی میں دیکھا۔ جس سے کہ ان کا اصلی مفہوم متعین ہو سکتا ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ انسان اور خدا کا صحیح مقام کیا ہے اور انسان اپنا حقیقی مقام کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال کی رائے میں اس کا حصول خودی کے ذریعہ ممکن ہے ان کے نزدیک صاحب خودی زمان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔ جس شخص کی خودی کمال کے درجے کو پہنچ جاتی ہے وہ تسخیر فطرت کر لیتا ہے۔ اور جب فطرت پر اس کا تصرف ہو جاتا ہے وہ کائنات کی تمام اشیا پر قابض و متصرف ہو کر نائب حق بن جاتا ہے۔ اقبال نے انسان کا منصب جلیل یہ متعین کیا ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا

نائب ہو۔ خودی سے اقبال کی مراد عرفان نفس کے ساتھ احکام خداوندی کی بجاآوری معلوم ہوتی ہے۔

اقبال کو جہاں کہیں اس منصب جلیل کی تائید جزوی یا کلی طور پر ملی ہے اسے قبول کر لیا ہے۔ مثلاً جب وہ اٹلی کے آمر مطلق مسولینی پر نظم لکھتے ہیں تو اس سے غرض مسولینی کے عقائد یا اس کی حکمت عملی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ندرت فکر و عمل کی خوبی کو اجاگر کرنا ہے اور چونکہ ندرت فکر و عمل ایک اسلامی قدر ہے اس لئے اقبال کو اس میں ایک اسلامی قدر کا احیا نظر آتا ہے اور اس لئے وہ مسولینی کی زندگی کے اس پہلو کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں —— اور جب یہی مسولینی ابی سینیا پر حملہ کرتا ہے تو اقبال اس کی نہایت شد و مد سے مذمت کرتے ہیں —— گویا تعریف مسولینی کی نہیں بلکہ اس کے حسن عمل کی ہے —— اسی طرح ابتدا میں اقبال کو مصطفےٰ کمال سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ انہوں نے مصطفےٰ کمال کی فتوحات سے متاثر ہو کر اپنی غیر فانی نظم "طلوع اسلام" قوم کے سامنے پیش کی گویا انہیں اسلام اور اسلامی اقدار کا احیا مصطفےٰ کمال کی ذات میں نظر آتا تھا —— لیکن جب یہی مصطفےٰ کمال فرنگی افکار اور تہذیب و تمدن سے مرعوب ہو کر ترکی کو مغربیت سے قریب تر لا کر اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے تو اقبال زوردار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں —— ان کے نزدیک مصطفےٰ کمال کی اس اصلاح سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا تھا —— اسی طرح اگر ہم اورنگ زیب اور اکبر کو لے لیں تو اقبال کے نقطۂ نظر کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ ادھر اورنگ زیب پر وہ ایک معرکتہ الآرا نظم لکھتے ہیں تو دوسری طرف وہ شہنشاہ اکبر اور دارا کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اورنگ زیب ان کے خیال میں اسلامی روایات، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی اقدار کو زندہ کر رہا تھا اور اکبر اور دارا سرزمین ہند میں الحاد کا بیج بو رہے تھے۔ اسی طرح وہ اطالیہ کے مشہور سیاست دان اور ادیب میکیاولی اور یونان کے مشہور ترین فلسفی افلاطون کی

مذمت کرتے ہیں کیونکہ میکیاولی نے اپنی تصنیف "کتاب الملوک" میں مذہب کو سیاست سے ایک الگ چیز قرار دیا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست کو مذہب سے الگ چیز قرار دیا ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست کو مذہب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ افلاطون کے فلسفے سے جدوجہد، تگ و دو اور عمل کے فلسفے کو ضعف پہنچتا ہے اس لئے وہ افلاطون کے اس نظریہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ عمل کو اسلامی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کی جس شخصیت کو اقبال نے سراہا ہے یا جس کی مذمت کی ہے ہر جگہ ایک ہی نقطۂ نظر کارفرما نظر آتا ہے۔ اور وہ ہے اسلامی اقدار کا احیا —— اگر وہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں سے متاثر ہوتے ہیں تب بھی اسی لئے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں بھی اسی طرح کا انقلاب رونما ہو جو فاسد مادے کو ختم اور صالح عناصر کو پیدا کرے جس طرح انقلابات کی بدولت دوسرے ممالک میں ہو رہا ہے۔

اقبال کے یہاں مشرق و مغرب کے چوٹی کے حکما کا ذکر ملتا ہے۔ مغربی حکما کی عقلیت انہیں پسند آتی ہے اور وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ کسی کے یہاں انہیں اصول ارتقا ملتا ہے اور کسی کے یہاں اشیا کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت —— وہ دعوت جس سے دین فطرت کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے۔ اقبال چونکہ اسلام کو ایک ابدی مذہب مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک اس میں وہ صفات ہونی چاہئیں جنہیں ہم عقلی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر کے تسلیم کرا سکیں۔ دوسری طرف وہ مشرقی حکما کا اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتباع اس لحاظ سے کہ انہیں ان کے یہاں بعض اسلامی اقدار کی توضیح و تشریح مل جاتی ہے جس میں کچھ اور اضافے کے ساتھ عہد جدید کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے اور اس طرح موجودہ زمانے کے اس ذہن کو مطمئن کیا جاسکتا ہے جو ہر وقت تشکک کا شکار رہتا ہے۔

اقبال کا نقطۂ نظر حکیمانہ کی بجائے "عارفانہ اور صوفیانہ" معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آیات و احادیث زیادہ تر وہ لی ہیں جو صوفیہ کے یہاں بالخصوص مولانا روم کے

یہاں ملتی ہیں۔ قرآن اور احادیث کی تلمیحات اگر بیک وقت رومی اور اقبال دونوں کی سامنے رہیں تو یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے قرآن اور حدیث سے وہی کچھ لیا ہے جن سے خود رومی نے استفاد کیا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے معاملے میں بھی انہوں نے رومی ہی کو اپنا پیش رو مانا ہے۔ نہ صرف قرآن اور حدیث کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے بلکہ اکثر اقوال کے بارے میں بھی جن کا ماخذ صوفیہ کے یہاں بتایا گیا ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاص طور پر رومی سے متاثر ہیں۔ مثلاً لا موجود الا اللہ وغیرہ وغیرہ۔ جو مقولہ اقبال نے امام شافعی کا بتایا ہے یعنی الوقت سیف وہ بھی ہمیں رومی کے یہاں مل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات بھی جو اقبال نے اپنے یہاں پیش کئے ہیں وہ بھی زیادہ تر ہمیں رومی کے یہاں مل جاتے ہیں۔ مثلاً اقبال نے اسرار خودی میں حضرت عمر کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

خود فرود آ از شتر مثل عمر
الحذر از منت غیر الحذر

یہ واقعہ ہمیں رومی کے یہاں اس طرح ملتا ہے۔

تازیانہ از کفش افتاد راست
خود فرود آمد زکس چیزے نخواست (دفتر ششم)

رومی نے مذکورہ بالا شعر میں ایک صحابی کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اقبال نے کسی وجہ سے یہاں حضرت عمر کا نام نظم کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ حضرت عمر کا نہیں ہے۔

ہمارے اس دعوے کی تائید کہ ان امور میں بھی اقبال نے رومی کو اپنا خضر راہ بنایا ہے۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہو سکتی ہے۔ پہلے چند شعر تلمیحات قرآن کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ گفت قاضی فی القصاص آمد حیات زندگی گیرد باین قانون ثبات

(رموز بیخودی ص ۱۲۱)

گر نفرمودی قصاص او بر جنات یا نہ گفتی فی القصاص آمد حیات

(رومی۔ دفتر اول ص ۳۲۳

مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

اقبال کے پہلے اور رومی کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی تکرار قابل توجہ ہے۔

۲۔ قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل التجائے ارنی سرخیٔ افسانۂ دل

(بانگ درا ص ۵۴)

جملہ کف ہا در دعا افراختہ نعرۂ ارنی بہم در ساختہ

(رومی۔ دفتر ششم ص ۱۶۰)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

۳۔ "کشتیٔ مسکین" و "جان پاک" و "دیوار یتیم" علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(بانگ درا ص ۲۹۸)

چوں مناسب ہائے احوال خضر عقل موسیٰ بود در دیدش کہ

(دفتر دوم ص ۲۲۱)

اقبال کا قرآنی اشارہ رومی کے مندرجہ بالا شعر میں مل جاتا ہے۔

۴۔ قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

(اسرار خودی ص ۶۹)

صبغۃ اللہ نام آں رنگ لطیف لعنۃ اللہ بوی ایں رنگ کثیف

(دفتر اول ص ۷۱)

یہاں نہ صرف قرآنی تلمیح مشترک ہے بلکہ لفظ رنگ بھی اقبال اور رومی دونوں کے یہاں موجود ہے۔

۵۔ در کف مسلم مثال خنجر است — قاتل فحشا و بغی و منکر است

(اسرار خودی ص ۴۷)

جوشش و افزونیٔ زر در زکوٰۃ — عصمت از فحشا و منکر در صلوٰۃ

(دفتر ششم ص ۲۳۲)

اقبال کی قرآنی تلمیح نماز کی طرف ہے رومی کے شعر میں لفظ صلوٰۃ پہلے ہی سے موجود ہے۔

۶۔ مرگ را سامان ز قطع آرزوست — زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

(رموز بیخودی ص ۱۰۸)

ور شود آں دیر ہیں زنہار تو — ورد خود کن دمبدم لا تقنطو

(دفتر ششم ص ۱۲۷)

لا تقنطو دونوں شعروں میں موجود ہے۔

۷۔ در گزر مثل کلیم از رود نیل — سوئے آتش گام زن مثل خلیل!

(جاوید نامہ ص ۹۳)

من نیم فرعون کایم سوئے نیل — سوئے آتش میروم ہمچوں خلیل

(دفتر پنجم ص ۳۱)

اقبال کے یہاں شعر کے پہلے اور دوسرے مصرع میں جن قرآنی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ رومی کے ہاں بھی مذکور ہیں۔ نہ صرف تلمیح مشترک ہے بلکہ اقبال اور رومی کے یہاں آخری الفاظ بھی یکساں ہیں۔

۸۔ بندہ مومن امین حق مالک است — غیر حق ہر شئے کہ بینی ہالک است

(جاوید نامہ ص ۱۷۲)

می نماند در جہاں یک تار مو — کل شئی ھالک الا وجہہ

اقبال نے مصرع ثانی میں جس قرآنی تلمیح کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

۹ مدعا پیدا نہ گردد زین دو بیت — تا نہ بینی از مقام "مارمیت"

(جاوید نامہ ص ۱۵۰)

مارمیت از رمیت راست داں — ہر چہ دارد جاں بود از جانجاں

(دفتر دوم ص ۱۷۲)

اقبال کے "مارمیت" کا ماخذ رومی کے مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔

۱۰ ہر دو از ذوق ستم گرد دفزوں — ورد من یالیت قومی یعلمون

(جاوید نامہ ص ۱۶۹)

گفت ہر برگ و شگوفہ آں غصون — دمبدم یالیت قومی یعلمون

(دفتر سوم ص ۱۳۸)

دونوں شعروں کے مصرع ثانی کے آخری الفاظ میں تکرار قابل غور ہے۔

۱۱ آب و نان ماست از یک مائدہ — دودۂ آدم "کنفس واحدہ"

(جاوید نامہ ص ۹۰)

روح انسانی کنفس واحد است — روح حیوانی سفال جامد است

(دفتر دوم ص ۱۴)

اقبال اور رومی کے یہاں کنفس واحدہ کی تلمیح مشترک ہے۔

۱۲ حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ

کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(بانگ درا ص ۳۳۵)

چوں نکرد انکار مزدش ہست را — لیس للانسان الا ما سعیٰ

(دفتر چہارم ص ۱۸۶)

دونوں شعروں میں ایک ہی بات دہرائی گئی ہے۔

۱۳ از شریعت احسن التقویم شو — وارث ایمان ابراہیم شو

(پس چہ باید کرد ص ۴۰)

احسن التقویم از فکرت بروں ۔ احسن التقویم از عرشش فزوں

(دفتر ششم ص ۶۹)

اقبال کے احسن التقویم کا ماخذ رومی کے یہاں موجود ہے۔

۱۴۔ چوں کلیمے سوئے فرعونے رود ۔ قلب او از لاتخف محکم شود

(رموز بیخودی ص ۱۰۹)

نے ز دریا ترس و نے از موج کف ۔ چوں شنیدی تو خطاب لاتخف

(دفتر سوم ص ۳۴)

دونوں شعروں کا نہ صرف ماخذ ایک ہے بلکہ بات بھی ایک ہی کہی گئی ہے۔

۱۵۔ جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید ۔ تا پیام طٰہٰ را بیتی شنید

(رموز بیخودی ص ۱۱۵)

طٰہٰ را بیتی بیان پاکی است ۔ گنج نور است ار طلسمش خاکی است

(دفتر اول ص ۴۳)

پیام اور بیان کے ساتھ طٰہٰ را بیتی کی تکرار اقبال اور رومی دونوں کے یہاں موجود ہے۔

۱۶۔ علم اسما اعتبار آدم است ۔ حکمت اشیا حصار آدم است

(رموز بیخودی ص ۱۶۸)

بوالبشر کو علم الاسما بگشت ۔ صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ ست

(دفتر اول ص ۱۱۰)

اقبال اور رومی کے یہاں ایک ہی بات کہی گئی ہے۔

۱۷۔ چوں ز بند آفل ابراہیم رست ۔ درمیان شعلہ ہا نیکو نشست

(اسرار خودی ص ۷۶)

اندریں وادی مرو بے ایں دلیل ۔ لا احب الآفلین گو چوں خلیل

(دفتر اول ص ۴۴)

اقبال کے شعر کا ماخذ رومی کے شعر میں مل جاتا ہے۔

۱۸۔ پنجۂ او پنجۂ حق می شود ماہ از انگشت او شق می شود

(اسرار خودی ص ۲۷)

گر ترا اشکال آید در نظر پس تو شک داری در انشق القمر

(دفتر اول ص ۹۸)

اقبال نے مصرعہ ثانی میں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ کیا ہے جو رومی کے یہاں موجود ہے۔

۱۹۔ خرقۂ آن برزخ "لا یبغیان" دیدمش در نکتہ "لی خوقتان"

(مسافر ص ۳۱)

بحر تلخ و بحر شیریں ہم عنان در میانش برزخ لا یبغیان

(دفتر اول ص ۳۱)

اقبال کی قرآنی ترکیب "لا یبغیان" رومی کے ہاں موجود ہے۔

۲۰۔ رازہا با مرد مومن باز گوے شرح رمز "کل یوم" باز گوے

(جاوید نامہ ص ۸۵)

بہر ایں فرمود رحمٰن اے پسر کل یوم ھو فی شان اے پسر

(دفتر اول ص ۱۵۷)

اقبال کی قرآنی ترکیب "کل یوم" رومی کے مصرع ثانی میں مل جاتی ہے۔

یہ تو تھے چند شعر رومی کے اقبال کی قرآنی تلمیحات کے سلسلے میں۔ اب اقبال کی تلمیحات حدیث کے لئے چند شعر رومی کے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تا کجا در روز و شب باشی اسیر رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر

(اسرار خودی ص ۸۱)

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا لا یسعُ فیہ نبی مجتبیٰ

(دفتر چہارم ص ۲۱۷)

اقبال کی تلمیح رومی کے ہاں موجود ہے۔

۲۔ گفتمش "بگذر ز آئین فراق ... ابغض الاشیاء عندی الطلاق"

(جاوید نامہ ص ۱۵۹)

تا توانی با منہ اندر فراق ... ابغض الاشیاء عندی الطلاق

(دفتر دوم ص ۱۱۸)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے یہاں مل جاتی ہے۔ رومی اور اقبال کے مصرع اولی کے آخری الفاظ قابل غور ہیں۔

۳۔ آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست ... چشم او ینظر بنور اللہ نیست

(پس چہ باید کرد ص ۳۷)

آنکہ او ینظر بنور اللہ بود ... ہم ز مرغ وہم ز مور آگہ بود

(دفتر ششم ص ۷۸۱)

اقبال کا مصرع ثانی اور رومی کا مصرع اولی کتنا ملتا جلتا ہے۔

۴۔ گفت با امت "ز دنیائے شما ... دوست دارم طاعت وطیب و نسا"

(رموز بیخودی ص ۱۳۰)

بہر ایں بو گفت احمد در عظات ... دائما قرۃ عینی فی الصلوٰت

(دفتر دوم ص ۲۳۰)

اقبال نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رومی کے یہاں موجود ہے۔

۵۔ آب وگل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز

ابلہ جنت تیری تعلیم سے دانائے کار

(ارمغان حجاز ص ۲۲۰)

بیشتر اصحاب جنت ابلہ اند ... تا ز شر فیلسوفی می رہند

(دفتر ششم ص ۱۵۶)

اقبال نے ابلہ جنت کی ترکیب استعمال کر کے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے

وہ رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

۶ آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ رُفت مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(اسرار خودی ص ۲۵)

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

(دفتر اول ص ۸۳)

اقبال نے الکاسب حبیب اللہ کو حدیث لکھا ہے اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے۔ اس کا ماخذ بھی رومی کے یہاں مل جاتا ہے۔

اقبال نے اسرار خودی میں ایک باب کا عنوان الوقت سیف قائم کیا ہے۔ اسی باب میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

فکر او کوکب ز گردوں چیدہ است سیف براں وقت را نامیدہ است

(اسرار خودی ص ۸۰)

اس شعر کے ضمن میں اقبال نے الوقت سیف کو حضرت امام شافعی کا مقولہ بتایا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کہ یہ مقولہ حضرت امام شافعی ہی کا ہے۔ مگر اس کو بھی رومی بیان کر گئے ہیں۔ اگرچہ اقبال نے اس کو عمیق تر مطالب کی اساس ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ رومی فرماتے ہیں۔

قال اطعمنی فانی جائع فاعجل فالوقت سیف قاطع

(دفتر اول ص ۱۸)

اقبال کی تلمیحات قرآن اور حدیث کے سلسلے میں رومی کے چند شعر اس لئے نقل کئے گئے کہ اقبال اور رومی کے تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ اقبال کے قرآن اور حدیث کے ماخذات تقریباً وہی ہیں جو رومی نے اپنی زندہ جاوید مثنوی میں پیش کئے ہیں جس کو ع ہست قرآن در زبان پہلوی - کہا گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا حقیقت سے دور نہیں کہ اقبال نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی ہی کی روشنی میں کیا ہے۔ اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ دنیا میں چراغ سے چراغ

ملتا آیا ہے۔ اور خود اقبال نے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔

اقبال نے جن فارسی شعرا کے اشعار یا مصرعے اپنے کلام میں لئے ہیں وہ بھی زیادہ تر وہی ہیں جو ہمیں فارسی کے صوفی شعرا کے یہاں ملتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال صوفی شعرا سے بہت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان صوفیہ کے اشعار کثرت سے نقل کرتے ہیں۔ البتہ یہاں ایک چیز قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اقبال نے ان صوفی شعرا کو نہیں لیا ہے جن کے یہاں نفی خودی کا رجحان ملتا ہے۔ اقبال نے تو سروکار صرف ان ہی سے رکھا ہے جن کے یہاں اثبات خودی پر زور ہے۔ مثلاً سنائی، عطار، رومی وغیرہم۔ صوفیہ کے سلسلے میں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اقبال شہنشاہوں سے اتنے متاثر نہیں جتنے کہ صوفیہ سے ہیں۔ ان کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ جس والہانہ انداز سے وہ صوفیہ مثلاً حضرت علی ہجویری، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ وہ ہمیں تاریخ عالم کے شہنشاہوں کے ساتھ نہیں ملتا۔ گویا اقبال کے نزدیک اسلامی اقتدار کا احیا یا خود اسلام کی تبلیغ کا سہرا صوفیہ کے سر ہے نہ کہ شہنشاہوں کے سر! اور اگر کسی شہنشاہ کو خراج عقیدت پیش بھی کیا ہے تو صرف اس کو جس میں شان فقر بھی موجود تھی۔

اقبال کا انگریزی ادب کا مطالعہ وسیع معلوم ہوتا ہے۔ بعض جگہ تو اقبال نے انگریزی شعرا کا حوالہ دے دیا ہے۔ اور بعض جگہ ان کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ لیکن ان کے اشعار اور نظمیں اس کی شاہد ہیں کہ ان کے یہاں انگریزی شعرا کا اثر خاصا گہرا ہے۔ مثلاً جب وہ اپنے شفیق استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہیں تو اسے پڑھ کر ہمارا ذہن اوس مرثیہ کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میتھیو آرنلڈ نے ورڈز ورتھ کی وفات پر لکھا تھا۔ دونوں کا انداز بہت ملتا جلتا ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ اقبال نے داغ کا مرثیہ لکھنے سے قبل یہ مرثیہ ضرور دیکھا

ہوگا۔ ادھر جب وہ اپنی والدہ کی یاد میں مرثیہ لکھتے ہیں تو ہمیں فورًا کوپر کی وہ معرکتہ الآرا نظم یاد آتی ہے جو اس نے اپنی والدہ کی تصویر موصول ہونے پر قلم بند کی تھی۔ دونوں نظموں میں ایک ایسا رجحان ملتا ہے جس سے ہمارے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اقبال نے ضرور کوپر کی نظم پڑھی ہوگی۔ اقبال کے یہاں انگریزی کے بیشتر وہ شعرا ہیں جو کلاسیکی نہیں، رومانی ہیں۔ رومانی شعراء نے فطرت نگاری جس حسین و دلکش انداز سے کی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ادھر ہمیں اقبال کے یہاں بھی بڑی حسین و دلکش نظمیں فطرت نگاری پر ملتی ہے۔ ان نظموں کو پڑھ کر اکثر خیال ہوتا ہے کہ ان کا انداز انگریزی شعراء کے انداز سے کس قدر مماثل ہے۔ انگریزی ادب کے علاوہ اقبال کی نظر جرمن زبان و ادب پر بھی تھی۔ چنانچہ ہمیں ان کے یہاں بعض جرمن نظموں کے حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً کہیں گیٹے کا ذکر ہے تو کہیں ہائنے کا۔

اقبال کی تلمیحات و اشارات کو دیکھنے کے بعد ایک ہی رائے قائم کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کا ایک پیغام ہے، ایک نصب العین ہے۔ اسی پیغام اور اسی نصب العین کو پہنچانے کے لئے وہ تاریخ عالم کی شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں ہر قسم کی شخصیات اور تحریکیں شامل ہیں۔ سیاسی بھی، اخلاقی بھی، ادبی بھی، مذہبی بھی اور فلسفیانہ بھی۔ جہاں اور جس سے ان کے نصب العین کی تائید ہوتی ہے اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے خون جگر کی آمیزش سے اس کے حسن اور افادیت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور جو تحریک یا شخصیت ان کے کام کی نہیں ہوتی اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کا پیغام کم و بیش وہی ہے جو اسلام کا ہے۔ اس پیغام کی نشر و اشاعت میں اقبال تمام عمر کوشاں رہے اور بڑی حد تک انہوں نے اس جمود کو ختم کر دیا جس میں ہندی مسلمان ایک عرصے سے مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں ان ہی اقدار کو زیادہ ترپیش کیا ہے جو خود اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی خیالات، عجمی تصورات اور ہندی آب و رنگ کی

قدم قدم پر مخالفت کی ہے۔ اس طرح اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ اسلام کے احیا کی سعی کی۔ اس سعی و کوشش میں انہیں جہاں سے جو کچھ ملا اسے لے لیا اور پیش کر دیا۔ اقبال نے دنیا کی تمام شخصیتوں اور تحریکوں سے کم و بیش اپنے مفید مطلب چیزیں اخذ کی ہیں اور ان کو ایک نیا آب و رنگ دے کر ان میں اپنا خون جگر ملا کر اور ان کی تزئین کر کے قوم کو اس سے فائدہ پہنچایا ہے۔ قوم نے اس کی پذیرائی کی ہے، اسے قبول کیا ہے۔ اس سے اثر پذیر ہوئی ہے۔ اور اس کی بدولت اپنے صحیح مقام کو جاننے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ یہ ہے اقبال کا وہ عظیم کارنامہ جسے کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تحقیق طلب

رموز بیخودی
(طبع سوم ۱۹۴۸ء)

"اے تماشا گاہ عالم روئے تو	تو کجا بہر تماشا میروی"
(صفحہ ۹۳)

یہ شعر کس کا ہے؟

"پشت پا زن تخت کیکاؤس را	سر بدہ از کف مدہ ناموس را"

یہ شعر کس کا ہے؟

پیام مشرق
(طبع پنجم ۱۹۴۶ء)

"نداد ند بال آدمی زادہ را	زمین گیر کردند ایں سادہ را"
(صفحہ ۱۶۲)

یہ شعر کس کا ہے؟

"حرف نگفتہ شما برلب کودکاں رسید"	از من بے زباں بگو خلوتیاں راز را
(صفحہ ۱۷۵)

مصرع اولی کس کا ہے؟

"بہ خرد راہ عشق میں پوئی	بہ چراغ آفتاب می جوئی"
(صفحہ ۲۴۳)

یہ شعر کس کا ہے؟

"نماند ناز شیریں بے خریدار	اگر خسرو نباشد کوہکن ہست"
(صفحہ ۲۵۰)

یہ شعر کس کا ہے؟

"بوئے گل خود بہ چمن راہ نما شد زنخست	ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست
(صفحہ ۲۵۵)

یہ شعر کس کا ہے؟

بانگ درا

طبع یازدہم مارچ ۱۹۴۷ء

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

بچّوں کے لئے

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گذارا

پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا

سُنکر بلبل کی آہ وزاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا

حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا

اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اس عنوان کی کوئی نظم کوپر کے مجموعۂ کلام میں نہیں مل سکی۔

"دریں حسرت سرا عمریست افسوں جرس دارم
زفیض دل طپیدنہا خروش بےنفس دارم"
(صفہ ۶۳)

یہ شعر کس کا ہے؟

"شور لیلی کو؟ کہ باز آرایش سودا کند
خاک مجنوں را غبار خاطر صحرا کند"
(صفہ ۷۵)

یہ شعر کس کا ہے؟

مگر خروش پہ مائل ہے تو تو بسم اللہ
"بگیر بادۂ صافی بہ بانگ چنگ بنوش"
(صفہ ۲۳۴)

مصرع ثانی کس کا ہے؟

"اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟"
(صفہ ۲۴۸)

یہ شعر کس کا ہے؟

زبور عجم
(طبع چہارم ستمبر ۴۸ء)

"فسرد از باد ایں صحرا شرارم
زسوز کاروانے یادگارم"
(صفحہ ۵۴)

یہ شعر کس کا ہے؟

"یقیں می داں کہ شیراں شکاری
دریں رہ خواستند از موریاری"
(صفحہ ۲۱۳)

یہ شعر کس کا ہے؟

عشق مور و مرغ و آدم رابس است
"عشق تنہا ہر دو عالم رابس است"
(صفحہ ۲۶۴)

مصرع ثانی کس کا ہے؟

جاوید نامہ
(طبع دوم ۴۷ء)

ایں خدایان تنک مایہ ز سنگ اند و زخشت!
برتر از ہست کہ دور است ز دیر و ز کنشت!
سجدہ بے ذوق عمل خشک و بجائے نرسد
زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت!
فاش گویم بتو حرفے کہ نداند ہمہ کس
اے خوش آں بندہ کہ بر لوح دل او را بنوشت!
ایں جہانے کہ تو بینی اثر یزداں نیست
چرخہ از تست و ہم آں رشتہ کہ بر دوک تو رشت!
پیش آئین مکافات عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت!

(ترجمہ از برتری ہری)

نوٹ۔ برتری ہری کی اصل نظم نہیں مل سکی۔

"اہل دیں را بازداں از اہل کیں
ہم نشیں حق بجو با او نشیں"
(صفحہ ۲۴۳)

یہ شعر کس کا ہے؟

بالِ جبریل

(طبع دوم مئی ۱۹۴۱ء)

ہے یاد مجھے نکتۂ سلماں خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کیلئے تنگ
(صفحہ ۱۰۹)

اصل شعر مسعود سعد سلماں کا جس سے یہ شعر ماخوذ معلوم ہوتا ہے نہیں مل سکا۔

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کر تلاش
"طالب دل باش و در پیکار باش"
(صفحہ ۱۸۹)

مصرع ثانی کس کا ہے؟

"بگرد اگرد خود چندانکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم"
(صفحہ ۲۰۷)

یہ شعر کس کا ہے؟

یورپ

(صفحہ ۲۲۱)

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ!
خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

نطشہ کے یہاں اصل ماخذ نہیں مل سکا۔

شیر اور خچر

(صفحہ ۲۲۳)

شیر

ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ
کون ہیں تیرے اب و جد؟ کس قبیلے سے ہے تو؟

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبا رفتار، شاہی اصطبل کی آبرو!

(ماخوذ از جرمن)

جرمن ادبیات میں ان اشعار کا ماخذ نہیں مل سکا۔

ضربِ کلیم

(طبع ششم مئی ۱۹۴۶ء)

تقدیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

(صفحہ ۴۲)

اے خدائے کن فکاں مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر

آہ! وہ زندانیٔ نزدیک و دور و دیر و زود

حرف "استکبار" تیرے سامنے ممکن نہ تھا

ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود!

یزداں

کب کھلا تجھ پر یہ راز انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری تجلی سے کمالاتِ وجود!

یزداں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے

کہتا ہے "تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود"

دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام

ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربی)

اصل مکالمہ ابن عربی کی تصانیف میں نہیں مل سکا۔ البتہ یہ مکالمہ امام شعرانی کی

الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۱۴۸ پر نظر سے گذرا۔ چونکہ امام شعرانی نے اپنی اس کتاب میں ابن عربی کو جابجا الشیخ کہا ہے اور یہ مکالمہ انہی کے ذیل میں آیا ہے اس لئے عجب نہیں کہ اس مکالمہ کے الفاظ ابن عربی ہی کے ہوں۔

"غافل منشیں نہ وقت بازی ست | وقت ہنر است و کارسازی ست"
(صفہ ۸۶)

یہ شعر کس کا ہے؟

اقبال یہ ہے خارہ تراشی کا زمانہ | "از ہر چہ بآئینہ نمایند بہ پرہیز"
(صفہ ۱۲۷)

مصرع ثانی کس کا ہے؟

ارمغان حجاز طبع سوم نومبر ۱۹۴۶ء

بہ آں قوم از تو می خواہم کشادے | فقیہش بے یقینے کم سوادے (صفہ ۱۳)
بسے نادیدنی را دیدہ ام من | "مرا اے کاشکے مادر نزادے"

چوتھا مصرع کس کا ہے؟

دل اندر سینہ گوید دلبرے ہست | متاعے آفریں غارتگرے ہست (صفہ ۲۵)
بگوشم آمد از گردوں دم مرگ | "شگوفہ چوں فرو ریزد برے ہست"

چوتھا مصرع کس کا ہے؟

شتر را بچۂ او گفت در دشت | نمی بینم خدائے چار سو را (صفہ ۱۴۵)
پدر گفت اے پسر چوں پا بہ لغزد | شتر ہم خویش را بیند ہم اورا

پہلے شعر میں جس عربی ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ نہیں مل سکی۔

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا | "گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب"
(صفہ ۲۱۹)

مصرع ثانی کس کا ہے؟

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر | کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر
(صفہ ۲۵۸)

ایران صغیر کی ترکیب کشمیر کے لئے کس نے استعمال کی ہے۔

مناجات شکن تھی ہوائے بہاراں | غزلخواں ہوا پیرک اندرابی
(صفہ ۲۶۴)

پیرک اندرابی کا اشارہ کس کی طرف ہے؟

"صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است

خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است" (صفحہ ۲۷۶)

یہ شعر کس کا ہے؟

باقیات اقبال (طبع اول ۱۹۵۲ء)

"نتیجاً ہم نے اے اقبال کہہ ڈالے یہ شعر

تھی نوازش کو جو فکر امتحاں اہل درد (صفحہ ۹۸)

نوازش کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

ترجمہ از ڈائک (صفحہ ۱۱۰)

دل شمع صفت عشق سے ہو نور سراپا — اور فکر یہ روشن ہو کہ آئینہ ہو گویا

نیکی ہو ہر اک فعل میں نیت کی ہویدا — ہر حال میں ہو خالق ہستی پہ بھروسا

ایسی کوئی نعمت تہ افلاک نہیں ہے — یہ بات جو حاصل ہو تو کچھ باک نہیں ہے

ڈائک کون ہے اور متعلقہ حوالہ کیا ہے؟

مکافات عمل (صفحہ ۱۲۱)

ہر عمل کے لئے ہے رد عمل — دہر میں عیش کا جواب ہے نیش

شیر سے آسمان لیتا ہے — انتقام غزال و اشتر و میش

سرگذشت جہاں کا ستر خفی — کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش

شمع پروانہ را بسوخت ولے — زود بریاں شود بروغن خویش

یہاں کس نکو اندیش کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

تاریخ وفات شیخ عبدالحق (صفحہ ۱۲۵)

چوں مے جام شہادت شیخ عبدالحق چشید
باد بر خاک مزارش رحمت پروردگار

با عزیزاں داغ فرقت داد در عین شباب
آستیں ہا از در اشک غمش سرمایہ دار

بندۂ حق بود ہم خدمت گزار قوم خویش
سال تاریخ وفات او زعفران آشکار

یہ عبدالحق کون ہیں؟

کتابیات

(اردو)

(۱) شبلی۔ سوانح مولوی روم۔ الناظر پریس لکھنؤ

(۲) شبلی۔ شعر العجم ج ۲ مطبوعہ مطبع فیض عام۔ علی گڑھ

(۳) شبلی۔ سیرت النبیؐ ج ۲ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۰ء

(۴) فرید الدین عطار مترجمہ عنایت اللہ تذکرۃ الاولیا اردو ملک دین محمد لاہور۔

(۵) عبد الرحمٰن جامی مترجمہ مولانا سید احمد علی نفحات الانس اردو ملک فضل الدین چنن دین لاہور۔

(۶) محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی سیرت الصدیق قاضی محمد رفیق پرنٹر و پبلشر مشین پریس بجنور۔

(۷) سید صباح الدین عبد الرحمٰن بزم صوفیہ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

(۸) شبلی۔ بیان خسرو دائرہ ادبیہ لکھنؤ ۱۹۲۲ء

(۹) مولانا عبید اللہ بسمل امرتسری ارجح المطالب مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ۱۳۵۱ھ

(۱۰) سید طفیل احمد منگلوری علیگ مسلمانوں کا روشن مستقبل مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۰ء

(۱۱) سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ مطبع رفاہ عام پریس ۱۹۰۸ء

(۱۲) مولانا نجم الدین سیوہاروی۔ سیرت الشافعی۔ دار الاشاعت مطبع دخانی رفاہ عام لاہور ۱۸۹۹ء

(۱۳) شبلی۔ سیرت النبیؐ حصہ اول طبع پنجم دار المصنفین اعظم گڑھ

(۱۴) مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی قصص القرآن ج ۴ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۳ء

(۱۵) دوست محمد خاں کامل خوشحال خاں خٹک ادارۂ اشاعت سرحد پشاور ۱۹۵۱ء
(۱۶) ایران بعہد ساسانیان مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۱ء
(۱۷) ڈاکٹر محمد عزیز دولت عثمانیہ جلد اول دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء
(۱۸) شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام ج ۲ دار المصنفین اعظم گڑھ
(۱۹) مولانا عبدالسلام ندوی امام رازی دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء
(۲۰) شبلی الفاروق افضل المطابع دہلی ۱۹۲۲ء
(۲۱) شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام جلد سوم دار المصنفین اعظم گڑھ۔
(۲۲) مصباح الدین احمد الہارون رحمانی پریس دہلی۔
(۲۳) سید سلیمان ندوی حیات امام مالک دار المصنفین اعظم گڑھ طبع دوم ۱۳۴۰ھ
(۲۴) شاہ معین الدین احمد ندوی مہاجرین حصہ دوم دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء
(۲۵) شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام حصہ چہارم دار المصنفین اعظم گڑھ
(۲۶) شبلی۔ شعر العجم سوم مطبع اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ طبع دوم
(۲۷) ریاست علی ندوی تاریخ اندلس حصہ اول دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء
(۲۸) مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن جلد دوم شیخ مبارک علی لاہور۔
(۲۹) تاریخ فلسفۂ جدید ج ۱ مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم دار الطبع جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد دکن ۱۹۳۱ء
(۳۰) تاریخ فلسفۂ جدید ج ۲ مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم دار الطبع جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد دکن ۱۹۳۴ء
(۳۱) ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی اضافیت انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۰ء
(۳۲) کتاب مقدس برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی انار کلی لاہور ۱۹۴۷ء
(۳۳) مولانا عبدالماجد دریا بادی تفسیر ماجدی ج اول و دوم مطبوعہ تاج
کمپنی لاہور و کراچی۔
(۳۴) حالی۔ یادگار غالب۔ شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۳۰ء

(۳۵) شیخ محمد اکرام آثار غالب تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی طبع چہارم

(۳۶) حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو لکشمی نرائن اگروال آگرہ ۱۹۴۱ء

(۳۷) معین الدین ندوی خلفائے راشدین دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

(۳۸) حاجی معین الدین ندوی مہاجرین حصہ اول دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

(۳۹) شاہ معین الدین احمد ندوی تابعین دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۷ء

(۴۰) عسکری، تاریخ ادب اردو مطبوعہ نولکشور لکھنؤ بار دوم

(۴۱) کنھیا لال تاریخ لاہور مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۸۴ء

(۴۲) محمد طاہر فاروقی سیرت اقبال قومی کتب خانہ لاہور طبع سوم ۱۹۴۹ء

(۴۳) محمود نظامی ملفوظات اقبال اشاعت منزل بل روڈ لاہور

(۴۴) پنڈی داس سوانح عمری سوامی رام تیرتھ۔

(۴۵) مولانا محمد سعید انصاری سیر الانصار حصہ اول دار المصنفین اعظم گڑھ

(۴۶) قاضی زین العابدین تاریخ ملت جلد سوم مطبوعہ محبوب المطابع
برقی پریس دہلی ۱۹۴۴ء

(۴۷) عبد المجید عتیقی نزکان اصرار طبع ہفتم کامل بکڈپو لاہور۔

(۴۸) سید الطاف علی حیات حافظ رحمت خاں۔

(۴۹) سید سلیمان ندوی حیات شبلی دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

(۵۰) شیخ محمد اکرام شبلی نامہ مطبوعہ تاج کمپنی بمبئی۔

(۵۱) محمد حسین آزاد دربار اکبری شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۴۷ء

(۵۲) حالی، حیات جاوید

(۵۳) حالی، حیات سعدی فرمان علی اینڈ سنز لاہور۔

(۵۴) خواجہ عباد اللہ اختر بیدل ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۵۲ء

(۵۵) عبد الحلیم شرر، فردوس بریں شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور۔

(۵۶) تاریخ الحکما مترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔

(۵۷) طالب الہ آبادی اکبر الہ آبادی۔

(۵۸) شبلی الغزالی اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ۔

(۵۹) حکمۃ الاشراق مترجمہ مرزا محمد ہادی دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۶۰) مولوی نور الحسن نیر نور اللغات نیر پریس پاٹانالہ لکھنؤ ۱۹۲۴ء

(۶۱) مولانا محمد نذیر عرشی مفتاح العلوم قریشی بک ایجنسی لاہور

(۶۲) نظامی بدایونی قاموس المشاہیر جلد اول مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۴ء

(۶۳) نظامی بدایونی قاموس المشاہیر جلد دوم مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۶ء

(۶۴) مولانا اکبر شاہ خاں۔ تاریخ اسلام جلد اول صوفی دار الاشاعت پنڈی بہاء الدین ۱۳۴۳ھ

(۶۵) سید سلیمان ندوی ارض القرآن جلد اول مطبع شاہی لکھنؤ

(۶۶) سید سلیمان ندوی ارض القرآن جلد دوم دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۱۸ء

(۶۷) قاضی محمد عبد الغفار آثار جمال الدین افغانی انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۰ء

(۶۸) محمود خاں بنگلوری تاریخ سلطنت خداداد (میسور) مطبوعہ کوثر پریس بنگلور۔

(۶۹) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مجدد کا نظریہ توحید۔

(۷۰) تاریخ ادبیات ایران مترجمہ سید سجاد حسین مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

(۷۱) سید سلیمان ندوی سیر افغانستان نفیس اکیڈیمی حیدرآباد دکن ۱۹۴۵ء

(۷۲) مولانا سید حسین احمد مدنی نقش حیات جلد اول مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

(۷۳) صحیفۂ زریں۔

(۷۴) شخصیات نمبر (نقوش)

(۷۵) قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ للعالمین

(۷۶) شیخ عطاء اللہ۔ اقبال نامہ حصہ اول مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور۔

(۷۷) سید بادشاہ حسن مشاہیر ہند۔

(۷۸) محمد عزیز الرحمٰن صبح صادق عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور طبع ثانی ۱۹۴۳ء

(۷۹) شیخ عبدالقادر دیباچہ بانگ درا۔
(۸۰) نظام الدین مجددی۔ مجدد الف ثانی
(۸۱) خواجہ عبدالمجید جامع اللغات جامع اللغات کمپنی لاہور۔
(۸۲) مولانا عبدالسلام ندوی اقبال کامل دارالمصنفین اعظم گڑھ
(۸۳) غلام دستگیر رشید آثار اقبال
(۸۴) محمد احمد خاں اقبال کا سیاسی کارنامہ
(۸۵) حکایت فلسفہ مترجم مولوی احسان احمد مطبوعہ حیدر آباد دکن

رسائل

(۱) نیرنگ خیال اقبال نمبر
(۲) مخزن ۱۹۵۰ء
(۳) الہلال ۱۳ر نومبر ۱۹۱۲ء
(۴) مخزن اگست ۱۹۰۲ء
(۵) علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء

(فارسی)

(۱) آقای دکتر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران مطبع فردین طہران ۱۳۱۲ھ ش
(۲) سیر الاقطاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۳) غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا مطبع ثمر ہند لکھنؤ
(۴) داراشکوہ سفینۃ الاولیا مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۵) حافظ ابن قیم۔ الجواب والکافی
(۶) ثعالبی مطبوعہ پریس ۱۹۰۰ء
(۷) ابن حجر عسقلانی لسان المیزان دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۶۹ھ
(۸) نور اللہ شوستری مجالس المومنین تہران ۱۲۹۹ھ

(۹) مسعودی مروج الذہب شائع کردہ مصطفےٰ محمدؐ مصر ۱۹۴۸ء

(۱۰) طبری مطبوعہ پریس ۱۹۰۱ء

(۱۱) یوسف الیان سرکیس معجم المطبوعات العربیہ والمعربیہ مطبعۃ سرکیس بمصر ۱۳۴۶

(۱۲) تذکرہ دولت شاہ شیخ مبارک علی لاہور بار اول ۱۹۲۴ء

(۱۳) شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ

(۱۴) شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۸ء

(۱۵) نواب سید صدیق حسن اتحاف النبلا مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ

(۱۶) تاریخ ابن الاثیر مطبع منیریہ مصر حصہ اول ۱۳۴۹ھ

(۱۷) ابن العماد شذرات الذہب مکتبہ قدسی ۱۳۵۰ھ

(۱۸) امام شعرانی۔ طبقات الکبریٰ طبع مصر ۱۲۸۶ھ

(۱۹) مآثر عالمگیری بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۷۰ء

(۲۰) ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۸ھ

(۲۱) عبدالبر الاشیعات دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن طبع اول ۱۹۲۱ء

(۲۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخبار مطبع احمدی لسعی شیخ ظفر علی۔

(۲۳) ابن خلکان فوات الوفیات مطبع بولاق مصر ۱۲۹۹ھ

(۲۴) مقری نفح الطیب مطبوعہ لیڈن

(۲۵) کتاب الامامۃ والسیاسہ بمطبعۃ الفتوح الادبیۃ محمدؐ مصطفےٰ مصر

(۲۶) شیخ محمد اکرام ارمغان پاک چاپ خانہ دین محمدی لاہور۔

(۲۷) آزاد بلگرامی سرو آزاد مطبع دخانی رفاہ عام لاہور طبع اول ۱۹۱۳ء

(۲۸) جوینی تاریخ جہانگشائے مطبع بریل لیڈن ۱۹۱۱ء

(۲۹) مرزا فرحت شیرازی آثار عجم سپہر مطلع ناصری بمبئی ۱۳۶۴ء

(۳۰) یاقوت الحموی معجم البلدان بمطبعۃ العادۃ طبع اول مصر ۱۳۲۴ھ

(۳۱) مولوی احمد عبدالعزیز نائطی آصف اللغات مطبع عزیز المطابع حیدرآباد دکن ۱۳۲۶

(۳۲) دہخدا لغت نامہ چاپ خانۂ مجلس تہران ۱۳۲۵ خورشیدی

(۳۳) آذر اصفہانی آتشکدۂ آذر مطبوعہ بمبئی۔

(۳۴) نواب سید صدیق حسن شمع انجمن مطبع رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ء

(۳۵) محمد یوسف علی روز روشن مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۷ھ

(۳۶) رضا قلی ہدایت مجمع الفصحا شائع کردہ میر محمد باقر تہران ۱۲۹۵ھ

(۳۷) شرح دیوان امیر المومنین تالیف میر حسن میبذی مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ھ

(۳۸) سیرۃ ابن ہشام بہامش الروض الانف

(۳۹) سیر الاولیا مطبع محب ہند دہلی شعبان ۱۳۰۲ھ

(۴۰) سیر العارفین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

(۴۱) ابن کثیر البدایہ والنہایہ مطبعۃ السعادۃ بمصر طبع اول ۱۳۵۱ھ

(۴۲) شیخ عبد اللہ بستانی البستان جلد دوم بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

(۴۳) ابن بغدادی سبائک الذہب شائع کردہ مصطفےٰ محمد مصر

(۴۴) ابن قتیبہ کتاب الشعر والشعرا۔ مطبع بریل لیڈن ۱۹۰۲ء

(۴۵) مصطفےٰ الغلاینی رجال المعلقات العشر مطبوعہ بیروت

(۴۶) نواب محمد یار جنگ بہادر احسن السبک مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

(۴۷) مآثر الامرا ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۸۱ء

(۴۸) محمد اعظم تاریخ کشمیر اعظمی مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۳ھ

(۴۹) تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

(۵۰) طبقات اکبری مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

(۵۱) عماد الدین اصفہانی دولت آل سلجوق مطبوعہ موسوعات مصر ۱۹۰۰ء

(۵۲) احمد حسن الزیات تاریخ الادب العربی

(۵۳) علی اکبر دہخدا کتاب امثال و حکم چاپ ابن سینا

(۵۴) فرید الدین عطار مصیبت نامہ مطبع نور مشہد ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ

(۵۵) کلیات انوری مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۵۶) نہج البلاغتہ حصّہ اول مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبری بمصر
(۵۷) محمد افضل سرخوش کلمات الشعرا مطبوعہ مبارک علی لاہور ۱۹۴۲ء
(۵۸) حسن السندوبی شرح دیوان امرالقیس مطبوعہ قاہرہ۔
(۵۹) مدرس رضوی دیوان سنائی
(۶۰) کلیات صائب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔
(۶۱) مثنوی معنوی دفتر اول سوم پنجم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔
(۶۲) دیوان ہلالی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۶۲) امام رازی فضائل شافعی (قلمی)
(۶۴) میدانی مجمع الامثال
(۶۵) کلیات غالب فارسی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۶۶) بہارعجم ج ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
(۶۷) کلیات دیوان حکیم قاآنی شیرازی چاپ خانہ علمی تہران ۱۳۱۸ خ
(۶۸) محمد عوفی لباب الالباب جلد دوم مطبوعہ بریل لیڈن ۱۹۰۳ء

(عربی)

(۱) ابن ماجہ اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۵ھ

(۲) مشکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۴ھ

(۳) ابو داؤد مع عون المعبود مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۸ھ

(۴) حافظ عبد الرحمٰن سخاوی المقاصد الحسنہ مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۴ھ

(۵) خصائص کبری دائرۃ المعارف طبع اول حیدر آباد دکن

(۶) بخاری اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء)

(۷) ترمذی مطبع مجتبائی دہلی۔

(۸) حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ششم مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۸ھ

(۹) امام حنبل مسند

(۱۰) ابن حجر عسقلانی بلوغ المرام مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ

(۱۱) کنز العمال جلد دوم دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۲ھ

(۱۲) عبد الروف مناوی کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق برحاشیہ الجامع الصغیر للسیوطی مطبوعہ مصر طبع کردہ مصطفےٰ بابی ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء)

(۱۳) محمد ابن السید درویش استی المطالب مطبوعہ مصر طبع کردہ مصطفےٰ محمد ۱۳۵۵ھ

(۱۴) للسیوطی الجامع الصغیر مطبوعہ مصر طبع کردہ مصطفےٰ بابی ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء)

(۱۵) فتح الباری جلد ششم مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ

(۱۶) ملا علی قاری المصنوع فی احادیث الموضوع مطبع محمدی لاہور

(۱۷) مولانا فتح محمد جالندھری فتح الحمید (ترجمہ قرآن مجید) مطبوعہ تاج کمپنی لاہور۔

(۱۸) جمع الفوائد جلد دوم طبع میرٹھ۔

(۱۹) ملا علی قاری موضوعات کبیر مطبع مجتبائی دہلی۔
(۲۰) مسلم جلد دوم مطبع علیمی دہلی
(۲۱) مظاہر حق ترجمۂ مشکوٰۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔
(۲۲) معالم التنزیل مطبع حیدری بمبئی ۱۲۹۵ھ
(۲۳) علامہ ابن الدیبع تمیز الطیب طبع مصر
(۲۴) مسند احمد جلد اول مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۴۹ء
(۲۵) عون المعبود شرح سنن ابی داؤد مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ
(۲۶) ابو داؤد مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۹ھ

اشاریہ

(ا)

۱۔ آرنلڈ۔ ۱۶، ۱۸۷، ۳۲۸، ۳۴۷، ۳۴۸،
۳۵۴
۲۔ آفتاب اقبال۔ ۱۹
۳۔ اکبر (الہ آبادی) ص ۲۰، ۳۲۱
۴۔ انصاری۔ مختار احمد (ڈاکٹر) ص ۲۰
۳۵۶، ۳۹۱
۵۔ اجمل خاں (حکیم) ص ۲۰، ۳۵۶
۶۔ ارشد گورگانی (مرزا) ص ۲۲
۷۔ ابوالکلام آزاد (مولانا) ص ۲۳
۸۔ امیر علی (سید) ص ۲۱
۹۔ انی جاعل (قرآن) ص ۲۹، ۷۴
۱۰۔ ابراہیم (حضرت) ص ۳۵، ۴۲، ۵۵،
۸۹، ۲۱۳، ۳۳۱، ۳۳۲
۱۱۔ آذر۔ ۳۳۱
۱۲۔ آفل (قرآن) ۳۶، ۴۱، ۶۹
۱۳۔ اقراء (قرآن) ۳۷
۱۴۔ انی الرحمن عبدا (قرآن)۔ ۳۹
۱۵۔ ابکم (قرآن)۔ ۳۹
۱۶۔ اخوۃ (قرآن)۔ ۴۴
۱۷۔ ان یطغوا (قرآن) ۴۸
۱۸۔ ای شی نکر (قرآن)۔ ۵۰
۱۹۔ انتم الاعلون (قرآن)۔ ۵۳
۲۰۔ ارنی (قرآن)، ۵۷، ۸۴
۲۱۔ آدم (حضرت)، ۵۸، ۳۴۴، ۳۵۰، ۳۷
۲۲۔ ان الملوک (قرآن)۔ ۶۵
۲۳۔ ان وعد اللہ حق (قرآن)۔ ۶۶
۲۴۔ ان عرضنا (قرآن)۔ ۶۹
۲۵۔ الست (قرآن) ۶۹
۲۶۔ ادعونی (قرآن)۔ ۷۰
۲۷۔ انی قریب (قرآن)۔ ۷۱، ۸۰
۲۸۔ الا بسلطان (قرآن)۔ ۷۱
۲۹۔ اعجاز نخل خاویۃ (قرآن) ۷۴
۳۰۔ الارض للہ (قرآن)۔ ۷۴
۳۱۔ اولی الامر منکم (قرآن) ۸۰
۳۲۔ اسمٰعیل (حضرت) ۸۱، ۸۴، ۳۰، ۳۷
۳۳۔ افلاطون۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۵۰
۳۴۔ الیاس (حضرت) ۸۷، ۳۸۴
۳۵۔ احسن تقویم (قرآن) ۸۹
۳۶۔ انظر (قرآن)۔ ۹۰

۳۷- الحکم للّٰہ، الملک للّٰہ۔ (قرآن) ۹۳

۳۸- او ادنیٰ (قرآن)۔ ۹۶

۳۹- امن الناس (حدیث) ۱۰۸

۴۰- الفقر فخری۔ ۱۱۰

۴۱- آئن اسٹائن۔ ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

۴۲- انگلز۔ ۱۳۲

۴۳- ارسطو۔ ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰/۲، ۱۵۲

۴۴- اشراقی۔ ۱۴۸

۴۵- اشعری (امام)۔ ۱۴۹

۴۶- اسپنوزا۔ ۱۵۶

۴۷- ابن رشد۔ ۱۵۸

۴۸- ابو حنیفہ (امام)۔ ۱۶۰، ۳۶۵

۴۹- الوقت سیف (مقولہ)۔ ۱۶۰

۵۰- اکبر (بادشاہ) ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۸۰

۵۱- ابو الفضل۔ ۱۶۳، ۲۹۱

۵۲- الفنسٹن (مورخ)۔ ۱۶۳

۵۳- ابو بکر صدیق (حضرت) ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۳/۲، ۲۰۸، ۲۳۶

۵۴- ابو عبید (حضرت)۔ ۱۹۸، ۲۳۶، ۲۳۷

۵۵- ابو جعفر المنصور عباسی، ۱۷۱، ۱۷۲

۵۶- ام کلثوم (حضرت) ۱۷۲

۵۷- اقلل من الدنیا (مقولہ) ۱۷۳

۵۸- ابن طقطقی، ۱۷۴

۵۹- آیرین (ملکہ)۔ ۱۷۵

۶۰- ابن خلکان۔ ۱۷۶

۶۱- ابن مسعود (حضرت)۔ ۱۷۸، ۱۷۹

۶۲- ابو لہب۔ ۱۸۰، ۳۷۴

۶۳- ابن ہشام۔ ۱۸۰

۶۴- ابو سفیان (حضرت) ۱۸۰

۶۵- امان اللہ خاں۔ ۱۸۱، ۲۴۳

۶۶- البیرونی۔ ۱۸۷

۶۷- ارژنگ۔ ۱۸۷/۲

۶۸- ارجن۔ ۱۹۶

۶۹- اشوک۔ ۱۹۷

۷۰- ارم۔ ۲۰۱

۷۱- ابراہیم لودھی۔ ۲۰۲

۷۲- الیزبتھ دوم۔ ۲۰۲

۷۳- احمد شاہ ابدالی۔ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۴۲، ۲۴۳

۷۴- الپ ارسلان۔ ۲۱۰، ۲۳۰

۷۵- ابو طالب۔ ۲۱۲

۷۶- ایڈورڈ ہفتم۔ ۲۱۳

۷۷- امیر فیصل ۲۱۴

۷۸- ایبک (قطب الدین) ۲۱۵

۷۹- ابن سعود (عبدالعزیز) ۲۲۱، ۲۲۲

۸۰- "اصلاح دین" ۲۳۵

۸۱ - الفانسو - ۲۳۷

۸۲ - اردشیر - ۲۳۹

۸۳ - ابراہیم (سلطان) ۲۴۲

۸۴ - اسمٰعیل (صفوی) - ۲۴۴

۸۵ - ابوالہول - ۲۴۴

۸۶ - ارقم (حضرت) - ۲۴۶

۸۷ - امیر حمزہ (حضرت) ۲۴

۸۸ - ایڈورڈ ہشتم - ۲۴۷

۸۹ - ایمرسن - ۲۸۰

۹۰ - امیر مینائی - ۲۸۳

۹۱ - ابن بدرون - ۲۸۶، ۲۸۷

۹۲ - انیس شاملو - ۲۸۷

۹۳ - ابراہیم عادل شاہ - ۲۹۲

۹۴ - ابن جوزی (ابوالفضل عبدالرحمٰن) ۲۹۳ -

۹۵ - امرءالقیس ۳۰۲

۹۶ - اورنگ زیب - ۳۰۶، ۳۰۸

۹۷ - انوری - ۳۱۴

۹۸ - ایوب (حضرت) ۲۳۶

۹۹ - احمد رفاعی (شیخ) ۳۴۰

۱۰۰ - اویس قرنی (حضرت) ۳۴۸

۱۰۱ - ایاز - ۳۵۲

۱۰۲ - ایوب انصاری (حضرت) ۳۵۳ ۳۵۴

۱۰۳ - آغا خان (سر) ۳۵۹ ۳۶۰

۱۰۴ - اسرافیل - ۳۶۱

۱۰۵ - ابوجہل - ۳۶۴

۱۰۶ - احمد سرہندی (حضرت) ۳۶۸،
۳۶۹، ۳۷۸

۱۰۷ - اسٹنڈل - ۳۷۷

۱۰۸ - اکبر حیدری (سر)
۳۷۹

۱۰۹ - اقبال (حاجب، درگاہ نظام الدین
اولیا) ۳۸۳

۱۱۰ - ابوہریرہ (حضرت) ۳۸۴، ۳۸۵

۱۱۱ - افتخار الدین (فقیر) ۳۲۳، ۳۸۷

۱۱۲ - امداد امام اثر - ۳۸۸

ب

۱ - براؤن ۱۷

۲ - برگسوں (برگساں) ۲۴، ۱۳۵،
۱۳۷، ۱۳۸

۳ - بالعدل والاحسان (قرآن) ۴۶

۴ - بئس القرار (قرآن) ۴۷

۵ - بلیٰ (قرآن) - ۶۹

۶ - بعل (بت) - ۷، ۲۲۰، ۲۲۱

۷ - برزخ لایبغیان (قرآن) ۶۳

۸ - بیکن - ۱۵۱

۹ - بھنڈارکر (سر آر۔ جی) - ۱۵۲

۱۰- بلعمی - ۱۶۷

۱۱- باقر (امام) ۱۷۱

۱۲- بہاء الدین بن شداد - ۱۸۴

۱۳- بہرام اول - ۱۸۷ ، ۲۲۹

۱۴- بسمارک - ۱۹۱

۱۵- بکرماجیت - ۲۰۱ ، ۳۰۴

۱۶- بابر (بادشاہ) ۲۰۲ ، ۲۴۲

۱۷- بوالحسن (حضرت علی) - ۲۳۴

۱۸- بچہ سقہ - ۲۴۳

۱۹- بت خانۂ بہزاد - ۲۴۴

۲۰- بوداسف - ۲۴۸

۲۱- بہاالدین زکریا (حضرت) ۲۶۸

۲۲- بصیری - ۲۶۹

۲۳- بائرن (شاعر) ۲۷۶

۲۴- براؤننگ (شاعر) ۲۷۸

۲۵- بیدل (عبدالقادر) - ۲۹۳

۲۶- بھرتری - ۳۰۴

۲۷- بالمیک - ۳۲۱ ، ۳۲۲

۲۸- بسطام (بایزید) - ۳۲۷

۲۹- بوعلی (قلندر حضرت) - ۳۲۷ ، ۳۲۸

۳۰- "نبات آشیاں" - ۳۲۸

۳۱- بلال (حضرت) - ۳۳۵

۳۲- بوذر (حضرت) - ۳۳۷ ، ۳۳۸

۳۳- بشیر احمد (میاں) - ۳۵۷

۳۴- بوسعید (حضرت) - ۳۶۵

۳۵- بہاء اللہ ۳۷۱/۲

۳۶- بہاول خاں (نواب) - ۳۸۲

پ

۱- پوپ - ۱۴۵

۲- پوران درخت - ۱۶۸

۳- پورس - ۲۰۹/۲

۴- پروکوپیس - ۲۱۷

۵- پرویز (خسرو) - ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، ۲۳۳

۶- پاؤنڈ - ۲۳۵

۷- پٹوفی (سینڈر شاعر) - ۲۷۷

۸- پطرس - ۳۶۱

۹- پال (سینٹ) ۳۶۱

ت

۱- تب علینا (قرآن) ۳۴

۲- توارت بالحجاب (قرآن) - ۵۴

۳- تسنیم - ۵۶

۴- تیج بہادر (سپرو) ۳۷۸

ٹ

۱- ٹالسٹائے ۱۳۰ ، ۱۳۱

۲- ٹینی سن - ۱۴۴

۳- ٹرائسکی - ۱۹۱

۴- ٹیپو سلطان - ۲۲۸، ۲۲۹/۵

ث

۱- ثعالبی - ۱۶۷

ج

۱- جاوید اقبال - ۱۲۰، ۳۷۰
۲- جگندر سنگھ (سردار) - ۲۰، ۳۵۵،
۳۵۶
۳- جبریل (حضرت) ۸۹، ۳۴۳-
۴- جونز (ولیم سر) ۱۴۴
۵- "جہاں دوست" (دوشواستر)- ۱۵۴،
-۳۶۳
۶- جنید - ۱۵۷
۷- جادو ناتھ سرکار - ۱۶۲
۸- جاپان - ۱۶۸
۹- جعفر (امام حضرت) - ۱۷۱
۱۰- جولین (کاؤنٹ) ۱۸۴
۱۱- جوینی - ۱۸۹
۱۲- جام جم - ۱۹۴، ۲۳۴
۱۳- جمشید - ۱۹۴، ۲۳۴
۱۴- جوزیفس - ۲۱۷
۱۵- جہانگیر (بادشاہ) - ۲۴۰، ۲۴۱
۱۶- جمیعت الاقوام - ۲۵۱
۱۷- جمال الدین (افغانی) ۲۵۴
۱۸- جناح (محمد علی) ۲۶۰، ۲۹۱
۱۹- جامی - ۲۶۳، ۲۶۴
۲۰- جلال الدین خلجی - ۳۲۸
۲۱- جنید بغدادی (حضرت) ۳۶۶
۲۲- جگندر سنگھ - ۲۰

چ

۱- چیپسن - ۱۳۵
۲- چنگیز - ۱۸۸
۳- چاہ بابل - ۲۱۸
۴- چندا صاحب - ۲۳۲

ح

۱- حالی - ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۸۵
۲- حسن نظامی (خواجہ) - ۲۲، ۳۹۲
۳- حسن المآب (قرآن) - ۳۱
۴- حتیٰ تنفقوا (قرآن) ۳۲، ۵۰، ۷
۵- حبل الورید (قرآن) ۴۳
۶- حبل اللہ (قرآن) ۵۰
۷- حسین (حضرت) ۸۴، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲
۸- حاتم طائی - ۱۵۹
۹- حسن (حضرت) ۱۶۲
۱۰- حیدر علی - ۲۲۴، ۲۲۸
۱۱- حلیم پاشا - ۲۵۵
۱۲- حافظ شیرازی - ۲۸۹

۱۳- حسن بن صباح - ۳۰۳
۱۴- حسام الدین چلپی - ۳۲۹
۱۵- حلاج (منصور) - ۳۴۶
۱۶- حام - ۲۶۵
۱۷- حسین احمد مدنی (مولانا) - ۳۸۰
۱۸- حمید اللہ خاں (نواب) ۳۲۵، ۳۸۹

خ

۱- خاضعین (قرآن) ۳۸
۲- خیر کثیر (قرآن) ۴۰، ۵۴، ۴۷
۳- خصیم مبین (قرآن) - ۵۵
۴- خلق عظیم (قرآن) ۸۶
۵- خضر (حضرت) - ۸۷، ۱۹۲، ۳۴۴
۶- خوارزمی - ۱۶۷
۷- خدیجہ (حضرت) - ۱۷۲، ۲۱۲
۸- خواجہ بدر و حنین (رسول اکرم صلعم) - ۲۱۱
۹- خسرو (امیر) - ۲۶۵
۱۰- خوشحال خاں - ۳۰۶
۱۱- خاقانی - ۳۱۵
۱۲- خالد بن ولید (حضرت) ۳۳۶، ۳۴۲
۱۳- خطیب بغدادی - ۳۳۸، ۳۳۹

د

۱- داغ - ۲۱، ۲۸۳
۲- دار البوار (قرآن) - ۴۷
۳- داؤد (حضرت) - ۵۵، ۳۴۳
۴- دیمقراطیس - ۱۴۵
۵- دارا شکوہ - ۱۶۴، ۱۶۵
۶- درفش کاویانی - ۱۶۶
۷- دینوری - ۱۹۰
۸- دارا (سوم) - ۱۹۵، ۲۰۹
۹- درخیبر - ۲۰۲
۱۰- دشرتھ - ۲۰۳
۱۱- دقیقی - ۳۱۱
۱۲- درد (میر) - ۳۲۴
۱۳- داتا گنج بخش - ۳۳۰
۱۴- دیلمی - ۳۳۹

ڈ

۱- ڈیوک - ۲۴، ۲۵
۲- ڈیکارٹ - ۱۵۶
۳- ڈوئچ - ۳۵۶

ذ

۱- ذوالفقار علی خاں (نواب سر) ۲۰، ۲۵۵
۲- ذبح عظیم (قرآن) - ۳۲

ر

۱- رحمۃ للعالمین (قرآن) ۴۹
۲- رب زدنی (قرآن) - ۵۴
۳- رفعنا لک ذکرک (قرآن) - ۶۲

۴- رازی - ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۷

۵- رام - ۱۵۴، ۲۰۳

۶- رستم - ۱۶۸، ۲۳۰

۷- راڈرک - ۱۸۶

۸- رنگٹن - ۱۹۹

۹- رُہیلہ - ۲۰۶

۱۰- روسو - ۱۸۵، ۲۳۷

۱۱- راناسانگا - ۲۴۲

۱۲- رضاشاہ پہلوی - ۲۵۶

۱۳- رشی (مہاتما گاندھی) ۲۵۷

۱۴- رومی (جلال الدین) - ۲۶۲، ۴۰۲، ۴۰۹

۱۵- رضی دانش (میر) - ۲۹۱

۱۶- رام تیرتھ (سوامی) - ۳۵۱، ۳۵۲

۱۷- ریڈنگ (لارڈ) - ۲۵۶

۱۸- رشید احمد گنگوہی (مولانا) - ۲۹۱

ز

۱- زہرا (حضرت) - ۱۷۱

۲- زینب (حضرت) ۱۷۱

۳- زرتشت - ۲۱۸، ۲۱۹

۴- زہیر (شاعر) - ۳۰۱

۵- زلیخا - ۳۴۴

۶- زین العابدین (حضرت امام) - ۳۶۷

۷- زمخشری (محمود بن عمر) - ۳۷۳

س

۱- سارلے - ۱۷

۲- سنیکل - ۱۸

۳- سلیمان (ندوی، مولانا) - ۲۰

۴- سائمن کمیشن - ۲۷

۵- سبحان الذی اسریٰ (قرآن) - ۳۳

۶- سدرہ (قرآن) - ۵۶

۷- سقراط - ۱۲۶

۸- سلسبیل (قرآن) ۶۱

۹- سینٹ سائمن - ۱۳۶

۱۰- سریا نرائن - ۱۴۵

۱۱- سینا (بوعلی) - ۱۴۵، ۱۴۶

۱۲- سکندر - ۱۵، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۰۹

۱۳- سعد بن ابی وقاص (حضرت) ۱۶۶، ۱۶۷

۱۴- سلیمان اعظم - ۱۶۹

۱۵- سبکتگین - ۱۸۶

۱۶- سنوسی - ۲۰۵، ۲۱۴

۱۷- سراج الدولہ - ۲۰۷، ۲۲۳

۱۸- ساحر الموط (حسن بن صباح) - ۲۱۰، ۲۱۱

۱۹- سوری (شیر شاہ) - ۲۱۶

۲۰- سد سکندری - ۲۱۷

۲۱- سائرس - ۲۱۷، ۲۱۸

۲۲- سنجر (سلطان) - ۲۳۱، ۳۱۴

۲۳-سلیم (سلطان) - ۲۳۸
۲۴-سعدی - ۲۹۳
۲۵-سعد زنگی - ۲۹۳
۲۶-سنائی - ۳۰۸، ۴۱۰
۲۷-سلمان (سعد سعود) - ۳۰۸
۲۸-سرمد - ۳۱۹، ۳۲۰
۲۹-سلمیٰ - ۳۲۹
۳۰-سید ہجویر (داتا گنج بخش) ۳۳۰، ۴۱۰
۳۱-سلمان فارسی (حضرت) - ۳۳۴، ۳۳۵
۳۲-سید احمد خاں - ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۰
۳۷۸
۳۳-سامری - ۳۶۲
۳۴-سحبان - ۳۶۴
۳۵-سام - ۳۶۶
۳۶-سید علی ہمدانی - ۳۶۹، ۳۷۰
۳۷-سراج الدین (منشی) ۳۸۲
۳۸-سلطان احمد (مرزا) - ۳۸۷

ش

۱-شاتت - ۱۸
۲-شبلی - ۲۰، ۲۹۰، ۳۴۸
۳-شفیع (محمد، سر) - ۲۰، ۲۲، ۳۵۶
۴-شاہد علی الناس (قرآن)، ۳۶
۵-شراب طہور (قرآن) - ۶۱
۶-شعیب (حضرت) - ۸۴، ۹۲، ۳۷۳
۳۷۴
۷-شوپنہار - ۱۲۸، ۱۲۹
۸-شیلنگ - ۱۳۳
۹-شنکر آچاریہ) ۱۵۲، ۱۵۳
۱۰-شافعی (امام) - ۱۵۹، ۴۰۹
۱۱-شاہ جہاں - ۱۶۲ تا ۱۶۴
۱۲-شہریار - ۱۶۵
۱۳-شبیر (حضرت) - ۱۷۰
۱۴-شاپور - ۱۸۶
۱۵-شاپور اول - ۱۸۷، ۲۳۰
۱۶-شیریں - ۱۹۵
۱۷-شداد - ۲۰۱
۱۸-شکری پاشا - ۲۰۶
۱۹-شاہ عالم ثانی - ۲۰۷
۲۰-شہاب الدین غوری - ۲۱۵، ۲۳۵، ۲۳۶
۲۱-شرف النساء - ۲۴۵
۲۲-شہاب الدین - ۲۴۶
۲۳-شیرویہ - ۲۳۳
۲۴-شمس تبریزی - ۲۶۲، ۳۳۳
۲۵-شہاب الدین سہروردی - ۲۶۸، ۲۹۳
۲۶-شیکسپیر - ۲۹۴
۲۷-شہاب الدین (اسر) ۳۵۶

۲۸-شوکت علی (مولانا)- ۳۵۶

۲۹-شبلی (ابوبکر حضرت)- ۳۷۰

۳۰-شاہ نواز (محمد)-۳۹۳

ص

۱-صبغۃ اللہ (قرآن)- ۳۵، ۸۸

۲-صلاح الدین ایوبی-۱۸۳

۳-صائب- ۲۹۲

ض

۱-ضحاک- ۱۶۷، ۲۱۵

۲-ضرار بن الخطاب- ۱۶۷

۳-ضابطہ خان- ۲۰۶

ط

۱-طعرابیتی (قرآن)-۴۲

۲-طوسی- ۱۴۹

۳-طبری- ۱۶۷

۴-طارق بن زیاد- ۱۸۴

۵-طہماسپ دوم- ۲۲۷

۶-طغرل- ۲۳۰

ظ

۱-ظاہر شاہ (محمد)- ۲۴۳

۲-ظہوری- ۲۹۲

۳-ظفر خان- ۲۹۲

ع

۱-علی بخش- ۱۹

۲-عبدالقادر (سر)- ۲۰، ۲۳، ۳۵۳،
۳۵۶

۳-علم الاسماء (قرآن)-۳۳، ۵۴، ۷۰، ۹۱

۴-عربی- ۵۳، ۱۸۰

۵-عیسیٰ (حضرت)- ۶۹، ۳۴۰، ۳۶۱

۶-عدی بن حاتم- ۱۵۹

۷-عالمگیر (اورنگزیب)- ۱۶۲، ۱۶۴

۸-عبدالقادر (ملا بدایونی)- ۱۶۳

۹-عمر (حضرت)- ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۸۲، ۲۰۸،
۲۴۶، ۲۴۷

۱۰-علی (حضرت)- ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۴

۱۱-عبدالعزیز بن عمر (حضرت)- ۱۷۱

۱۲-عبدالرحمٰن بن ابوبکر (حضرت)- ۱۷۱

۱۳-عبداللہ بن زبیر (حضرت) ۱۷۱، ۲۰۴

۱۴-عثمان (حضرت)- ۲۰۵، ۲۱۲، ۳۸۴

۱۵-عقبہ بن نافع- ۲۰۳

۱۶-عنتر- ۲۱۰

۱۷-عبداللہ (حضرت)- ۲۱۱

۱۸-عدنان- ۲۲۰

۱۹-عسر- ۲۲۱

۲۰-عبدالصمد- ۲۴۵

۲۱- عبدالرحمٰن اول - ۲۳۸
۲۲- عبدالحمید خاں (سلطان) - ۲۵۱
۲۳- عبدہٗ (مفتی محمد) - ۲۵۴
۲۴- عطّار - ۲۶۳
۲۵- عراقی - ۲۶۸
۲۶- عرفی - ۲۷۱
۲۷- عبدالرحیم خاں خاناں - ۲۷۱
۲۸- عرشی (ملا) - ۲۸۹
۲۹- عمرو بن کلثوم - ۳۱۶
۳۰- عزت بخاری - ۳۱۶
۳۱- علاء الدین خلجی - ۳۲۸
۳۲- عثمان ہارونی - ۳۳۱
۳۳- عبدالحکیم (ملا) - ۳۳۲
۳۴- عطا محمد (شیخ) - ۳۵۰
۳۵- عکرمہ (حضرت) - ۳۶۴
۳۶- علی محمد (باب) - ۳۷۶
۳۷- عبدالصمد (ککڑو) - ۳۸۲
۳۸- عطیہ بیگم - ۳۸۵
۳۹- علی امام (سید) - ۳۸۸
۴۰- عبدالوہاب انصاری (حکیم نابینا) - ۳۹، ۳۹۱
۴۱- عثمان علی خاں (میر) - ۳۹۴

غ

۱- غلام السیدین (خواجہ) - ۲۰
۲- غزالی - ۱۵۷، ۱۵۸
۳- غلام قادر خاں رہیلہ - ۲۰۷
۴- غازی الدین خاں - ۲۰۷
۵- غوری (سلطان شہاب الدین) - ۲۳۵، ۲۳۶
۶- غنی (کاشمیری) - ۲۷۴
۷- غالب - ۲۷۹
۸- غلام احمد (مرزا) - ۳۷۲
۹- غلام حسن - ۳۸۲

ف

۱- فرائنیس - ۱۸
۲- فضل حسین (سر) - ۲۰، ۲۲
۳- فحشا و بغی و منکر (قرآن) - ۳۲
۴- فی القصاص (قرآن) - ۴۵
۵- فطرۃ اللہ (قرآن) - ۸۹
۶- فاصبحتم (قرآن) - ۹۰
۷- فرشتے - ۱۲۸
۸- فارابی - ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
۹- فلاطوفس - ۱۴۸
۱۰- فیثاغورث - ۱۴۸
۱۱- فریدوں - ۱۶۶ - ۱۶۷
۱۲- فردوسی - ۱۶۷، ۱۸۳، ۱۸۷، ۳۱۱

۱۳- فرعون- ۱۶۹

۱۴- فیروز (ابولولو)- ۱۸۲

۱۵- فریڈرک سوم- ۱۹۱

۱۶- فیلقوس- ۱۹۲

۱۷- فرہاد- ۱۹۵، ۱۹۶

۱۸- فیراڈے- ۱۹۹

۱۹- فاطمہ بنت عبداللہ- ۲۰۵

۲۰- فلاطوس- ۲۲۰

۲۱- فواد (اسمٰعیل)- ۲۲۱

۲۲- فاروق (شاہ مصر)- ۲۲۱، ۲۴۵

۲۳- فیصل (الحسین)- ۲۲۲

۲۴- فاطمہ (خواہر عمر) ۲۴۶

۲۵- فاطمہ جناح- ۲۶۱

۲۶- فارابی- ۲۷۲

۲۷- فیضی- ۲۹۱، ۲۹۲

۲۸- فریدالدین گنج شکر- ۳۴۹

۲۹- فضل حسین (میاں)- ۳۵۴، ۳۵۶

۳۰- فضیل بن عیاض- ۳۶۵

۳۱- فیروزالدین طغرائی (حکیم)- ۳۹۰

ق

۱- قالوا بلیٰ (قرآن)- ۴۵، ۴۸

۲- قل ہو اللہ (قرآن) ۴۶، ۹۱

۳- قلب سلیم (قرآن)- ۶۲

۴- قل العفو (قرآن)- ۹۲

۵- قاب قوسین (قرآن)- ۹۷

۶- قباد- ۱۸۶

۷- قیصر ولیم- ۱۹۱، ۲۰۶

۸- قیصر روم- ۲۰۵

۹- قیدار- ۲۲۰

۱۰- قرۃ العین- ۳۰۳

۱۱- قاآنی- ۳۱۱

۱۲- قنبر (حضرت)- ۳۳۸

ک

۱- کشن پرشاد (مہاراجہ سر)- ۲۰، ۳۸۶

۲- کذاب اشر (قرآن)- ۳۰

۳- کوثر- ۵۶، ۱۰۲

۴- کن (قرآن)- ۵۶

۵- کم بستم (قرآن)- ۶۸

۶- کل یوم (قرآن)- ۷۵

۷- کارل مارکس- ۱۳۱، ۱۳۲

۸- کانٹ- ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۲

۹- کومٹ- ۱۳۵، ۱۳۷

۱۰- کاوہ- ۱۶۷

۱۱- کیکاؤس- ۱۷۴

۱۲- کیقباد- ۱۷۳، ۱۸۴

۱۳- کیخسرو- ۱۷۴، ۱۹۴

۱۴- کوہ کن - ۱۹۵
۱۵- کرشن - ۱۹۶
۱۶- کنشک - ۱۹۷
۱۷- کپرنیکس - ۱۹۸
۱۸- کوہ نور - ۲۰۱
۱۹- کرن انگھ - ۲۰۱
۲۰- کولمبس - ۲۰۳، ۲۰۴
۲۱- کرزن - ۲۱۳، ۲۱۴، ۳۶۰، ۳۸۳
۲۲- کعب بن زہیر - ۲۶۷
۲۳- کوپر (ولیم) ۲۸۰، ۴۱۱
۲۴- کلیم ہمدانی - ۲۸۲
۲۵- کمال الدین جنیدی - ۳۳۳، ۳۳۴
۲۶- کشنر (کچنر، لارڈ) - ۲۱۳، ۳۶۸
۲۷- کی کین (چینی شاعر) - ۳۷۶
۲۸- کنفیوشس - ۳۷۶، ۳۷۷

گ

۱- گرامی (مولانا، عبدالقادر) - ۲۰۰، ۳۲۰
۲- گیٹے (گوئٹے) - ۲۴، ۲۵، ۲۷۹، ۴۱۱
۳- گایتری - ۱۴۳
۴- گادھی - ۱۵۴
۵- گنس - ۱۶۹
۶- گوتم بدھ - ۱۹۶
۷- گلیلیو - ۱۹۸
۸- گرنڈی (پروفیسر) - ۲۱۹
۹- گاندھی (مہاتما) ۲۵۷، ۲۶۰

ل

۱- لاتثریب (قرآن) - ۲۹
۲- لاتقنطوا (قرآن) - ۳۹، ۸۷
۳- لاتحزن (قرآن) - ۴۰
۴- لاخوف علیہم (قرآن) - ۴۱، ۸۹
۵- لاتخف (قرآن) - ۴۱، ۸۳، ۸۹، ۹۴
۶- لاتحزنوا (قرآن) - ۵۳
۷- لات - ۵۳، ۱۳۵
۸- لن ترانی (قرآن) - ۶۰، ۶۱، ۹۴، ۹۵
۹- لایخلف المیعاد (قرآن) - ۶۵
۱۰- لیس للانسان الا ما سعیٰ (قرآن) - ۶۶
۱۱- لاتفسدوا (قرآن) - ۷۸
۱۲- لا الٰہ الا ہو (قرآن) - ۸۱، ۹۶
۱۳- لایحزنون (قرآن) - ۸۲
۱۴- لاتذر (قرآن) - ۸۶
۱۵- لاتدع مع اللہ الٰہ آخر (قرآن) - ۹۲
۱۶- لاشریک لہ (قرآن) - ۹۲
۱۷- لاتقربا (قرآن) - ۹۷
۱۸- لی مع اللہ (حدیث) - ۱۰۳، ۱۱۳
۱۹- لاتسبوا الدہر (حدیث) - ۱۰۳
۲۰- لانبی بعدی (حدیث) - ۱۰۴

۲۱- لولاک - ۱۱۰، ۱۲۳

۲۲- لاک - ۱۳۸، ۱۳۹

۲۳- لینن - ۱۹۰، ۱۹۱

۲۴- لیلیٰ - ۲۰۱

۲۵- لوتھر (مارٹن) - ۲۳۶

۲۶- لانگ فیلو - ۲۸۱

م

۱- میر حسن (سید) - ۲۱، ۲۶، ۳۴۸، ۳۴۹

۲- ملک راج آنند (ڈاکٹر) - ۱۷

۳- میک ٹیگرٹ - ۱۷

۴- منیرہ بانو - ۲۰

۵- محمد علی جوہر (مولانا) - ۲۰، ۳۵۶، ۳۹۲

۶- مسعود (راس، سر) ۲۰، ۲۵، ۳۷۸، ۳۷۹

۷- منٹو مارلے - ۲۷

۸- ماہ از انگشت اوشق - ۳۰

۹- ملک لا یبلیٰ (قرآن) - ۳۳

۱۰- ماغویٰ (قرآن) - ۵۱

۱۱- مازاغ البصر (قرآن) ۵۳، ۷۷

۱۲- منات - ۵۳، ۱۸۰

۱۳- موسیٰ (حضرت) - ۶۲، ۶۹، ۱۶۹، ۳۴۸

۱۴- ماجوج - ۶۶، ۳۵۸

۱۵- میثاق (قرآن) - ۷۱

۱۶- مارمیت (قرآن) - ۷۹

۱۷- مسجد اقصیٰ (قرآن) - ۸۸

۱۸- مسکین و اسیر (قرآن) - ۹۴

۱۹- من رانی (حدیث) ۱۱۲، ۱۱۳

۲۰- محی الدین ابن عربی - ۱۴۴

۲۱- مشائی - ۱۴۸

۲۲- منصور - ۱۵۱

۲۳- میکڈونل - ۱۵۳

۲۴- ملک بن عوس - ۱۶۰

۲۵- ممتاز محل - ۱۶۴

۲۶- مسعودی - ۱۶۷

۲۷- مراد سلطان - ۱۶۹

۲۸- محمد فاتح (سلطان) - ۱۶۹، ۲۴۲

۲۹- معاویہ (حضرت، امیر) - ۱۷۰

۳۰- محسن - ۱۷۲

۳۱- مالک (امام) - ۱۷۶

۳۲- مغیرہ بن شعبہ - ۱۸۲

۳۳- منوچہر - ۱۸۴

۳۴- موسیٰ بن نصیر - ۱۸۴

۳۵- مزدک - ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۰

۳۶- محمود غزنوی - ۱۸۷

۳۷- مانی - ۱۸۷

۳۸- معتصم باللہ- ۱۸۸

۳۹- مجنوں- ۲۰۰

۴۰- میر جعفر- ۲۰۲، ۲۲۳

۴۱- مرحب- ۲۰۹

۴۲- مردوخ- ۲۲۱

۴۳- میر صادق- ۲۲۴، ۲۲۵

۴۴- مظفر (نواب)- ۲۳۲

۴۵- معتمد- ۲۳۷، ۲۳۸

۴۶- میکیاولی- ۲۴۹، ۲۵۰

۴۷- مصطفےٰ کمال- ۲۵۱،

۴۸- مازنی (میزنی)- ۲۵۲

۴۹- مسولینی- ۲۵۸، ۴۰۰

۵۰- مالوی (پنڈت مدن موہن)- ۲۶۰

۵۱- محمد علی جناح- ۲۶۱

۵۲- مہدی مجروح- ۲۸۳

۵۳- ملک قمی- ۲۹۲

۵۴- محمود شبستری- ۲۹۹، ۳۰۰

۵۵- معری (ابو العلا)- ۳۱۰

۵۶- متبنی- ۳۱۰

۵۷- منوچہری- ۳۱۷

۵۸- مظہر جان جاناں- ۳۱۸

۵۹- میرزا (سودا)- ۳۲۳

۶۰- مصحفی- ۳۲۴

۶۱- میر (میر تقی)- ۳۲۴

۶۲- معین الدین چشتی اجمیری (حضرت)- ۳۳۱،

۶۳- میاں میر (حضرت)- ۳۳۲

۶۴- مریم (حضرت)- ۳۴۰

۶۵- محمد حسین آزاد- ۳۵۴، ۳۵۷

۶۶- مہدی سوڈانی- ۳۶۷

۶۷- محمود خاں- ۳۷۵

۶۸- محمود (سید)- ۳۷۸

۶۹- محمود حسن (شیخ الہند)- ۳۸۰

۷۰- محمد باقر خاں (قزلباش)- ۳۸۲، ۳۸۳

۷۱- محبوب علی خاں (میر)- ۳۸۶، ۳۹۱

۷۲- محمد حسین عرشی- ۳۸۹

۷۳- محمود خاں (حکیم)- ۳۹۱

ن

۱- نور محمد (شیخ)- ۱۳

۲- نذیر احمد (دہلوی)- ۲۲

۳- نظام الدین اولیا (محبوب الہٰی)- ۱۵، ۱۶، ۲۶۴، ۳۴۹

۴- نہرو رپورٹ- ۲۸

۵- نکلسن (ڈاکٹر)- ۱۷

۶- نحس مستمر (قرآن)- ۳۱

۷- نحن نزلنا (قرآن)- ۴۰

۸- نوح (حضرت)- ۵۹، ۷۳، ۳۳۶
۹- نور السمٰوٰت (قرآن)- ۶۸
۱۰- نفس واحدہ (قرآن)- ۷۶
۱۱- نسر- ۷۷، ۲۲۱
۱۲- نعم الجمل (حدیث)- ۱۰۵
۱۳- نعم مال صالح (حدیث)- ۱۲۱
۱۴- نیٹشے- ۱۲۸، ۱۲۹
۱۵- نظام الملک- ۱۵۷
۱۶- نقفور- ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶
۱۷- نور الدین- ۱۸۳
۱۸- نوشیرواں- ۱۸۶، ۲۱۷
۱۹- نیوٹن- ۱۹۸
۲۰- نادر شاہ- ۲۰۲، ۲۲۷
۲۱- نجیب الدولہ- ۲۰۶
۲۲- نجف خاں- ۲۰۶
۲۳- نانک (گرو)- ۲۰۹
۲۴- نمرود- ۲۱۳
۲۵- نپولین- ۲۳۹، ۲۴۰
۲۶- نور جہاں- ۲۴۱
۲۷- نعیم بن عبداللہ- ۲۴۶
۲۸- نظیری- ۲۷۵
۲۹- ناصر خسرو علوی- ۳۰۵
۳۰- نکیر و منکر- ۳۶۱
۳۱- ناصر خاں (آغا)- ۳۸۳
۳۲- نصیری- ۳۸۴
۳۳- نازلی بیگم- ۳۸۵

و

۱- وارڈ (پروفیسر)- ۱۷
۲- والشمس (قرآن)- ۵۷
۳- وقد کنتم بہ تستعجلون (قرآن)- ۶۶
۴- وشوامتر- ۱۵۴
۵- وششٹھا- ۱۵۴، ۱۵۵
۶- ولید بن عبدالملک- ۱۸۵
۷- وزیر حسین (سید)- ۲۶۱
۸- ولی خاں- ۳۷۵
۹- ورڈز ورتھ- ۴۱۰

ہ

۱- ہیگل- ۱۷، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۳
۲- ہل من مزید (قرآن)- ۳۶
۳- ہوئی (قرآن)- ۵۱
۴- ہل اتیٰ (قرآن)- ۵۲
۵- ہالک (قرآن)- ۷۵
۶- ہومر- ۱۴۵، ۳۲۸
۷- ہارون الرشید- ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷
۸- ہبل- ۱۸۰
۹- ہلاکو- ۱۸۸

۱۰- ہرش - ۱۹۷

۱۱- ہمایوں (بادشاہ) - ۲۰۲

۱۲- ہائنا - ۲۷۳

۱۳- ہرش وردھن - ۳۰۴

۱۴- ہمایوں (شاہ دین) ۳۵۷، ۳۵۸

۱۵- ہاشم - ۳۷۵

ی

۱- یہدی من یرید (قرآن) - ۴۳

۲- یاجوج - ۶۶، ۳۵۸

۳- یتسلون (قرآن) - ۶۶

۴- یعوق - ۷۷، ۲۲۱

۵- یالیت قومی یعلمون (قرآن) - ۷۹

۶- ینظر بنور اللہ (حدیث) - ۱۲۱

۷- یزدجرد - ۱۶۵

۸- یزید - ۱۷۰

۹- یحیٰی بن خالد برمکی - ۱۷۴

۱۰- یافعی - ۱۷۶

۱۱- یحیٰی بن بکیر - ۱۷۶

۱۲- یوسف بن تاشقین - ۲۳۷، ۲۳۸

۱۳- یوسف (حضرت) - ۳۴۴